سلسلہ چشتیہ

صابریہ، قدوسیہ، امدادیہ



جمع وترتیب

پیرجی سیّد مشتاق علی شاہ

نام کتاب	....	سلسلہ چشتیہ صابریہ، قدوسیہ، امدادیہ
جمع و ترتیب	....	پیر جی سید مشتاق علی شاہ
کمپوزنگ	....	ماہیر گرافکس 0333-8276791
ٹائٹل	....	حافظ محمد مجاہد
صفحات	....	320
تاریخ طبع اول	....	ستمبر 2018ء
قیمت	....	
پریس	....	

ملنے کے پتے

1 ..... پیر جی عبد المتین محلہ گوبند گڑھ گلی نمبر ۸ مکان نمبر C/36 گوجرانوالہ

2 ..... مکتبہ الفرقان اردو بازار گوجرانوالہ

3 ..... مکتبہ امام اہل سنت مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ عقب شیرانوالہ باغ

4 ..... مکتبہ اہل سنت والجماعت مرکز اہل سنت چک 87 جنوبی سرگودھا

فہرست مضامین

عرض مرتب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صوفیائے عظام، علمائے کرام اور دیگر اکابر و اسلاف کا تذکرہ کرنا اور ان کے احوالِ حیات، سیرت و کردار، خدمات و تعلیمات کا جمع کرنا اور سننا اور سنانا ہمارے نزدیک ذریعہ نجات ہے اسی لیے ہر دور کے مسلمانوں نے اس کام کو سرانجام دیا۔ ہمارے اکابر نے بھی بزرگانِ دین کے حالات میں بہت اچھی اچھی کتابیں یادگار چھوڑی ہیں اسی سلسلہ کی کڑی یہ کتاب ہے۔ ہماری یہ کتاب شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی چشتی صابری رحمۃ اللہ، امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہی رحمۃ اللہ، فخر مشائخ اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ کے سلسلہ پر مشتمل ہے اس لیے ہم نے اس کا نام ''سلسلہ چشتیہ، صابریہ، قدوسیہ، امدادیہ'' رکھا ہے۔

ہم نے اس کتاب میں اپنی طرف سے کچھ لکھنے کی بجائے اپنے بزرگوں کی چیزوں کو ہی اکھٹا کیا ہے۔ زیادہ تر مواد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ کی کتاب ''تاریخ مشائخ چشت'' سے لیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ تک کا مواد اسی کتاب کا ہے۔ مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ کے حالات حضرت مولانا نعیم الدین صاحب کی کتاب ''مجلس نفیس'' سے لیے ہیں۔ حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب رحمۃ کے حالات پر مولانا نعیم الدین صاحب نے ایک رسالہ محدث کبیر حضرت مولانا سید حامد میاں رحمۃ اللہ بانی جامعہ مدنیہ حیات وخدمات، کے نام سے شائع فرمایا تھا وہ مکمل رسالہ ہم نے اس میں شامل کر دیا ہے۔ اسی طرح قاری شریف احمد صاحب رحمۃ اللہ کے حالاتِ زندگی پر بھی مولانا نعیم الدین صاحب نے ''میرے مرشد میرے شیخ'' کے نام سے ۴۸ صفحات کا ایک رسالہ تحریر فرمایا تھا، ہم نے وہ بھی آپ کی اجازت سے اس کتاب میں شامل کر دیا ہے۔ مولانا نعیم الدین صاحب کے حالات بھائی عابد صاحب صفہ ٹرسٹ لاہور والوں نے لکھ کر بھیجے ہیں ہم نے کسی ترمیم و اضافے کے بغیر ان کو اس کتاب کا جزء بنا دیا ہے۔ باقی رہے احقر کے حالات وہ ہم نے سید ذاکر حسین صاحب کی کتاب سے لیے ہیں۔ ہم نے اپنی طاقت کے مطابق پوری کوشش کی ہے کہ کتاب میں کوئی غلطی نہ ہو اگر پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو آگاہ کریں، درست کر دی جائے گی۔

ہم قرآن و سنت کے خلاف کسی کی بات نہیں مانتے۔ والسلام

سید مشتاق علی

(ا)......سید الکونین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

اس سے کس کو انکار ہوسکتا ہے کہ نبی کریم صلی علیہ وسلم کے اوصاف جمیلہ کا ذکر خواہ کتنا ہی مختصر کیوں نہ ہو اس کے لیے بڑے سے بڑا دفتر بھی کم ہے آپ کے اخلاق، عادات، عبادات، معاملات، کمالات، معجزات، غرض کونسا باب ایسا ہے کہ جس کا کافی ذکر کیا جا سکے، یا اس کا احصاء کسی کے امکان میں ہو۔ اس لئے رسالہ کی برکت کی غرض سے اس بحر ذخار کے چند قطروں پر اکتفا کرتا ہوں۔

آپ کا اسم مبارک محمد ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) جس کو آپ کے دادا نے تجویز کیا تھا اور احمد نام آپ کی والدہ نے رکھا۔ ان دو کے علاوہ اور بھی بہت سے اسماء والقاب کے ساتھ آپ مخاطب کئے گئے ہیں جن کا شمار رسالہ کی وسعت سے باہر ہے، علامہ قسطلانی نے مواہب میں چار سو سے زیادہ بتلائے ہیں۔ اور ابن دحیہ نے بعض صوفیاء سے ایک ہزار تک نقل کیے ہیں۔

آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے:

محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

یہاں تک سلسلہ نسب بخاری شریف (ص ۵۴۳) میں مذکور ہے جو مجمع علیہ ہے اور متفق علیہ۔ اگر چہ اس کے بعد کتب تواریخ میں حضرت آدم علی نبینا وعلیہ السلام تک آپ کا نسب مذکور ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت باتفاق اہل تاریخ وسیر دوشنبہ کے دن ماہ ربیع الاول میں ہوئی۔ البتہ تاریخ میں دو قول ہیں۔ ایک قول آٹھ ربیع الاول ۴۲ کسروی کا ہے اور دوسرا بارہ ربیع الاول کا ہے جو ۲۹ اگست ۵۷۰ عیسوی کے مطابق ہے۔ آپ بطن مادر

ہی میں تھے کہ آپ کے والد نے پچیس سال اور چند ماہ کی عمر میں انتقال کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت معجزات اور پرورش وغیرہ کے حالات ہر ہر چیز ان میں سے دل کو پکڑنے والی ہے۔ اور اس قابل ہے کہ اس کا ذکر کیا جائے مگر افسوس ہے کہ یہ مختصر رسالہ اس کا تحمل نہیں کرسکتا۔ البتہ اتنا ضروری ہے کہ آپ کا نشونما عام بچوں کی طرح سے نہیں ہوا، بلکہ آپ دوسرے مہینہ اشارہ فرمانے لگے تھے اور چوتھے ماہ پاؤں پر کھڑے ہونے لگے تھے اور اسی طرح سال کے ختم تک چلنا پھرنا، باتیں کرنا سب شروع ہوگیا تھا۔ تیسرے سال کے ختم پر آپ کی دودھ پلانے والی حضرت حلیمہ جب آپ کو واپس لائیں تو یہ سمجھ کر کہ میرے گھر کی سب خیر و برکت جس کو تین سال سے تجربہ کررہی تھیں کہ ہر چیز میں کھلا فرق تھا وہ سب آج ختم ہورہی ہے۔ کچھ روز اور اپنے پاس رکھنے کے مہلت آپ کی والدہ سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ لے گئیں۔ لیکن وہاں پہنچ کر جب شق صدر کا معجزہ پیش آیا تو گھبرا کر اس خوف سے واپس پہنچا گئیں کہ مبادہ کوئی خوفناک منظر پیش آجائے۔

آپ کا سینہ مبارک چار مرتبہ شق کیا گیا اول مرتبہ تو یہی تھا۔ دوسری مرتبہ اس وقت ہوا جب آپ کی عمر شریف دس سال کی تھی یہ صحرا میں ہوا تھا۔ تیسری مرتبہ بعثت کے وقت ماہ رمضان المبارک یا ربیع الاول میں غار حرا میں ہوا۔ چوتھی مرتبہ معراج میں۔

(حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے شق صدر کی تفصیلی بحث لامع الدراری جلد ثانی میں موجود ہے۔)

شاہ عبدالعزیز صاحب نوراللہ مرقدہ نے الم نشرح کی تفسیر میں اس کو نہایت وضاحت سے ارشاد فرمایا ہے۔ جس کو چسکہ ہو اسے دیکھ لے لطف کی چیز ہے۔ نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کی بارہ منزلیں بھی اس میں تحریر کی گئی ہیں اور یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ ہر مرتبہ شق قدر کس مصلحت سے ہوا اور کس طرح ہوا۔

مجھے حیرت ہوتی ہے جب بعض مدعیان عقل و فضل سے اُچٹتا ہوا اور انکار کرنے والا دیکھتا ہوں، حالانکہ شفاخانوں اور ہسپتالوں میں اس قسم کے سینکڑوں مثالیں مل جاتی ہیں کہ انسانی

بدن کاٹ کر اور اس کا اندرونی حصہ نکال کر، دھو کر صاف کر کے اپنی جگہ رکھ دیا جاتا ہے حیرت ہے کہ نصاریٰ اور ان کے ملازم اس چیز پر قادر ہوں لیکن اللہ کا فرشتہ ایسا نہ کر سکے اور اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ بجلی کی مشین کے ذریعے سے ایک آدمی میں قوت بھری جا سکتی ہے لیکن ایمان وحکمت کی قوت کا بھرنا ان لوگوں کی عقل سے باہر ہو جائے۔ ہمیں اس جگہ معجزات پر کلام کرنا نہیں بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت ذات کے مجاہدات اور عادات کی چند مثالیں پیش کرنی ہیں جو منبع ہیں۔ صوفیاء کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کے مجاہدات اور کثرتِ عبادات کا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن ہی سے جن مصائب پر تحمل فرمانا پڑا اس کا احصاء بھی دشوار ہے۔ آپ کی پیدائش سے قبل ہی والد کا انتقال ہو چکا تھا۔ چھ سال کی عمر میں والدہ نے بھی داغِ مفارقت دے دیا۔ تو آپ کو آپ کے جد امجد عبدالمطلب نے پرورش کرنا شروع کی۔ لیکن دو سال اور دو ماہ دس دن بعد جب کہ آپ کی عمر شریف صرف آٹھ سال کی تھی انہوں نے بھی الوداع کہا۔ اولاد والے ان پے در پے صدمات کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ لیکن آپ کی ستودہ ذات کو ان سے کہیں بڑھ کر صدمات برداشت فرمانے تھے جن کے مقابلہ میں یہ امور کچھ بھی نہیں تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بچپن ہی سے رحمدلی، وفاداری، سچائی، دیانتداری، نیک چلنی، صفائی معاملات، غربا نوازی، قومی ہمدردی، اور انصاف پسندی غرض جملہ اخلاق محمودہ میں شہرہ آفاق ہو چکے تھے۔ امین کا لقب آپ کو دیا گیا تھا۔ بوڑھے لوگ آپ کا احترام کرتے تھے۔ مکہ میں عام طور پر یہ مشہور تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ امانت میں خیانت نہیں کی۔ کسی عورت کی طرف نظر بد سے نہیں دیکھا نہ کسی کی غیبت کی اور نہ کسی سے ترش رو ہو کر گفتگو فرمائی۔ ان اوصاف کی وجہ سے ہر شخص آپ کے ساتھ الفت ومحبت رکھتا تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دادا کے انتقال کے بعد اپنے چچا ابو طالب کی کفالت میں آ

گئے۔ مگر وہ کثیر العیال تھے اور اس کے ساتھ ہی مہمان نوازی اور سخاوت کے علاوہ سردارانہ حیثیت کے اخراجات اس پر مزید برآں تھے۔ اس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اول چچا کے ساتھ جبکہ آپ کی عمر نو سال کی تھی شام کا تجارتی سفر کیا۔ مگر اس مرتبہ بحیرا راہب نے راستہ سے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ ان کو ملک شام نہ لے جانا۔ یہود اگر ان کو دیکھیں گے تو برائی سے پیش آئیں گے۔ لیکن دوبارہ جب آپ کی عمر پچیس سال کی تھی حضرت خدیجہ کا مال لے کر ان کے غلام میسرہ کے ساتھ تشریف لے گئے اور واپسی پر جو منافع آپ کو ملے تھے وہ آپ نے اپنے چچا کی خدمت میں پیش کر دیئے کہ آپ کی سعادت کا مقتضی یہی تھا۔

اسی سال آپ کا نکاح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوا۔ نکاح کے وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بیوہ تھیں اور چالیس سال کی عمر تھی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پچیس سال کی تھی جو لوگ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم پر بکثرت شادیاں کرنے کی وجہ سے کسی غلط خیال اور باطل عقیدہ میں الجھے ہوئے ہیں ان کو صرف اسی ایک واقعہ سے سبق لینا چاہیے اور غور کرنا چاہیے کہ جب آپ نے اپنی نوجوانی کا زمانہ ایک بیوہ عورت کے ساتھ گزار لیا اور ایک بوڑھی عورت پر قناعت فرمائی تو ظاہر ہے کہ اس کے بعد آپ کی یہ بکثرت شادیاں ضرور کسی دینی مصلحت کی وجہ سے تھیں اور وہ مصلحت یہی تھی کہ مختلف خاندانوں اور برادریوں سے آپ کا تعلق ہو جائے جو ان کے لئے دین اسلام قبول کرنے میں معاون بنے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے آپ کی تمام اولاد یعنی چار صاحبزادیاں حضرت رقیہ حضرت زینب حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن اور چار یا تین صاحبزادے (علی اختلاف الاقوال) حضرت عبداللہ، حضرت طیب، حضرت طاہر، حضرت قاسم رضی اللہ عنہم پیدا ہوئے۔ البتہ ایک صاحبزادہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ بقیہ سب اولاد کا بھی داغِ مفارقت آپ کو اٹھانا پڑا اور یہی نہیں بلکہ لڑکوں کا انتقال

چونکہ بچپن میں ہی ہو گیا تھا، اس لئے اولاد کی جدائی کے ساتھ ساتھ جاہل عربوں کے طعنے بھی سننے پڑے کہ وہ آپ کو ابتر یعنی دم بریدہ اور منقطع النسل کہتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا زمانہ جوں جوں قریب آ رہا تھا آپ کو خلوت اور تنہائی زیادہ پسند ہوتی گئی۔ اکثر آپ ستو اور پانی اپنے ہمراہ لے کر مکہ مکرمہ سے تین میل پر کوہِ حرا تشریف لے جاتے تھے اور کئی کئی دن تک وہاں تنہائی و یکسوئی میں قیام فرماتے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور تسبیح و تہلیل میں مشغول رہتے، جب توشہ ختم ہو جاتا تو تشریف لا کر دوبارہ واپس چلے جاتے اور کئی کئی دن وہاں گزار دیتے رمضان المبارک میں اپنے اہل و عیال کو بھی لے جاتے اور تمام رمضان وہیں گزار دیتے۔ نبوت سے چھ ماہ قبل آپ کو سچے خواب بڑی کثرت سے نظر آنے لگے تھے۔ جو صبح کی طرح روشن ہوتے تھے اور صاف طور سے پورے ہو جاتے تھے۔ بسا اوقات پہاڑ کی آمد و رفت میں آپ کو السلام علیک یا رسول اللہ کی آواز درختوں اور پتھروں سے سنائی دیتی تھی۔ اس دوران میں جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس خلوت نشینی اور تنہائی کی عبادات و ریاضات کی وجہ سے بارِ وحی کے متحمل ہو گئے تو ایک دفعہ حضرت جبرائیل علیہ السلام سورہ اقراء کی شروع کی آیتیں یعنی اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ○ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ○ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ○ ایک ریشمی کپڑے پر لکھی ہوئی لائے۔ اس میں اختلاف ہے کہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا کہ ربیع الاوّل کا اور کون سی تاریخ تھی۔ صاحب مجمع البحار نے اس میں پانچ قول نقل کیے ہیں۔ فرشتہ نے آپ سے کہا کہ اس کو پڑھیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ فرشتہ نے آپ کو گلے سے لگا کر اس زور سے بھینچا کہ آپ پسینہ پسینہ ہو گئے جس سے آپ کو بہت تکلیف ہوئی۔ اس کے بعد پھر دوبارہ پڑھنے کو کہا۔ آپ نے پھر اُمّی ہونے کا عذر کیا۔ غرض اسی طرح تین مرتبہ فرشتہ نے آپ کو گلے سے لگا کر زور سے بھینچا اور چوتھی مرتبہ جب آپ سے پڑھنے کو کہا تو آپ نے بے تکلف ان کو پڑھ دیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے اس فعل کی مصلحتیں شراح حدیث نے مختلف لکھی ہیں۔

مگر شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنی تفسیر میں ایک لطیف بات تحریر فرمائی ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو تاثیر اور قوت ملکوئیت آپ میں پہنچانی مقصود تھی۔ جس کی توضیح یہ ہے کہ مشائخ کی تاثیر جو دوسرے میں اثر پیدا کرتی ہے اور جس کو عرف میں توجہ سے تعبیر کرتے ہیں چار طرح سے ہوتی ہے۔ اوّل انعکاسی کہلاتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص بہت سا عطر لگا کر مجلس میں آوے کہ اس کے عطر کی خوشبو سب ہم نشینوں کو معطر کر دے گی مگر اس خوشبو کا اثر اسی وقت تک رہے گا جب تک کہ وہ شخص مجلس میں موجود ہو اسی لیے توجہ کی یہ قسم سب سے ضعیف ہوتی ہے۔ دوسری توجہ القائی کہلاتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص چراغ کو درست کرے اور اس میں مناسب تیل اور روئی کا انتظام کر کے اسے روشن کر دے۔ یہ قسم پہلی قسم سے بڑھی ہوئی ہے کہ اس میں صاحب توجہ کی غیبت میں بھی اثر رہتا ہے۔ لیکن تھوڑے سے مانع مثلاً ہوا کی تیزی سے وہ ختم ہو جاتا ہے۔ تیسری قسم اصلاحی کہلاتی ہے۔ جس کی مثال ایسی ہے کہ کسی جگہ بہت سا پانی جمع کر لیا جائے اور کسی حوض تک اس کا بڑا سا راستہ بنا دیا جائے۔ ایسی صورت میں اگر کوئی معمولی سا مانع خش و خاشاک کی صورت سے راستہ میں آئے گا تو پانی کا بہاؤ اس کو ہٹا دے گا۔ لیکن اگر راستہ ہی بند ہو جائے تو پانی کی آمد و رفت بند ہو جائے گی۔ یہ قسم پہلی دونوں قسموں سے بہت زیادہ قوی ہے کہ نفس کی اصلاح اور لطائف کی ستھرائی اس میں بہت زائد ہے۔ چوتھی قسم اتحادی ہے۔ وہ یہ کہ شیخ اپنی روح کو مرید کی روح کے ساتھ اس درجہ پیوستہ کر دے کہ دونوں ایک ہو جائیں۔ ظاہر ہے کہ یہ صورت پہلی سب صورتوں سے زیادہ قوی ہے کہ شیخ کی روح میں جو کچھ ہوتا ہے وہ طالب کی روح میں سما جاتا ہے اور بار بار استفادہ کی ضرورت نہیں رہتی۔ صوفیاء کے ہاں یہ توجہ بہت اہم سمجھی جاتی ہے مگر بہت کم پائی جاتی ہے۔ اس نسبت اتحادی کے سلسلہ میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس اللہ سرہ العزیز کا قصہ مشہور ہے۔ جس کو حضرت شاہ عبدالعزیز نے تحریر فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ آپ کے یہاں کئی مہمان آ گئے اور گھر میں کھانے کو کچھ نہیں تھا۔ آپ اس فکر میں باہر تشریف لائے قریب ہی ایک نان بائی کی دکان تھی اس کو جب مہمانوں

کی آمد کی خبر ہوئی تو نہایت پرتکلف کھانا خوان میں رکھ کر حاضر ہوا۔ حضرت کی زبان سے غایت مسرت میں نکلا کہ مانگ کیا مانگتا ہے؟ اس نے عرض کیا اپنے جیسا کر دیجئے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ تو اس کا تحمل نہیں کر سکتا۔ مگر اس نے بار بار لجاجت سے درخواست کی۔ جب حضرت باوجود اپنے چند مرتبہ کے انکار کے مجبور ہو گئے تو اس کو اپنے ہمراہ لے کر حجرہ میں گئے۔ اور وہاں توجہ اتحادی فرمائی جب حجرہ سے باہر تشریف لائے تو دونوں کی صورت تک ایک سی معلوم ہو رہی تھی بس اتنا فرق تھا کہ حضرت خواجہ ہوشیار اور ہوش میں تھے اور وہ بے ہوش تھا اور اسی عالم بے ہوشی میں تیسرے دن انتقال کر گیا۔ رحمۃ اللہ تعالی رحمۃ واسعۃ۔

یہ ہی توجہ اتحادی حضرت جبرائیل علیہ السلام کی تھی مگر چونکہ اس کے تحمل کی استعداد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں بدرجہ اتم موجود تھی اس لیے اس کے تحمل سے آپ کو کوئی اشکال نہ ہوا۔ مگر بار بار بھینچنے اور دبوچنے سے اس درجہ آپ کو تکلیف ہوئی کہ بخار آ گیا اور دولت کدہ پر واپس تشریف لا کر حضرت خدیجہ سے فرمایا کہ مجھے جلدی سے کچھ اڑھاؤ کچھ افاقہ ہونے پر آپ نے حضرت خدیجہ کو یہ سب قصہ سنایا اور یہ بھی فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہے حضرت خدیجہ پہلے سے اپنے بھائی ورقہ بن نوفل کی زبانی اور اس جیسے اور واقعات سن کر اس وقت کی منتظر تھیں اس لئے آپ کو تسلی دینے کے طور پر عرض کیا کہ آپ یتیم بچوں پر ترس کھاتے ہیں، بیوہ عورتوں پر رحم فرماتے ہیں، ہمیشہ سچ بولتے ہیں، حق کے آپ ہمیشہ حامی رہے ہیں، آپ کی نیک عادت پاکیزہ خصلت اور محمود طبیعت سے ہر شخص واقف ہے، آپ کی مہمانداری غربا نوازی برادر پروری ضرور اچھا اور بہتر نتیجہ دکھلائے گی، لہٰذا آپ ذرا بھی خوف نہ فرمائیں، اس کے بعد حضرت خدیجہ نے ورقہ بن نوفل کے پاس جا کر پورا قصہ سنایا، ورقہ بن نوفل یہودیت و نصرانیت کے ماہر تھے اس لئے تمام قصہ سن کر قدوس قدوس پکار اٹھے اور فرمایا کہ یہ وہی ناموس ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آتے تھے پھر آپ کی زبانی تمام قصہ سنا اور آپ کے سر مبارک پر بوسہ دیا اور کہا کہ گھبراؤ نہیں تم کو نبوت کا خلعت مل گیا۔ تم وہی نبی ہو جن کے متعلق آسمانی کتابیں بشارتوں سے پر ہیں۔ کاش میں اس وقت زندہ

اور جوان ہوتا اور اس وقت آپ کی مدد کرتا جب کہ آپ کی قوم آپ کو نکالے گی۔ آپ نے تعجب سے پوچھا کیا یہ لوگ مجھ کو نکال دیں گے؟ ورقہ نے جواب میں کہا ہاں ! جو بھی نبی آیا اور اس نے توحید و رسالت کی دعوت دی اس کے ساتھ ابتدا میں عداوت اور دشمنی کا برتاؤ کیا گیا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اول اول مخفی طور پر لوگوں کو توحید کی تعلیم فرماتے رہے لیکن جب آپ نے دین کی تبلیغ میں یوماً فیوماً زیادتی فرمائی اور اہتمام شروع کیا اسی وقت سے کفار مکہ کی عداوت شروع ہوگئی، آپ کے لائے ہوئے پاکیزہ دین کی تعلیم سے گو مسلمانوں میں اضافہ بھی ہوتا رہا لیکن جوں جوں مسلمانوں میں اضافہ ہوتا تھا بد باطن کافروں میں حسد کی آگ بہت زیادہ بڑھتی جاتی تھی۔ ابو طالب حضرت کی حمایت بھی فرماتے تھے لیکن کفار کا از خود رفتہ جوش عداوت تکالیف پہنچانے سے باز نہیں رہتا تھا۔ مسلمانوں کی جماعت اول نہایت قلیل تھی اس وجہ سے وہ عبادت الٰہی مخفی طور پر کرتے تھے لیکن اس پر بھی جب ان کو عبادت کرتے ہوئے کوئی کافر اور مشرک دیکھ لیتا تو تمسخر کرتا، تکلیف پہنچاتا اور مار پیٹ سے بھی باز نہ رہتا۔ بنو امیہ کا سردار ابو سفیان مسلمانوں کا سخت دشمن ہو گیا تھا اور اس کوشش میں رہتا تھا کہ جو شخص مسلمان ہو اس کو عرب کے گرم ریت پر لٹا دیا جائے اور کہہ دیا جائے کہ یا تو بتوں کی پرستش کرو ورنہ ملک عدم کی راہ لو۔

تین سال تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقا اسی طرح خاموشی سے اسلام کی تبلیغ اور اللہ کی عبادت کرتے رہے۔ تین سال بعد قرآن پاک کی آیت وانذر عشیرتک الاقــربیــن نازل ہوئی۔ اس آیت شریفہ میں آپ کو اپنے رشتہ داروں کو عذاب الٰہی سے ڈرانے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس حکم کے نازل ہونے پر آپ کو اپنی قوم کی سرکشی کی وجہ سے ہر چند تشویش تھی مگر حکم الٰہی کی تعمیل بھی ضروری تھی اس لئے آپ نے دعوت کا اہتمام فرمایا اور اپنے سب اعزہ کو اس میں مدعو کیا اول مرتبہ کوئی حرف زبان پر لانے کی نوبت بھی نہ آئی کیونکہ تھوڑی سی مقدار کھانے کی چالیس آدمیوں کو کافی ہو جانا خود اس بات کے لئے بہت کافی تھا کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ کی کھوج لگاتے۔ اور آپ کے لائے ہوئے دین

سے تعلق پیدا کرتے مگر ابولہب یہ کہہ کر سب کو اپنے ساتھ لے گیا کہ کھانے میں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جادو کر دیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری مرتبہ پھر دعوت فرمائی اور سرداران قریش کو مدعو کیا اور کھانے کے بعد آپ نے نہایت پیارے الفاظ میں نصیحت فرمائی اور توحید کی ترغیب، شرک سے نفرت دلائی مگر کم بخت ابولہب نے ایک قہقہہ لگایا اور کہا کہ ابوطالب تمہارا یہ بھتیجا جو تم کو اولاد سے زیادہ پیارا ہے تمہیں یہ کہتا ہے کہ میری اطاعت کرو اور میرے تابعدار بن جاؤ یہ کہہ کہ سب نے مذاق اڑایا اور قہقہہ لگاتے ہوئے چلے گئے حتیٰ کہ آیت کریمہ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ نازل ہوئی، اس آیت میں آپ کو علی الاعلان تبلیغ کا حکم ہوا تو آپ کوہِ صفا پر تشریف لے گئے اور کفار کے سب قبائل کو نام بنام پکارا، عرب کے دستور کے موافق سب جمع ہو گئے تو آپ نے اول ان سے دریافت کیا کہ اگر میں اس بات کی خبر دوں کہ عنقریب تم پر کوئی دشمن حملہ کرنے والا ہے اور اس پہاڑ کے پیچھے چھپا ہوا بیٹھا ہے تو تم لوگ میری تصدیق کرو گے؟ سب نے بیک زبان اقرار کیا کہ ہم نے تمہیں جھوٹ بولتے کبھی نہیں دیکھا اس لئے ضرور سچا سمجھیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر عذاب الٰہی سے ڈرایا، مگر وہ کفار جو ابھی ابھی آپ کی صداقت کا اقرار کر چکے تھے یہ سن کر ہنس پڑے ابولہب نے غصہ میں آ کر کہا تبالك سائر اليوم الهذا جمعتنا یعنی تیرے لئے ہلاکت ہو، کیا اسی لئے ہم کو جمع کیا تھا (العیاذ باللہ) مجمع وہاں سے منتشر تو ہو گیا مگر جگہ جگہ آپ کی ایذا رسانی اور تکلیف دہی کے منصوبے شروع ہو گئے جس سے جو بن پڑا وہ اس نے کیا، ابولہب کی بیوی جو ابوسفیان کی بہن تھی وہ جنگل سے کانٹے لا کر آپ کے راستہ میں بچھاتی تا کہ رات کی آمد و رفت میں آپ کو تکلیف پہنچے، آپ کی دو صاحبزادیوں کے نکاح ابولہب کے دو بیٹوں سے ہو چکے تھے ان کو ہر طرح سے تکلیف دی جاتی اور بالآخر لڑکوں سے کہہ کر ان کو طلاق دلوادی تا کہ آپ کو اور بھی تکلیف پہنچے، ابوطالب ہر چند کہ آپ کی حمایت کرتے تھے مگر اول تو وہ تنہا دوسرے وہ خود اس نئے مذہب سے علیحدہ تھے۔ ایک مرتبہ کفار کا بہت سا مجمع اکھٹا ہو کر ابوطالب کے پاس گیا کہ آپ یا تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ان باتوں سے

روک دیں ورنہ ہمارے حوالہ کردو کہ خود ہم ان سے نمٹ لیں گے۔ ابو طالب سخت متحیر تھے نہ آپ کو چھوڑ سکتے تھے کہ باپ کی آخری وصیت اور آپ کے اخلاق و کمالات اس میں مانع تھے نہ کفار کے بار بار آنے والے وفود سے انکار کر سکتے تھے۔ بالآخر ایک مرتبہ انھوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا کر بڑی لجاجت اور طویل گفتگو کر کے آپ سے درخواست کی کہ آپ اپنے مقصد سے ہٹ جائیں اور دعوت دین کے کام کو چھوڑ دیں، مگر آپ نے نہایت ہی استقلال سے فرمایا کہ میرے چچا اگر کفار مکہ میرے ایک ہاتھ میں آفتاب اور دوسرے میں چاند رکھ دیں تب بھی میں اپنا کام نہیں چھوڑ سکتا یہاں تک کہ اللہ جل شانہ دینی مقصد کو پورا فرما دیں یا میں شہید ہو جاؤں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اندازہ فرما لیا تھا کہ اب چچا جان بھی حفاظت سے عاجز ہو گئے مگر اس کے باوجود آپ کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں آیا۔ کفار مکہ جوں جوں اپنی کوششوں میں ناکام ہوتے تھے اتنے ہی ان کا غصہ بڑھتا جاتا تھا جس اذیت اور تکلیف کے دینے پر قادر ہوتے اس میں کسر نہ چھوڑتے تھے بالخصوص نماز کی حالت میں آپ کو خاص طور سے ستاتے تھے ایک مرتبہ نماز پڑھتے ہوئے سجدہ کی حالت میں چند لوگوں نے مل کر آپ کی کمر مبارک پر اونٹ کا پیٹہ (اوجھڑی) رکھ دیا جس کے بوجھ کی وجہ سے آپ کو سجدہ سے اٹھنا مشکل ہو گیا اور جب آپ سر نہ اٹھا سکے تو خوب قہقہہ لگایا آپ پر راستہ میں پتھر مارے جاتے تھے نجاست اور گندگی ڈالی جاتی تھی اور اسی پر بس نہ تھا بلکہ قتل کر دینے کی تدابیر بھی ہر وقت کی جاتیں۔

جب خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ معاملہ تھا تو آپ کے رفقاء (مسلمان صحابہ) کا تو ذکر ہی کیا جب کہ ان حضرات کو تکلیف دینے میں کوئی مانع بھی نہ تھا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو روزانہ دوپہر کے وقت ریت پر لٹا کر ببول کے درخت کے کانٹے چبھوئے جاتے اور سینہ پر ایک سخت پتھر رکھ دیا جاتا کہ آپ تڑپ بھی نہ سکیں چاروں طرف آگ جلا دی جاتی تاکہ اسی حالت میں مر جاویں یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا چھوڑ دیں لیکن جب یہ تمام صورتیں بے کار ہو گئیں تو رات کو زنجیر میں باندھ کر چند لوگ باری باری کوڑے

مارتے تھے تاکہ اگلے روز یہ زخم دھوپ میں گرم ہو کر تکلیف پہنچائیں اور سوزش پیدا کریں مگر اس اللہ کے مخلص بندے کی زبان سے احد احد کے سوا کچھ نہ نکلتا تھا حضرت عمار اور ان کے والد حضرت یاسر کے ساتھ بھی یہ معاملہ ہوتا کہ روزانہ ان کو دھوپ میں لٹا کر گرم ریت کے ذریعہ ان کو تکلیف دیجاتی آخر حضرت یاسر اس کا تحمل نہ کر سکے اور چند روز میں انتقال کر گئے۔

حضرت عمار کی والدہ کے ابو جہل نے شرمگاہ میں ایک برچھی ماری جس سے وہ شہید ہو گئیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان احوال کو دیکھتے تھے مگر خود آپ کی یا اور کسی کی بھی مجال نہ تھی کہ کسی کی اعانت کر سکے۔

میں ان چند اوراق میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی جفاکشی اور دین حنیفی کے پھیلانے میں جو تکالیف آئیں ان کا مختصر تذکرہ بھی نہیں کر سکتا پھر بھلا صحابہ کے احوال و واقعات ذکر کرنے کی گنجائش کہاں سے لاسکتا ہوں اول تو قلم ان واقعات کے لکھنے سے کانپتا ہے دوسرے ہر ہر جملہ پہ مضمون اور کتاب کے طویل ہو جانے کا خوف ہے کہ ہمارے اولوالعزم مسلمانوں کو طویل تحریر پڑھنے یا دیکھنے کی مہلت بھی نہیں۔ اور اگر صفحات کے زیادہ ہو جانے کی وجہ سے کچھ قیمت میں اضافہ ہو گیا تو یہ ساری ہی کتاب نظروں سے اوجھل ہو جائے گی۔ کیونکہ دینی کام کے لئے پیسہ خرچ کرنا ہر شخص کا کام نہیں۔ ہاں سینما کے ٹکٹ جتنے چاہیں خرید سکتے ہیں۔

بہر حال جب صحابہ کرام پر حد سے زائد تکالیف کی بارش ہونے لگی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو مکہ چھوڑ کر کسی دوسری جگہ چلے جانے کی اجازت مرحمت فرمادی بہت سے لوگوں نے حبشہ میں جا کر اقامت فرمائی اور شاہ حبشہ جس کا نام اصحمہ اور لقب نجاشی تھا کے پاس جا کر سکون و آرام کی زندگی بسر کرنے لگے۔ یہ حبشہ کی پہلی ہجرت تھی جو نبوت کے پانچویں سال ماہ رجب میں ہوئی۔ اس جماعت میں گیارہ یا بارہ مرد اور چار یا پانچ عورتیں تھیں اس کے بعد صحابہ کرام کی ایک اور جماعت حبشہ گئی جس میں تراسی مرد اور اٹھارہ عورتیں

شامل تھیں یہ حبشہ کی دوسری ہجرت کہلاتی ہے۔ کفار مکہ اپنی حماقت سے اس کوشش میں بھی لگے رہے کہ وہاں سے بھی یہ مظلوم نکال دیئے جائیں۔ مگر وہ ساری تدابیر بے کار رہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس خود مکہ معظمہ میں مقیم رہے اور ہر نوع کی تکالیف برداشت فرماتے رہے چھ سال کامل یہ ہی مشقت اور تکالیف برداشت کرتے ہوئے گزر گئے۔ یکم محرم ۷ نبوی میں کفار مکہ نے ایک نئی تجویز ایذا رسانی کی نکالی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام کنبہ کو برادری سے الگ کر کے شعب ابی طالب میں محبوس کر دیا۔ عام لوگوں کا کھانا پینا بھی ان حضرات کے ساتھ بند تھا اس گھاٹی سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔ نہ ہی کسی دکاندار سے کسی چیز کے خریدنے کی اجازت تھی۔ نہ وہاں کھانے پینے کا کوئی سامان لے جانے کی اجازت۔ خود ان حضرات کے پاس کھانے پینے کا جو سامان تھا وہ کچھ دن بعد جب ختم ہو گیا تو اس کے بعد فاقے پر فاقے شروع ہوئے بچے اور عورتیں بھوک کی شدت سے بے تاب ہو گئے۔ کفار کا یہ معاہدہ زبانی معاہدہ نہ تھا اور ایک دو آدمیوں کی قرارداد نہ تھی بلکہ تمام سرداران مکہ کے اس پر دستخط کرائے گئے تھے۔ اس معاہدہ کا لکھنے والا منصور ابن عکرمہ عبدری تھا۔ حق تعالیٰ کی طرف سے اس کو یہ سزا ملی کہ اسکے ہاتھ شل ہو گئے۔ لیکن جب بدبختی غالب ہوتی ہے تو کوئی بات بھی دل پر اثر نہیں کرتی۔ جب تین سال کامل اسی مجاہدہ کو ہو گئے اور اس امتحان میں مسلمان کامیاب ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت نے چند لوگوں کے دل میں اس معاہدہ کی مخالفت پیدا فرمادی اور خود کفار و مشرکین میں سے چند لوگ ایسے اُٹھ کھڑے ہوئے جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر ترس آ گیا۔ ابھی یہ بات چل ہی رہی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی اس کی اطلاع ملی کہ وہ کاغذ جس پر معاہدہ لکھا ہوا ہے اس کو دیمک کھا گئی اور صرف وہ جگہ صحیح و سالم باقی رہ گئی۔ جس پر اللہ پاک کا نام ہے۔ ابو طالب نے اس موقعہ پر قریش کے سرداروں سے کہا کہ مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ وہ کاغذ دیمک کھا گئی اب فیصلہ اسی پر ہے اگر واقعی وہ معاہدہ دیمک کی نذر ہو گیا تو اب تم اپنی حرکت سے باز آ جاؤ۔ معاہدہ کو دیکھا تو وہ واقعی ایسا ہی ہو چکا

تھا۔ جن لوگوں کو پہلے سے مخالفت کا خیال پیدا ہو چکا تھا ان کو تقویت ہوئی اور تین برس بعد یہ سب حضرات اس ابتلاء سے نکلے۔ مگر اس کے قریب ہی آپ پر یکے بعد دیگرے دو سخت صدمے پیش آئے ایک آپ کے چچا ابو طالب کا انتقال تھا جن کا وجود کفارِ مکہ کی بہت سی اذیتوں کو روکنے والا تھا۔ دوسرا صدمہ آپ کی جانثار مونس بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال تھا یہ سال مسلمانوں میں عام الحزن (غم کا سال) سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ اس ظاہری اعانت اور رفاقت کا سہارا بھی جاتا رہا۔ مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجود تمام تکالیف اور اذیتوں کے اور باوجود صدمات اور رنج و غم کے اپنے اللہ کے ساتھ کے لگاؤ اور اس کے دین کی اشاعت اور تبلیغ سے کوئی چیز بھی ہٹانے والے نہ تھی۔ کفار مکہ ہر وقت آپ کو مجنون، دیوانہ کاہن، جادوگر، شاعر وغیرہ وغیرہ القاب سے پکارتے طعنے دیتے۔ مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت ان کی فلاح و بہبود اور مسلمان ہو جانے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ کوئی مصالحت کی گفتگو ہوتی تب بھی آپ کا جواب یہ تھا کہ مصالحت صرف ایک صورت سے ہو سکتی ہے وہ یہ کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ اور اللہ پاک کی عبادت کرنے لگو۔ مگر ان لوگوں کی طرف سے اس پر قہقہے لگتے۔ مذاق اُڑایا جاتا، خاص شہر مکہ سے جب آپ کو مایوسی ہوئی تو آپ نے مکہ کے اطراف میں تبلیغ شروع فرمائی۔ اور ہر ہر قبیلہ سے جا کر اللہ کے دین میں داخل ہونے اور اللہ کے پاک رسول کی مدد کرنے کی درخواست کی مگر ان لوگوں نے بجائے اعانت ومدد کے صاف انکار کر دیا اور مذاق اُڑایا۔

طائف میں جب آپ نے اللہ کے پاک دین کو پھیلانے کا ارادہ فرمایا تو وہاں کے سرداروں نے نہ صرف آپ کا مذاق اُڑایا بلکہ بچوں اور شہر کے اوباش لوگوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا کہ آپ کو اینٹیں ماریں اور پتھر برسائیں اس پتھراؤ کے بعد آپ کے دونوں جوتے خون کے بہنے کی وجہ سے سُرخ ہو گئے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپس تشریف لائے اور ایک جگہ اطمینان سے بیٹھ کر دعا مانگی۔

اَللّٰهُمَّ الیك اشکو ضعف قوتی وقلة حیلتی وھوانی علی الناس یا ارحم

الراحمين انت رب المستضعفين وانت رَبی الی من تکلنی الی بعید یتجهمنی ام الی عدو ملکته امری ان لم یکن بك علی غضب فلا ابالی ولکن عافیتك هی اوسع لی اعوذ بنور وجهك الذی اشرقت له الظلمات وصلح علیه امر الدنیا و الآخرة من ان تنزل بی غضبك او یحل علی سخطك لك العتبی حتیٰ ترضی ولا حول ولا قوة الا بك (کذا فی سیرت هشام، قلت و اختلف الروایات فی الفاظ الدعا کما فی قرة العیون)

(ترجمہ) اے اللہ تجھ ہی سے شکایت کرتا ہوں میں اپنی کمزوری اور بے کسی کی اور لوگوں میں ذلت ورسوائی کی، اے ارحم الراحمین تو ہی ضعفاء کا رب ہے اور تو ہی میرا مددگار ہے، تو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے کسی اجنبی بیگانہ کے جو مجھے دیکھ کر ترش رو ہوتا ہے اور منہ چڑاتا ہے یا کہ کسی دشمن کے جس کو تو نے مجھ پر قابو دے دیا۔

اے اللہ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو مجھے کسی کی بھی پرواہ نہیں ہے تیری حفاظت مجھے کافی ہے، میں تیرے چہرے کے اس نور کے طفیل جس سے تمام اندھیریاں روشن ہوگئیں اور جس سے دنیا اور آخرت کے سارے کام درست ہوجاتے ہیں، اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ مجھ پر تیرا غصہ ہو یا تو مجھ سے ناراض ہو، تیری ناراضگی کا اس وقت تک دور کرنا ضروری ہے جب تک تو راضی نہ ہو، نہ تیرے سوا کوئی طاقت ہے نہ قوت۔ اللہ جل شانہ کے یہاں سے ہر مجاہدہ پر اس کے موافق انعام ملتا ہے اور اللہ کے راستے میں جس قدر قربانیاں دی جائیں اس کے موافق ثمرہ عطا ہوتا ہے۔ یہ قصہ خود اپنے اندر بہت بڑی قربانی اور مجاہدہ کو لئے ہوئے ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان مجاہدات کا ثمرہ وہ تقرب الٰہی ہے جو معراج کے نام سے مشہور ہے کہ یہ تقرب اوّلین وآخرین میں کسی کو بھی نصیب نہیں ہوا، اسی معراج میں مسلمانوں کو ایک انتہائی عظیم الشان تحفہ یہ دیا گیا کہ ان پر پانچ وقت کی نماز فرض کردی گئی جو حق تعالیٰ سے مناجات کا ذریعہ بھی ہے اور سب سے اہم عبادت بھی ہے۔ مگر افسوس ہے ان لوگوں پر جو احکم الحاکمین کی بارگاہ کے تقرب سے منہ موڑ کر چند کوڑیوں کے

مالک اور چند لمحوں کے حاکموں کا درباری تقرب ڈھونڈنے کے لیے اپنا جان و مال حتیٰ کہ اپنا دین بھی قربان کردیتے ہیں۔

معراج کا قصہ مسلمانوں کے لیے جتنا بھی قابل افتخار ہو مگر کفار کے لئے اور بھی استہزاء اور مذاق اڑانے کا سبب بن گیا۔ اور طعن و تشنیع سب و شتم کا ایک اور بہانہ ان کے ہاتھ آ گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پہلے ہی باہر کے آنے والوں کو تبلیغ فرمایا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے ۱۱ نبوی سے مدینہ طیبہ میں اسلام کی داغ بیل پڑ چکی تھی۔ مدینہ والے جو اپنی ضرورتوں یا حج کی ادائیگی کی وجہ سے مکہ مکرمہ آتے تھے وہ یہاں سے مسلمان ہو کر جاتے اور پھر مہاجرین بھی ہجرت کر کے مدینہ طیبہ جانے شروع ہو گئے تھے اس اعتبار سے مدینہ طیبہ میں مسلمانوں کی تعداد اچھی خاصی تھی اور یہ حضرات چاہتے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مستقل مدینہ تشریف لے آئیں اور ہمیں مشرف فرمائیں مگر آپ ہر مرتبہ یہی فرماتے کہ مجھے ابھی حق تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کا حکم نہیں ملا۔ چنانچہ آپ حکم الٰہی کے انتظار میں مکہ میں ہی قیام فرما رہے اور رات دن عبادت الٰہی میں لگے رہے ادھر کفار مکہ بھی اپنی انتقامی کارروائیوں سے نہیں رکتے تھے۔ جب آپ نماز پڑھتے تو سجدہ کی حالت میں آپ کو ستایا جاتا۔ آپ پر راستہ میں مٹی اور ڈھیلے پھینکے جاتے مگر آپ نہایت صبر و تحمل سے ان سب چیزوں کو برداشت فرماتے رہتے۔ ایک روز کفار مکہ نے ایک جلسہ کیا جس میں یہ طے پایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر ڈالو اور یہ قتل ایک شخص نہ کرے بلکہ پانچ قبیلوں میں سے ایک ایک آدمی لے کر ان کے ذریعہ سے یہ قتل ہوتا کہ بنو ہاشم اگر انتقام اور بدلہ لینا چاہیں تو ان کے لئے مشکل ہو اور وہ مجبوراً دیت پر راضی ہو جائیں۔ اس منصوبہ کی اطلاع آپ کو بذریعہ وحی ہوئی اور ساتھ ہی ہجرت کر جانے کی اجازت بھی مل گئی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بستر پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو لٹایا اور ان کو وہ تمام امانتیں حوالہ کر آئے جو مکہ کے لوگوں نے اپنی دشمنی کے باوجود آپ کے پاس رکھوا رکھی تھیں۔ یہ انتظام فرما کر رات کے وقت آپ گھر سے باہر نکلے چاروں طرف کافروں کا پہرہ تھا جو شام ہی سے

آپ کے گھر پر آ گئے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی میں مٹی لے کر ان ذلیلوں پر پھینکی جس کی گرد نے ان کی آنکھوں سے آپ کو اوجھل کر دیا۔ اس کے بعد آپ حضرت ابوبکر کے پاس تشریف لائے اور انکو اپنے ہمراہ لے کر غار ثور میں جا کر چھپ گئے اور تین شب وہیں مقیم رہے ادھر صبح کو جب کفاروں کو اپنی ناکامی کا احساس ہوا تو طیش میں آ گئے اور چاروں طرف سوار دوڑا دیئے اور اعلان کر دیا کہ جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو گرفتار کر لائے گا بہت بڑا انعام پائے گا مگر چونکہ آپ خدا کی حفاظت اور نگہداشت میں تھے اس لئے بخیر و عافیت رہے اور کوئی آپ کا بال بیکا نہ کر سکا غار ثور میں تین شب قیام فرمانے کے بعد آپ مدینہ طیبہ کے لئے روانہ ہوئے راستہ میں چار روز قبا میں قیام فرمایا۔ قبا مدینہ منورہ کے نزدیک ہی ایک چھوٹی سے بستی ہے۔ جمعہ کے دن بارہ ربیع الاول مطابق ۲۴ ستمبر ۶۲۲ء کو آپ نے مدینہ منورہ میں نزول فرمایا۔

یہاں تک ہجرت اور مکہ مکرمہ کے زمانہ قیام کے چند واقعات مثالاً ذکر کر دیئے کہ ان سب کا احصاء اپنی کم مائیگی کی بدولت نہ مجھ سے ممکن نہ دیکھنے والوں کو اتنی فرصت۔ مدینہ منورہ کے قیام میں جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو انتظامی امور کی بھی دیکھ بھال کرنی ہوتی تھی علوم و مسائل کی نشر و اشاعت بھی ہوتی تھی۔ فقہ و حدیث بھی بہایا جاتا تھا۔ جس کے حصول میں لوگوں نے اپنی عمریں خرچ کر دیں اور پھر بھی تمام احادیث کے ذخیرہ کا اور تمام فقہ کا احاطہ نہ کر سکے جہاد بھی ہوتا تھا اور دنیا بھر کے سلاطین کے پاس وفود بھی بھیجے جاتے تھے یہود مدینہ اور منافقین کی مخالفتیں بھی ہر وقت رہتی تھیں اور وہ ہر کام میں روڑا اٹکانے میں لگے رہتے تھے آپس کے جھگڑے اور قصے بھی نمٹائے جاتے تھے۔ گھروں کی ضروریات بھی پوری فرمائی جاتی تھیں تو ان سب مشاغل کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد الٰہی کا وقت اور خلوت کے لئے جنگل میں جانے کی فرصت مل جاتی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے کسی نے دریافت کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آبادی چھوڑ کر جنگلوں میں تشریف لے جایا کرتے تھے؟ انھوں نے فرمایا ہاں! آپ ان وادیوں کی طرف تشریف لے

جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے صحرا میں جانے کا ارادہ فرمایا تو ایک سرکش اونٹنی میرے پاس بھیجی اور کہلوایا کہ اس کو سواری کے واسطے تیار کرلو اور اس کے ساتھ نرمی کرنا زیادہ سختی سے نہ پیش آنا اس لئے کہ نرمی ہر چیز میں زینت پیدا کر دیتی ہے۔

اب میں مدینہ طیبہ کے زمانہ قیام کے چند واقعات سن وار پیش کرتا ہوں۔

اھ اس سال اسلام میں اذان کی ابتداء ہوئی۔ مسلمان جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو ان کو نمازوں کی ادائیگی میں اوقات معلوم نہ ہونے کی وجہ سے بڑی دقت ہوتی تھی۔ صحابہ محض اندازہ سے مسجد میں جمع ہو جاتے تھے اور نماز ادا کرلیا کرتے تھے۔ لیکن چونکہ یہ دقت اور تکلیف روزمرہ کی تھی اس لیے صحابہ نے دربار نبوی سے اس کا مستقل حل چاہا۔ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس تکلیف کو محسوس فرماتے تھے۔ آخر کار تمام صحابہ نے ایک روز جمع ہو کر مشورہ کیا۔ اور نماز کے اوقات کی اطلاع بسہولت ملنے کے لیے اپنی اپنی رائے دینی شروع کی۔ ایک رائے یہ تھی کہ نماز کے وقت جھنڈا بلند جگہ پر کھڑا کر دیا جائے اس کو دیکھ کر نماز کے لیے سب جمع ہو جایا کریں۔ اس کے علاوہ ناقوس، بگل اور سنکھ بجانے کی بھی رائے ہوئی مگر یہ سب طریقے چونکہ دوسرے مذاہب میں رائج تھے اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کسی کو پسند نہیں کیا اور فرمایا کہ ناقوس نصاریٰ کے یہاں رائج ہے، بگل یہود کے یہاں بجتا ہے اور ہم کفار کی مشابہت اختیار نہیں کرتے۔ الغرض بات ادھوری رہ گئی اور کوئی نتیجہ اس گفتگو سے نہ نکل سکا اسی شب میں حضرت عبداللہ بن زید کو کسی غیبی فرشتہ نے اذان کے کلمات تعلیم فرمائے۔ وہ یہ خواب دیکھ کر دربار نبوی میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ میں کچھ سو رہا تھا اور کچھ جاگ رہا تھا کہ کسی نے مجھے یہ کلمات (جو اب اذان میں دہرائے جاتے ہیں) تلقین کئے ہیں آپ نے انہیں سن کر حضرت بلال کو یاد فرمایا اور فرمایا کہ یہ کلمات کسی اونچی جگہ کھڑے ہو کر دہراؤ۔ یہ کلمات جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنے تو انتہائی خوشی کے باعث اپنی چادر گھسیٹے ہوئے تشریف لائے اور فرمایا کہ یا رسول اللہ یہی الفاظ بیس دن قبل میں نے بھی کسی کہنے والے سے سنے تھے مگر شرم کی وجہ سے عرض نہ کر سکا۔

اس ناکارہ کا خیال یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن زید کے خواب کے کلمات اذان سننے کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت بلال کو ترجیح دی تو یہ ان کی ان مشقتوں کا بدلہ تھا جو انہوں نے ابتداء اسلام میں کفار مکہ کے ہاتھوں برداشت کی تھیں کہ مشرکین ان کو مکہ کی تپتی ہوئی ریت پر لٹا دیا کرتے تھے اور اس وقت بھی احد احد (یعنی اللہ ایک ہے) کی صدا بلند کیا کرتے تھے۔ اگرچہ حدیث پاک میں اس ترجیح کی وجہ حضرت بلال کا بلند آواز ہونا بتلایا گیا ہے مگر وہ میرے اس قول کے منافی نہیں۔ اسی سال محرم کی دسویں تاریخ یعنی یوم عاشورہ کا روزہ ابتداء فرض ہوا مگر جب رمضان کے روزے امت مسلمہ کے حق میں فرض ہو گئے تو یہ یوم عاشورہ کا روزہ صرف مستحب رہ گیا۔

اسی سال حضرت سلمان فارسی، حضرت عبداللہ بن سلام سلسلہ اسلام میں داخل ہوئے جن کی قربانی اور جانفروشی کے واقعات مشہور ہیں۔

اسی سال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ اور اپنی صاحبزادیوں کو مکہ سے مدینہ بلوایا۔ انصار و مہاجرین کے درمیان مواخات اور بھائی چارہ اسی سال قائم ہوا۔ نیز اسی سال شوال کے مہینہ میں حضرت عائشہ کی رخصتی ہوئی۔

۲ ہجری حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ اسی سال ہوا جہیز میں جو سامان حضرت فاطمہ کو ملا وہ یہ تھا۔ ایک پلنگ دو چادریں ایک تکیہ دو بازوبند چاندی کے ایک مشکیزہ اور مٹی کے دو گھڑے، ارکان اسلام میں سے دو اہم رکن، روزے اور زکوٰۃ نیز عیدین کی نماز، صدقہ فطر کے احکامات یہ سب اسی سال نازل ہوئے۔

مسلمان اب تک نماز بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھتے تھے امسال تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا اور مسلمانوں کے لئے دائمی قبلہ بیت اللہ قرار دیا گیا، عیدالاضحیٰ کی نماز سب سے اول اسی سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت کے ساتھ عید گاہ میں ہوئی۔

مشہور لڑائی غزوہ بدر جس میں مسلمان تین سو تیرہ (۳۱۳) اور کفار نو سو پچاس (۹۵۰) تھے وہ بھی اسی سال ہوئی۔ اس لڑائی میں حضرت عثمان شریک نہ ہو سکے کیونکہ ان کی اہلیہ

محترمہ یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ سخت بیمار تھیں ان کی خیر خبر اور دیکھ بھال کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان اور حضرت اسامہ بن زید کو حکماً مدینہ میں چھوڑ گئے تھے۔ جس دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بدر سے فارغ ہو کر مدینے پہنچے اس سے ایک دن پہلے حضرت رقیہ انتقال کر چکی تھیں۔ حضرت عثمان چونکہ حضور کے حکم سے روک دیئے گئے تھے اس لئے مال غنیمت میں برابر کے حصہ دار بنائے گئے، اس غزوہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تضرع وزاری اور خدا کی بے پرواہ ذات کا جو خوف طاری تھا اس کا اندازہ اس دعا سے ہوسکتا ہے جو آپ نے میدان جنگ میں فرمائی اور ہاتھ دعا کے لیے اتنے اونچے اٹھے کہ کندھے پر سے چادر گر گئی تھی، آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی جاری تھی اور فرما رہے تھے، اے خدا اپنے وعدہ کو آج پورا فرما۔ آج مدد کا دن ہے اگر یہ چھوٹی سی جماعت ختم ہوگئی تو کوئی بھی تیری عبادت کرنے والا نہ رہے گا، تجھ کو ایک سمجھنے والے یہی چند لوگ ہیں جو تیرے کہلاتے ہیں ان کی مدد آپ ہی کے ذمہ ہے اور اسلام کی عزت تیرے ہاتھ میں ہے، لڑائی شروع ہوئی اور بڑی گھمسان کی ہوئی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی مٹی کی اٹھا کر کافروں کی طرف پھینکی اور فرمایا **شاھت الوجوہ** یعنی یہ منہ ذلیل ہو جائیں، خدا کی قدرت کہ اس مٹی کا اثر سارے کافروں پر ہوا، کسی کافر کی آنکھ ایسی نہ رہی جس میں یہ مٹی نہ گری ہو، اس کے علاوہ اس لرائی میں کھلی آنکھوں خدا کی مدد اور فرشتوں کی اعانت ہوئی۔

ایک صحابی فرماتے ہیں کہ میں اس لڑائی میں ایک کافر کا پیچھا کر رہا تھا یکا یک بہت زور سے کوڑا مارنے کی آواز سنائی دی اور کسی کو یہ کہتے ہوئے سنا اے حیزوم ہاں آگے بڑھ کہنے والا تو نظر نہ آیا مگر جس کافر کا میں پیچھا کر رہا تھا اس کو اپنے آگے مرا ہوا پایا اس کی ناک پھٹ چکی تھی اور کوڑے کی چوٹ سے نیلی پڑ گئی تھی۔ ایسے ہی حضرت ابن عباس کو جس صحابی نے گرفتار کیا وہ بہت کمزور اور لاغر آدمی تھے جب ان سے پوچھا گیا کہ تم نے عباس جیسے پہلوان اور مضبوط آدمی کو کیسے گرفتار کر لیا تو فرمایا کہ اس وقت میری ایک ایسے آدمی نے مدد کی جس کو

نہ اس سے پہلے میں نے دیکھا تھا اور نہ اس کے بعد پھر کبھی دیکھا۔ اتنی بڑی معرکۃ الآراء لڑائی ہوئی لیکن خدا کی مدد شامل حال تھی۔ اس لئے پانچ مہاجر اور آٹھ انصار مسلمان شہید ہوئے جن کو انہی کپڑوں میں دفن کر دیا گیا۔ لڑائی ختم ہونے کے بعد کافروں کی لاشیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے کنوئیں میں ڈال دی گئیں۔ چوتھے دن آپ اس کنوئیں پر تشریف لائے اور فرمایا۔ اب تو تم تمنا کرتے ہوگے کہ ہائے کاش اللہ و رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت کر لیتے اللہ کا ہم سے جو کچھ وعدہ تھا اس کو ہم نے ٹھیک پالیا تم نے بھی اپنے وعدہ کو ٹھیک پایا؟ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بخیر و عافیت مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔

۳ ہجری اس سال حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ، کا انتقال ہوا۔ یہی وہ سب سے پہلے صحابی ہیں جو جنت البقیع میں دفن ہوئے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے والے صحابہ میں سب سے پہلے انہی کا انتقال ہوا۔

اسی سال ماہ رمضان میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

غزوہ احد اسی سال ہوا جس میں مسلمانوں کی تعداد سات سو (۷۰۰) اور کافروں کی تعداد (۳۰۰۰) تھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے جانثاروں کے ساتھ مدینہ طیبہ سے چل کر جبل احد کے لیے روانہ ہوئے لڑائی کے مقام پر پہنچ کر آپ نے صف بندی فرمائی اور پچاس تیر انداز جن پر حضرت عبداللہ بن جبیر امیر مقرر کئے گئے تھے۔ فوج کے پیچھے پہاڑی درہ کے قریب بٹھا دیئے گئے تاکہ دشمن پیچھے سے حملہ نہ کر سکے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جماعت کو ہدایت فرمادی کہ خواہ ہم کامیاب ہوں یا ناکام مگر تم اپنی جگہ نہ چھوڑنا، لڑائی پوری شدت کے ساتھ ہوئی میدان صحابہ کے ہاتھ رہا شکست کھانے کے بعد جب کفار ہر چہار جانب منتشر ہو گئے اور ان کا زور بالکل ٹوٹ گیا تو مال غنیمت پر مسلمانوں نے قبضہ کرنا شروع کیا وہ تیر انداز دستہ یہ سوچ کر کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم پہاڑی درہ میں قیام کا صرف لڑائی تک تھا جو اب ختم ہو چکی ہے، نیچے اتر آئے ان کے امیر حضرت عبداللہ بن جبیر

نے بہت روکا مگر سوائے دس آدمیوں کے کسی نے بھی ان کا کہنا نہ مانا، چنانچہ وہی ہوا جس کا خطرہ تھا کہ خالد بن ولید جو اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے فوج کو اپنے ساتھ لے کر اسی درہ میں داخل ہو گئے اور مسلمانوں پر یکبارگی حملہ کر دیا اس حملہ کی مسلمان تاب نہ لا سکے ستر صحابہ شہید ہوئے جس میں حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ کافروں کی کوشش یہ تھی کہ کسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کیا جائے چنانچہ عتبہ بن ابی وقاص نے ایک پتھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مارا جس کی بنا پر آپ کا نیچے کا دانت اور نیچے کا ہونٹ زخمی ہوا ۔جس میں سے خون بہنے لگا، ابن قمیہ نے تلوار سے ایسا حملہ کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تاب نہ لا سکے۔ بدن مبارک پر چونکہ دو زرہ کا بوجھ بھی تھا اس لیے آپ ایک غار میں گر گئے باہر نکلنا دشوار ہو گیا، زخمی ہو جانے کی وجہ سے چہرہ مبارک خون آلود ہو گیا، چونکہ خون برابر بہہ رہا تھا اس لیے آپ کمزور اور نڈھال ہو گئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ پانی بھر بھر کر لاتے تھے اور آپ کے چہرہ سے خون دھو رہے تھے لیکن جب وہ کسی طرح خون بند نہ ہوا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بوریہ کا ایک ٹکڑا جلا کر زخم میں بھر دیا تا کہ خون رک جائے کفار کے اس حملہ کی وجہ سے مسلمان تتر بتر ہو گئے۔ بڑے بڑے صحابہ جیسے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت طلحہ تو اپنی اپنی جگہ ثابت قدم رہے لیکن بقیہ صحابہ دوطرفہ حملہ کی تاب نہ لا کر ادھر ادھر بھاگ نکلے یہ صورت حال دیکھ کر حضرت حمزہ نے مسلمانوں کو للکارا اور ان کو جمع کر کے یکبارگی کافروں پر حملہ کرنے کا جوش دلایا۔ چنانچہ صحابہ فوراً رک گئے۔ اور پھر کافروں سے قتال میں مشغول ہو گئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کفار کے حوصلے پست اور ہمتیں کمزور ہو گئیں۔ اس لڑائی میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ شہید ہوئے حضرت حمزہ بھی درجہ شہادت کو پہنچے کہ ایک حبشی غلام وحشی نے اپنی تلوار پوری شدت کے ساتھ آپ کی ناف میں اس زور سے ماری کہ آپ کا سنبھلنا مشکل ہو گیا چنانچہ حضرت حمزہ دو چار قدم چل کر گر پڑے اور انتقال فرما گئے۔ ہندہ بنت عتبہ کو جب اس کی خبر ملی تو دوڑی ہوئی آئی اور نعش مبارک پر بیٹھ کر ناک، کان کاٹ لیے، پیٹ چیر کر جگر نکالا اور دانتوں سے چبا کر بولی کہ آج کلیجہ میں

ٹھنڈک پڑی ہے کہ باپ کے قاتل کا خون پیا۔

لڑائی کے متعلق یہ تمام خبریں مدینہ طیبہ پہونچ رہی تھیں۔ جس کی وجہ سے وہاں عورتوں، ضعیف مردوں میں ایک طرح کا خوف پھیلا ہوا تھا۔ ہر شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی خیریت کا منتظر تھا، چنانچہ ۱۵ شوال ۳ ھ آپ مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔ مرد اور عورتیں آپ کی تشریف آوری کی مسرت میں اپنے شہداء کا غم بھول گئیں۔ حالانکہ ان شہید ہونے والوں میں ان کے بھائی بھی تھے، شوہر بھی تھے اور جوان اولاد بھی تھی۔

۴ ہجری اس سال حضرت امام حسین پیدا ہوئے۔ بیر معونہ کا دل دوز واقعہ اسی سال پیش آیا جس میں ستر صحابہ جو سب کے سب حافظ قرآن تھے شہید کیے گئے صرف حضرت عمرو بن امیہ بچ سکے جو بعد میں آزاد ہوکر مدینہ پہونچ گئے یہ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ نجد کا رہنے والا ایک شخص جس کا نام عامر بن مالک تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں دین اسلام سے محبت رکھتا ہوں اور اسلام لانے کا خواہشمند ہوں مگر اپنی قوم سے ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ لوگ میرے ساتھ برا معاملہ نہ کریں۔ لہٰذا آپ چند سمجھدار صحابہ کو میرے ہمراہ بھیج دیں۔ تا کہ میں ان کو اپنی قوم میں لے جاؤں اور وہاں جا کر یہ لوگ وعظ وتبلیغ کریں اور اس کا میں خود ذمہ دار ہوں کہ کوئی آدمی ان کو تکلیف نہیں پہنچائے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت منذر بن عمر کو ستر صحابہ پر امیر بنا کر اس مقصد کے لیے اس کے ساتھ روانہ کر دیا اور ساتھ ہی ایک خط نجد کے رؤسا اور بااثر لوگوں کو لکھ دیا جس میں اسلام کی ترغیب اور دعوت تھی۔ یہ حضرات روانہ ہو کر مکہ اور عسفان کے درمیان ایک مقام پر ٹھہر گئے جس کا نام بیر معونہ ہے۔ حضرت حرام بن ملحان اپنے دو ساتھیوں کو لے کر آگے بڑھ گئے تا کہ عامر بن طفیل کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب پہنچا دیں۔ جب یہ تینوں اس کے نزدیک پہنچے تو حضرت حرام بن ملحان نے فرمایا کہ تم دونوں یہیں ٹھہر جاؤ۔ پہلے میں جا کر دیکھتا ہوں اگر مجھ کو امان مل گئی تو تم بھی میرے پاس آ جانا ورنہ واپس لوٹ جانا۔ تینوں کے مارے جانے سے

بہتر یہ ہے کہ میں ہی اکیلا مارا جاؤں یہ بات طے کر کے حضرت حرام آگے بڑھے اور پکار کر فرمایا کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہوں اگر مجھے امان دی جائے تو حضور کا پیغام پہنچا دوں۔ ابھی اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ ایک مشرک نے پیچھے سے آ کر ایسا نیزہ مارا کہ پار نکل گیا۔ حضرت حرام صرف اتنا فرما کر کہ **فزت ورب الکعبۃ** (یعنی) خدائے کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا) زمین پر گر گئے اور انتقال کر گئے اس کے بعد کفار باقی صحابہ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان پر یکبارگی حملہ کر دیا۔ یہاں تک کہ سارے صحابہ شہید ہو گئے۔ ان شہید ہونے والوں میں حضرت عامر بن فہیرہ بھی تھے جو ہجرت کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ چکے تھے۔ شہید ہونے کے بعد ان کو یہ اعزاز ملا کہ ان کی نعش فرشتے آسمان کی جانب اٹھا کر لے گئے اس واقعہ کی اطلاع جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آپ کو انتہائی رنج ہوا اور ہر چند کہ آپ کی عادت مبارکہ کسی کو بددعا دینے کی نہ تھی مگر آپ نے اکیس روز تک صبح کی نماز میں قنوت پڑھی۔ جس میں ان کافروں کے حق میں بددعا کی گئی تھی۔

غزوہ بنونضیر بھی اسی سال ہوا جس کی مختصر سی تاریخ یہ ہے کہ یہود کی سرشت اور فطرت میں ہمیشہ سے دغابازی اور مکاری رہی ہے اور یہ غزوہ بھی ان کی مکاری کی وجہ سے پیش آیا کہ ان بدنصیبوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے جاں نثار صحابہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت علی کرم اللہ وجہ کو ایک دیوار کے نیچے بٹھا کر آپس میں یہ مشورہ کیا کہ ان حضرات کو دیوار کے اوپر سے پتھر گرا کر شہید کر دیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی کے ذریعہ اس کی اطلاع مل گئی اور آپ وہاں سے اٹھ کر چلے آئے۔ چونکہ ان یہودیوں نے اپنا وعدہ اور معاہدہ خود ہی توڑ دیا تھا۔ اس لیئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ تشریف لا کر ان کو کہلا بھیجا کہ ''یا تو مسلمان ہو جاؤ یا مدینہ سے نکل جاؤ'' مگر یہ بدنصیب عبداللہ بن ابی اور دوسرے منافقوں کی مدد امداد پر بھروسا کیئے ہوئے تھے اس لئے لڑنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ لیکن موقعہ پر کوئی بھی مدد کو نہ آیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم نے ربیع الاول ۴ھ میں اس کا محاصرہ فرمایا اور چھ روز تک ان کی نگرانی فرمائی۔ آپ کے حکم سے ان کے باغات اور جائیدادیں نذر آتش کر دی گئیں۔ ان حالات کو دیکھ کر یہود پریشان ہو گئے اور جب پانی سر سے اونچا ہو گیا تو صلح کی درخواست بھیجی آپ نے اس کو منظور فرمالیا اور ان کو انتہائی رعایت دیتے ہوئے کہہ دیا کہ اسباب منقولہ جتنا لے جا سکتے ہو مع اپنے اہل وعیال اور رشتہ داروں کے لے جاؤ البتہ ہتھیار جس قدر ہوں وہ سب چھوڑ جاؤ۔ چنانچہ یہ لوگ مدینے سے نکل گئے اور چلتے ہوئے اپنے مکانات صرف اس وجہ سے توڑ گئے کہ ان میں مسلمان نہ رہ سکیں۔ مکانوں کے کواڑ، چھتوں کی کڑیاں تک نکال کر لے گئے اور خیبر میں جا بسے اسی محاصرہ کے دوران شراب کی حرمت نازل ہوئی۔

اسی سال شوال کے مہینہ میں ام المومنین حضرت ام سلمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح میں آئیں نیز اسی سال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت زینب بنت خزیمہ کا نکاح سے آٹھ ماہ بعد انتقال ہوا۔

۵ہجری اس سال ماہ محرم میں غزوہ ذات الرقاع پیش آیا۔ اس لڑائی میں صحابہ کرام اپنی غربت کی وجہ سے ننگے پاؤں بھی تھے اور بغیر سواریوں کے بھی تھے۔ پیدل چلتے چلتے پیروں میں زخم اور چھالے پڑ گئے۔ زخموں کی تکلیف سے نجات پانے کے لیے صحابہ کرام نے اپنے پیروں پر کپڑوں کے ٹکڑے (چیتھڑے) باندھ رکھے تھے اسی بنا پر اس کو غزوۂ ذات الرقاع یعنی چیتھڑوں والی لڑائی۔ اسی غزوہ سے واپس آتے وقت دوپہر ہو جانے کی وجہ سے مسلمانوں نے ایک جنگل میں قیام کیا اور سب صحابہ تھوڑی دیر آرام حاصل کرنے کی نیت سے ادھر ادھر سو رہے۔ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ایک کیکر کے درخت کے نیچے آرام فرمانے کی غرض سے لیٹ گئے اور تلوار درخت میں لٹکا دی دفعتاً آنکھ کھلی تو دیکھا کہ ایک کافر ننگی تلوار ہاتھ میں لئے کھڑا ہے اور کہتا ہے اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اب بتاؤ کون ہے جو اس وقت تمہاری جان بچائے۔ اس کے اس حال میں ہونے کا آپ پر ذرا اثر نہ ہوا اور پورے اطمینان سے جواب دیا کہ "خدا بچائے گا" یہ جواب سننا تھا کہ اس کافر کے ہاتھ

سے تلوار چھوٹ گئی اور بدن کپکپا اٹھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے اطمینان سے وہ تلوار زمین سے اٹھائی اور فرمایا اب بتلا اس وقت تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائے گا اس نے کہا کوئی بھی نہیں آپ نے فرمایا رحم کرنا مجھ سے سیکھ اور یہ فرما کر تلوار نیچے کر لی، یہ معاملہ دیکھ کر وہ کافر مسلمان ہو گیا۔

نیز اسی ہجرت کے پانچویں سال صلوٰۃِ خوف مشروع ہوئی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گھوڑے پر سے گر جانا اور تکلیف کی وجہ سے پانچ یوم مشربہ (دو چھتی) میں قیام فرمانا تاریخ کا ایک مشہور واقعہ ہے۔ اسی سال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ (جو غزوہ بنی المصطلق میں قید ہو کر آئی تھیں) کو آزاد فرما کر اپنی زوجیت کے شرف سے مشرف فرمایا۔

منافقین کی جانب سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اتہام اسی سال لگایا گیا جو تاریخ وسیر میں قصہ افک کے نام سے مشہور ہے، اجمالی واقعہ اس کا یہ ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ مریسیع کے لئے روانہ ہو رہے تھے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آپ کے ہمراہ تھیں، غزوہ سے واپسی پر اسلامی لشکر نے ایک جگہ قیام کیا، وہاں پہنچ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا قضائے حاجت کے لئے جنگل چلی گئیں جہاں ان کے گلے کا ہار ٹوٹ کر راستہ میں گم ہو گیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس کے گرنے کی بالکل خبر نہ ہوئی، جب اپنے خیمہ میں پہنچ گئیں اور اتفاقی طور سے گلے پر ہاتھ پڑا تو پتہ چلا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی تلاش میں فوراً جنگل کی طرف روانہ ہو گئیں، تلاش میں دیر لگی آ کر دیکھا تو قافلہ کوچ کر چکا تھا اور چونکہ خود ہلکی پھلکی تھیں اس لئے ان کا ہودج (سواری) اٹھانے والوں کو اس کا احساس بھی نہ ہوا کہ یہ خالی اٹھایا جا رہا ہے یہ ماجرا دیکھ کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہیں بیٹھ گئیں اور اپنا بدن کپڑے سے چھپا کر سو گئیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کو اس خدمت پر مامور فرما رکھا تھا کہ وہ لشکر کے پیچھے پیچھے رہا کریں تا کہ اگر کوئی چیز کوچ کرنے کے بعد ملے تو یہ اسے اٹھا کر مالک تک پہنچا دیں، حضرت صفوان رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جنگل بیابان میں تنہا

ہیں تو پریشان ہو گئے اور بلند آواز سے انا للہ پڑھی، آواز سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیدار ہو گئیں، دیکھا تو حضرت صفوان رضی اللہ عنہ تھے فوراً اپنا منہ چھپالیا کیوں کہ اس وقت پردہ کا حکم نازل ہو چکا تھا۔ حضرت صفوان رضی اللہ عنہ حرم محترم کی انتہائی عزت کی بنا پر اونٹنی سے اتر گئے اور مہار پکڑ کر اونٹنی بٹھادی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس پر سوار ہو گئیں اور امام بخاری کی تصریح کے مطابق جو خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے نہ کوئی بات چیت ہوئی نہ گفتگو اور دوپہر سے پہلے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئیں۔

واقعہ صرف اتنا ہی تھا اور بالکل بے غبار تھا لیکن منافقین کو بہانہ مل گیا اور انھوں نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو حضرت صفوان سے متہم کرنے کی ناپاک کوشش شروع کر دی، اس واقعہ میں تین مسلمان صحابی جن کے مخلص ہونے میں کوئی کلام نہیں کیا جاسکتا بھی مبتلا ہو گئے۔ دو مرد حضرت مسطح بن اثاثہ اور حضرت حسان بن ثابت اور ایک عورت حمنہ بنت جحش، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس واقعہ کی بالکل خبر نہ تھی لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں چونکہ یہ بات آچکی تھی اس لئے آپ بہت غمگین اور افسردہ تھے۔ مختلف صحابہ سے آپ نے دریافت کیا اور مشورے لئے سب نے ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاک دامنی پر زور دیا۔ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باندی حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے بڑے زور سے صفائی پیش کی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس بدشہرت کا اتنا اثر تھا کہ آپ کا دل صاف نہیں ہوا۔ ادھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بخار کے ساتھ اس غم میں گھلی جارہی تھیں کہ آپ کی وہ محبت اور اُلفت کیوں یک دم ختم ہوگئی۔ ان ایام میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جب طبیعت کچھ سنبھلی تو وہ اپنی سہیلی (جو حضرت مسطح کی والدہ تھیں) کے ساتھ قضائے حاجت کے لئے جنگل گئیں راستہ میں سہیلی نے اس قصہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو آگاہ کیا اور مدینہ کے گلی کوچہ میں جو طوفان آیا ہوا تھا اس سے خبردار کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس واقعہ سے بڑی متاثر ہوئیں اور کچھ تو اپنی بیماری کی وجہ سے پہلے کمزور تھیں اس واقعہ نے طبیعت پر بہت بڑا اثر ڈالا۔ بخار اور شدت کے ساتھ چڑھ آیا۔ گھر میں آکر لیٹ

گئیں۔ آنسوؤں کا ایسا دریا بہہ رہا تھا جو تھمنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مکان پر تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے میکے جانے کی اجازت چاہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت مرحمت فرما دی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر پہنچ گئیں اور اپنی والدہ سے مل کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ اماں جان نے تسلی دی۔ اطمینان دلایا مگر جو دل صدمہ سے پاش پاش ہو چکا تھا اس کو کچھ ڈھارس نہ بندھی اپنے میکہ پہنچ کر ایک دن دورات مسلسل روتے گذری نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا اے عائشہ اگر تم پاک دامن ہوتو حق تعالیٰ یقیناً تمہارا بےقصور ہونا ثابت کر دے گا۔ اور اگر تم سے غلطی ہوگئی تو توبہ کرلو حق تعالیٰ معاف کر دے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ابا جان حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اس بات کا جواب دو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے کیا معلوم؟ میں کیا جواب دوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی اماں جان سے درخواست کی کہ تم حضور کی بات کا جواب دو۔ مگر انھوں نے بھی یہی جواب دیا۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ایک نوعمر بچی تھی۔ قرآن پاک بھی اچھی طرح یاد نہیں تھا۔ میں نے کہا کہ میرے متعلق جو بہتان ہے وہ چونکہ تمہارے دل میں بیٹھ گیا۔ اس لئے اگر میں اپنی صفائی بھی پیش کروں گی تو تم میں سے کسی کو یقین نہیں آئے گا۔ اب سوائے اس کے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے باپ کی طرح یہ کہہ دوں فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ یعنی صبر ہی کرنا بہتر ہے اور تمہاری بنی بنائی باتوں پر اللہ ہی سے مدد لینی چاہیے۔ رنج وغصہ اور جوش کے ملے جلے جذبات کی وجہ سے حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام بھی یاد نہ رہا اور ''یوسف کے باپ'' سے تعبیر فرمایا۔ یہ فرما کر شدت رنج سے آنسو بھی خشک ہو گئے۔

یہ بات چیت چل ہی رہی تھی سارا گھرانہ اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس موجود تھا اتنے میں آپ پر وحی کے آثار شروع ہوئے (کیونکہ اللہ تعالیٰ شانہ کی شانِ بے نیازی سے اس سلسلے میں ایک ماہ تک وحی نازل نہ ہوئی تھی۔ اس ایک ماہ میں نبی اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر کیا کچھ گزری ہوگی) پیشانی مبارک پر پسینہ آ گیا جو وحی آنے کی ایک بڑی علامت تھی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور سورۂ نور کی اٹھارہ آیات نازل ہوئیں ان آیات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بری ہونا، پاک ہونا، عفت مآب ہونا بڑے زور شور سے بتلایا گیا تھا۔ جب وحی کے آثار ختم ہو گئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا عائشہ تمہاری برأت کا پروانہ آ گیا جس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خدا کا شکر ادا کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے ممبر پر جا کر ایک وعظ فرمایا اور قرآن کی یہ آیات (جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت کے لئے نازل ہوئی تھیں) مجمع کو سنائیں اور شریعت کے حکم کے مطابق جھوٹی تہمت لگانے والوں کو اسی اسی کوڑے مارے گئے۔

غزوہ خندق اسی سال ہوا اور چونکہ یہ لڑائی حضرات صحابہ کرام اور خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کھود کر لڑی تھی اس لئے غزوہ خندق ہی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ خندق حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے سے کھودی گئی تھی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی دعوت کا مشہور واقعہ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ کھانے میں برکت اور وسعت کا اسی کھدائی کے دوران پیش آیا۔ وہ یہ کہ خندق کھودنے کے موقعہ پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بھی مصروف عمل تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا ہے تو چپکے سے اپنے گھر گئے اور اپنی بیوی سے کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فاقہ ہے اور پیٹ سے پتھر بندھا ہوا ہے اس لئے جو کچھ گھر میں ہو اس کو تیار کر لو۔ چنانچہ فوراً ایک پلی ہوئی بکری کے گلے پر چھری پھیری گئی اور جو کا آٹا جو تین سیر سے کچھ زائد تھا گوندھا گیا، اس کام سے فارغ ہو کر حضرت جابر رضی اللہ عنہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میں نے تھوڑا سا کھانا آپ کے لئے تیار کرایا ہے۔ جناب کے ہمراہ ایک دو ساتھی بھی چلیں۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ اس کھانے کی مقدار کتنی ہے انھوں نے مقدار بھی بتلا دی۔ آپ نے فرمایا عمدہ ہے اور بہت

ہے۔ یہ فرما کر تمام اہل خندق سے فرمایا کہ جابر رضی اللہ عنہ نے تمہاری دعوت کی ہے سب چلو اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میرے آنے تک ہانڈی چولہے پر سے مت اتارنا اور میرے آنے تک روٹی نہ پکائی جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں لپک کر اپنے گھر پہنچا اور بیوی سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو پورے لشکر کو ساتھ لے کر آ رہے ہیں وہ پریشان ہو کر کہنے لگیں کہ مجھے سب کے سامنے شرمندگی ہو گی۔ کیوں کہ کھانا بہت تھوڑا ہے پھر کہنے لگیں کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کی مقدار دریافت کر لی تھی؟ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کھانے کی مقدار بتلا دی گئی تھی۔ اس پر ان کی اہلیہ مطمئن ہو گئیں کہ اب کوئی فکر کی بات نہیں۔

تھوڑی دیر بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جابر کے یہاں پہنچے۔ سالن اور آٹے پر دم کیا اور فرمایا پکانے والی کو بلاؤ۔ روٹی تیار ہوتی رہی اور صحابہ کرام کو پیالوں میں کھلانا شروع کیا گیا۔ آپ نے صحابہ سے فرمایا بھیڑ مت کرنا اطمینان سے کھانا۔

یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا کہ ایک ہزار مہمان اطمینان سے فارغ ہو گئے اور کھانا بچ رہا۔ یہ بچا ہوا کھانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے گھر والوں اور ان کے پڑوسیوں نے کھایا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قسم کے معجزات کھانے میں برکت اور پانی وغیرہ میں وسعت کے بکثرت ہیں۔

۶ ہجری سورج گہن اور نماز کسوف کی مشروعیت اسی سال ہوئی۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کامل چھ سال ایسے گزر گئے کہ اس میں نہ ہی انھوں نے خانہ کعبہ کی زیارت کی، حج کیا اور نہ ہی اپنے وطن اصلی مکہ مکرمہ کو دیکھ سکے۔ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ مکہ معظمہ جا کر خانہ کعبہ کی زیارت کریں، حج وطواف کریں۔ اسی دوران نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ آپ اپنے صحابہ کے ہمراہ مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور عمرہ کیا، یہ خواب سن کر تمام صحابہ زیارت خانہ کعبہ کے لئے تیار ہو گئے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم صحابہ کے ایک جم غفیر کے ساتھ مکہ کے لئے روانہ ہوگئے۔ مدینہ منورہ سے روانہ ہوکر ذوالحلیفہ میں پہلا پڑاؤ ہوا، وہاں پہونچ کر آپ نے بسر بن ابی سفیان کو اہل مکہ کے حالات کی خبر لانے کے لئے بھیجا جو تحقیق واقعہ کے بعد آپ سے عسفان میں ملے اور بتلایا کہ کفار مکہ لڑائی کی تیاری کر رہے ہیں تاکہ یہ حضرات مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہوسکیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عسفان ہی میں صحابہ سے فرمایا کہ خالد بن ولید وادی غمیم میں تمہارے حالات کی خبر لینے کے لئے آئے ہیں لہٰذا اپنا راستہ بدل دو اور فرمایا کوئی ہے جو کسی دوسرے راستہ سے ہم کو لیجائے، حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی نے فرمایا میں لیجاؤں گا چنانچہ وہ آپ کو مع صحابہ کے نہایت دشوار گزار گھاٹیوں میں کو لے کر چلے۔ آپ نے صحابہ سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ سب نستغفر اللہ و نتوب الیہ (ہم اللہ سے مغفرت چاہتے ہیں اور توبہ کرتے ہیں) پڑھیں، صحابہ نے ان کلمات کو دہرایا۔ آپ نے فرمایا یہ کلمات بنی اسرائیل پر پیش کئے گئے تھے مگر انھوں نے نہیں پڑھے اس کے بعد آپ نے داہنی طرف سے چلنے کا حکم فرمایا اسی موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ کیا اور فرمایا کہ ایک صورت یہ ہے کہ جو لوگ باہر سے مکہ گئے ہوئے ہیں ان کے مکانوں پر حملہ کیا جائے تاکہ وہ یہ خبر سن کر اپنے گھروں کو لوٹ جائیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ سیدھے مکہ چلیں حضرت ابوبکر نے عرض کیا کہ اس وقت آپ بیت اللہ کے ارادہ سے آئے ہیں لڑائی کا ارادہ نہیں ہے اس لیے آگے بڑھیں۔ اگر وہ ہمیں روکیں گے تو ہم ان کا مقابلہ کریں گے ورنہ نہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تجویز پسند فرمائی اور آگے بڑھ کر منزل بمنزل حدیبیہ پہنچے وہاں پہونچ کر بدیل بن ورقا ایک جماعت کے ساتھ آئے اور کہنے لگے کہ مکہ والے آپ سے مقابلے کی تیاری کر رہے ہیں اور وہ آپ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہی (بدیل بن ورقا) کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ ہمارا مقصد لڑنا جھگڑنا ہرگز نہیں ہے ہم تو صرف خانہ کعبہ کا طواف اور اسکی زیارت کے لئے آئے ہیں لہٰذا ہمیں عمرہ کرنے سے نہ روکو مگر کفار نے نہ مانا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو

مستقل سفیر بنا کر بھیجا تا کہ وہ سرداران مکہ سے گفتگو فرما کر مصالحت کرلیں مگر قریش نے اپنی ضد نہ چھوڑی اور صاف کہہ دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو ہم اتنے جان میں جان ہے مکہ میں داخل نہ ہونے دینگے ہاں اگر تمہارا جی چاہے تو تم طواف وعمرہ کر سکتے ہو مگر حضرت عثمان نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر عمرہ اور طواف سے انکار کر دیا یہ بات چیت کافی دیر تک ہوتی رہی اس لئے مسلمان متفکر ہوئے۔ ادھر لشکرِ اسلام میں حضرت عثمان کے شہید ہو جانے کی خبر پھیل گئی جس سے سب کو تفکر ہوا۔ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس خبر سے غمگین تھے چنانچہ آپ نے ایک کیکر کے درخت کے نیچے بیٹھ کر تمام صحابہ سے اس پر عہد و پیماں لئے کہ جب تک دم میں دم ہے کافروں سے لڑیں گے۔ اس بیعت کا نام بیعت الرضوان ہے۔ جب کافروں نے اس بیعت کا قصہ سنا تو بوکھلا گئے اور ایک قاصد کو بھیج کر مصالحت کی گفتگو شروع کر دی۔ آپ نے ان کی ہر شرط کو قبول فرمایا اگر چہ ان میں سے بعض شرطیں اتنی سخت تھیں کہ مسلمان ان کو کسی بھی طرح ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔ اسی کے ساتھ کفار مکہ نے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی بھی خوب دکھلائی جس کی ادنیٰ سی مثال یہ ہے کہ صلح نامہ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھے جانے پر انہوں نے انکار کر دیا اور کہنے لگے کہ ہم رحمٰن کو نہیں جانتے۔ لہٰذا قومی دستور کے مطابق بسمك اللهم لکھو۔ مسلمانوں کی طرف سے بسم اللہ لکھنے پر اصرار تھا۔ مگر آپ نے کفار کی یہ بات بھی منظور فرمالی۔ معاہدے کی ابتداء ان الفاظ سے تھی۔ هذا ما قاض عليهُ محمد رسول الله یعنی یہ وہ تحریر ہے جس پر محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا معاہدہ ہوا ہے اس پر سہیل (جو کفار کی طرف سے معاہدہ لکھ رہے تھے) بولے اگر ہم تمہیں رسول اللہ مان لیتے تو یہ جھگڑا ہی کیوں ہوتا۔ ہم ہرگز رسول اللہ تم کو نہیں لکھنے دیں گے بلکہ محمد بن عبد اللہ لکھو۔ آپ نے فرمایا بخدا میں اللہ کا رسول ہوں چاہے تم جتنا جھٹلاؤ۔ یہ فرما کر کاتبِ معاہدہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا اے علی لفظ رسول اللہ کاٹ کر محمد بن عبد اللہ لکھ دو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں آپ کا نام مبارک نہیں کاٹ سکتا، چنانچہ آپ نے خود اس جملہ کو کاٹ کر اس کی جگہ محمد بن عبد اللہ لکھ دیا، الغرض صلح

نامہ مرتب ہونے تک یہ اسی طرح جھگڑتے رہے، آخر کار صلح نامہ مرتب ہوا جس میں منجملہ دیگر شرائط کے یہ شرطیں بھی تھیں۔

(۱) اس سال مسلمان بلا عمرہ کیئے ہوئے واپس چلے جائیں اور آئندہ سال صرف تین دن کے لئے آئیں، (۲) دس سال تک لڑائی بالکل موقوف کردی جائے، (۳) قریش کا کوئی بھی آدمی اگر مسلمان ہوکر مدینہ پہنچ جائے تو اسے فوراً واپس کردیا جائے، اور اگر کوئی مسلمان مکہ آجائے تو ہم اس کو مدینہ منورہ واپس نہ بھیجیں گے، ظاہر ہے کہ یہ تمام شرطیں صرف یک طرفہ تھیں، تمام صحابہ کرام خصوصاً حضرت عمر کو ان شرائط پر بڑا طیش آرہا تھا، چنانچہ حضرت عمر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یارسول اللہ ! آپ نبی نہیں؟ فرمایا کیوں نہیں، عرض کیا ہم حق پر اور یہ کفار باطل پر نہیں؟ فرمایا کیوں نہیں؟ عرض کیا پھر ہم اپنے دین کے بارے میں اتنی ذلت کیوں برداشت کریں؟ فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں اور وہ میرا مددگار ہے، میں اس کی نافرمانی نہیں کرسکتا، عرض کیا آپ نے ہم سے یہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ ہم مکہ جاکر طواف کریں گے؟ فرمایا ضرور کیا تھا، مگر میں نے یہ کب کہا تھا کہ اسی سال طواف کریں گے، عرض کیا ہاں یہ تو نہیں فرمایا تھا، آپ نے فرمایا عمر میں اب بھی یہ کہتا ہوں کہ تو مکہ جائے گا طواف کرے گا، حضرت عمر یہاں سے فارغ ہوکر حضرت ابوبکر کے پاس پہنچے اور یہی گفتگو وہاں جاکر کی، حضرت ابوبکر کے بھی وہی جوابات لفظ بلفظ تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہے۔ آخر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ او آدمی یہ اللہ کے رسول ہیں ان کی رکاب کو مضبوط پکڑو۔

اس قسم کے واقعات کی بنا پر یہ ناکارہ اپنے اسباق میں کہا کرتا تھا کہ حضرت ابوبکر کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نسبت اتحادی حاصل تھی۔

(اس مضمون کا اضافہ کتاب کی طباعت کے وقت ہوا ہے)

اس صلح نامہ کی تکمیل فریقین کے دستخطوں کے ساتھ مکمل کرلی گئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مع حضرات صحابہ کرام کے بغیر طواف کیئے واپس تشریف لائے۔ نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کا یہ خواب بے شک سچا تھا۔ جس کی تعبیر پوری ہوئی۔ لیکن چونکہ خود خواب میں وقت اور سال کی تعین نہیں کی گئی تھی اس لئے نہ ہی اس خواب کا اس مرتبہ پورا ہونا ضروری تھا اور نہ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خواب پر کوئی حرف آسکتا ہے۔ اس صلح کے موقع پر بہت سے واقعات پیش آئے۔ لیکن دو واقعے بطور خاص تحریر کرتا ہوں جس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے معاہدہ کو نبھانا اور صحابہ کرام کی جانفروشی اچھی طرح کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ جو اسلام لانے کی وجہ سے طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کر رہے تھے اور زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے اسی حالت میں گرتے پڑتے مسلمانوں کے لشکر میں اس اُمید پر پہنچے کہ ان لوگوں کی حمایت میں جا کر اس مصیبت سے چھٹکارا پاؤں گا۔ ان کے باپ سہیل نے جو اس صلح نامہ میں کفار کی طرف سے وکیل تھے اور اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے انھوں نے صاحبزادے کو طمانچے مارے اور واپس لے جانے پر اصرار کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابھی صلح نامہ مرتب بھی نہیں ہوا، اس لئے ابھی پابندی کس بات کی، مگر انھوں نے اصرار کیا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک آدمی مجھے مانگا ہی دے دو مگر وہ لوگ ضد پر تھے نہ مانے، ابو جندل نے مسلمانوں کو پکار کر فریاد بھی کی کہ میں مسلمان ہو کر آیا اور کتنی مصیبتیں اٹھا چکا اب واپس کیا جا رہا ہوں، اس وقت مسلمانوں کے دلوں پر جو گزر رہی ہوگی اللہ ہی کو معلوم ہے، مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد سے واپس ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تسلی فرمائی اور صبر کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ عنقریب حق تعالیٰ شانہ تمہارے لئے راستہ نکالیں گے، صلح نامہ کے مکمل ہو جانے کے بعد ایک دوسرے صحابی ابو بصیر بھی مسلمان ہو کر مدینہ منورہ پہنچے، کفار نے ان کو واپس بلانے کے لئے دو آدمی بھیجے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب وعدہ واپس فرما دیا، ابو بصیر نے عرض بھی کیا کہ یا رسول اللہ! میں مسلمان ہو کر آیا آپ مجھے کفار کے پنجہ میں پھر بھیجتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے بھی صبر کرنے کو ارشاد فرمایا کہ ان شاء اللہ

عنقریب تمہارے واسطے راستہ کھلے گا، یہ صحابی ان دونوں کافروں کے ساتھ واپس ہوئے، راستہ میں ان میں سے ایک سے کہنے لگے کہ یار تیری یہ تلوار تو بڑی نفیس معلوم ہوتی ہے، شیخی باز آدمی ذرا اسی بات میں پھول ہی جاتا ہے وہ نیام سے نکال کر کہنے لگا کہ ہاں میں نے بہت سے لوگوں پر اس کا تجربہ کیا، یہ کہہ کر تلوار ان کے حوالے کر دی، انھوں نے اسی پر اس کا تجربہ کیا، دوسرا ساتھی یہ دیکھ کر کہ ایک تو نمٹا دیا اب میرا نمبر ہے، بھاگا ہوا مدینہ آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرا ساتھی مر چکا ہے اب میرا نمبر ہے، اس کے بعد ابو بصیر پہنچے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ اپنا وعدہ پورا فرما چکے کہ مجھے واپس کر دیا اور مجھ سے کوئی عہد ان لوگوں کا نہیں ہے جس کی ذمہ داری ہو، وہ مجھے میرے دین سے ہٹاتے ہیں اس لئے میں نے یہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ لڑائی بھڑ کانے والا ہے، کاش کوئی اس کا معین مددگار ہوتا، وہ اس کلام سے سمجھ گئے کہ اب بھی اگر کوئی میری طلب میں آئے گا تو میں واپس کر دیا جاؤں گا۔ اس لئے وہ وہاں سے چل کر سمندر کے کنارے ایک جگہ آپڑے۔ مکہ والوں کو اس قصہ کا حال معلوم ہوا تو ابو جندل بھی جن کا قصہ پہلے گذرا چھپ کر وہیں پہونچ گئے اسی طرح جو شخص مسلمان ہوتا وہ ان کے ساتھ جا ملتا، چند روز میں یہ ایک مختصر سی جماعت ہوگئی، جنگل میں جہاں نہ کھانے کا کوئی انتظام نہ وہاں باغات اور آبادیاں، اس لئے ان لوگوں پر جو گذری ہوگی وہ تو اللہ ہی کو معلوم ہے مگر جن ظالموں کے ظلم سے پریشان ہو کر یہ لوگ بھاگتے تھے ان کا ناطقہ بند کر دیا جو قافلہ ادھر کو جاتا اس سے مقابلہ کرتے اور لڑتے حتی کہ کفار مکہ نے پریشان ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عاجزی اور منت کر کے اللہ کا اور رشتہ داری کا واسطہ دے کر آدمی بھیجا کہ اس بے سری جماعت کو آپ اپنے پاس بلالیں کہ یہ معاہدہ میں تو داخل ہو جائیں اور ہمارے لئے آنے جانے کا راستہ کھلے۔ لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اجازت نامہ جب ان حضرات کے پاس پہنچا ہے تو ابو بصیر مرض الموت میں گرفتار تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا والا نامہ ہاتھ میں تھا کہ اسی حالت میں انتقال فرمایا (رضی اللہ عنہ وارضاہ)

۷ ہجری جو یہودی مدینہ سے جلا وطن کیے گئے تھے وہ خیبر میں آباد ہو گئے تھے لیکن یہاں پہنچ کر بھی وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیوں میں لگے رہتے تھے اور کفار کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کے واسطے ابھارتے رہتے تھے۔ چنانچہ ان کی سرکشی کو ختم کرنے کے لیے غزوہ خیبر اسی سال ہوا جس میں بیس ۲۰ یا اکیس ۲۱ محرم الحرام کو ایک ہزار ۱۰۰۰ چار سو ۴۰۰ مسلح صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ماتحتی میں خیبر کی جانب کوچ کیا اور خوب کھل کر لڑائی ہوئی جب تمام قلعے مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے تو یہودیوں نے اپنی جانوں سے مایوس ہو کر مسلمانوں کے ماتحت رہنے کی درخواست کی اور کہا کے تم لوگ کھیتی باڑی سے واقف نہیں ہو اور ہم لوگ اس سے واقف ہیں لہٰذا اگر تم اپنی ماتحتی میں ہمیں بطور مضاربت رکھ لو تو احسان ہوگا رحمت اللعالمین نے ان کی یہ درخواست قبول کر لی اور اس طرح ان کی جانوں کو امان مل گئی۔

حضرت صفیہ جو حُیی بن اخطب کی بیٹی اور حضرت ہارونؑ کی اولاد میں سے تھیں اسی غزوہ خیبر میں گرفتار ہو کر مسلمانوں کے قبضے میں آئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں آزاد فرما کر اپنی زوجیت کا شرف بخشا اسی سال متعہ کی حرمت نازل ہوئی نیز گدھے کا گوشت اور تمام درندوں کا گوشت حرام کر دیا گیا حضرت عائشہ کی والدہ حضرت ام رومان کا انتقال بھی اسی سال ہوا۔

سال گزشتہ ۶ ہجری کے صلح نامہ کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اکیس سو ۲۱۰۰ صحابہ کے ہمراہ عمرہ قضا پورا کرنے کی نیت سے مکہ معظمہ کا رخ کیا اور وعدہ کے مطابق تین دن قیام فرما کر مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوئے اسی سفر میں مکہ مکرمہ جاتے ہوئے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح ہوا۔ آپ کا ارادہ مکہ ہی میں رہ کر رخصتی اور دعوت ولیمہ کا تھا۔ تاکہ کفار مکہ بھی اس میں مدعو ہوں۔ مگر ان بدنصیبوں نے اس دعوت عظمیٰ کی بھی قدر نہ کی اور صاف انکار کرتے ہوئے کہنے لگے کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ ہمیں تمہاری دعوت کی ضرورت نہیں، چنانچہ آپ وہاں سے روانہ ہوئے۔ اور

واپسی میں موضع سرف میں رخصتی ہوئی۔ اور اسی جگہ ولیمہ ہوا۔

قدرت کے کرشمے ہیں کہ جس جگہ نکاح ہوا اسی جگہ واپسی میں رخصتی ہوئی اور جس مقام پر رخصتی کا خیمہ لگا ہوا تھا ٹھیک اسی جگہ پر سن ۵۱ ھ میں انتقال فرمایا۔ اسی سال خیبر کی صلح کے بعد ایک یہودیہ نے بکری کا گوشت پکا کر اس میں زہر ملایا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدیہ بھیجا۔ آپ نے اپنے اخلاق کریمانہ سے اس کو قبول فرمایا۔ اور نوش فرمانا شروع کیا۔ لقمہ منہ میں رکھا ہی تھا کہ حق تعالیٰ نے اس گوشت کو قوت گویائی مرحمت فرمائی۔ اس نے کہا یا رسول اللہ مجھ کو نہ کھایئے میرے اندر زہر ملایا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لقمہ فوراً ڈال دیا اور صحابہ سے صورت حال بیان کی۔ آپ کے علاوہ ایک صحابی نے بھی اس زہر آلود گوشت میں سے کچھ کھایا تھا اس لئے وہ باخبر نہ ہو سکے اور انتقال کر گئے۔ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی اس زہر آلود گوشت کا اثر عمر بھر رہا اور وصال کے وقت اس کی سمیت نے زور دکھلایا۔ چنانچہ مرض وفات میں آپ نے فرمایا۔ اے عائشہ غزوہ خیبر میں جو گوشت کھایا تھا اس کا اثر میں اب تک اپنے بدن میں پا رہا ہوں اور اس وقت میں اپنی رگ جان کو اس زہر کی وجہ سے کٹتا ہوا محسوس کر رہا ہوں۔

یہ بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل میں سے ہے کہ آپ کو شہادت کا درجہ بھی عطا فرما دیا گیا۔

۸ ھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند حضرت ابراہیم (جو حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے) اسی سال پیدا ہوئے۔

صحابہ کرام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے اس سال جمادی الاولیٰ کے مہینہ میں عیسائیوں کی ایک بہت بڑی فوج سے جہاد کیا جو غزوہ موتہ (موتہ ایک مقام کا نام ہے جو ملک شام میں ہے) کے نام سے مشہور ہے۔ یہ غزوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک قاصد حضرت حارث بن عمیر کو شہید کر دینے کی وجہ سے پیش آیا۔ دشمن کی فوج ایک لاکھ سے بھی زیادہ تھی اور مسلمان صرف تین ہزار تھے کوئی بھی تناسب نہ تھا۔ اس لئے مسلمان

یک گونہ پریشان تھے بعض حضرات کا خیال تھا کہ چند دن انتظار کر کے مدینہ منورہ سے مزید فوج طلب کی جائے مگر صحابہ کی اکثریت نے تاخیر نامناسب سمجھتے ہوئے خدا کی مدد اور نصرتوں کو دل میں جما کر لڑنے کا فیصلہ فرمالیا۔ اس لڑائی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جھنڈا حضرت زید کو مرحمت فرمایا اور فرمایا کہ اگر زید شہید ہو جائیں تو حضرت جعفر کو امیر بنالینا اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو حضرت عبداللہ بن رواحہ کو امیر لشکر بنالینا اور اگر یہ بھی شہید ہو جائیں تو موقعہ پر مسلمان جس کو بھی چاہیں امیر بنالیں۔ ایک یہودی آپ کی یہ گفتگو سن رہا تھا۔ کہنے لگا یہ تینوں حضرات تو یقیناً شہید ہوں گے۔ کیونکہ پہلے زمانے کے انبیاء بھی جب اس قسم کی گفتگو فرماتے تھے تو اس کا مطلب یہی ہوتا تھا کہ یہ چیز ضرور واقع ہوگی۔ چنانچہ یہ سارے حضرات شہید ہوئے اور جھنڈا حضرت خالد بن ولید کے پاس آ گیا۔ بس پھر کیا تھا رومی فوج میں ایک زلزلہ آ گیا۔ حضرت خالد نے اس لڑائی میں نو تلواریں یکے بعد دیگرے بدلیں۔ کیونکہ ہر تلوار کشت وخون کی کثرت کی وجہ سے ناقابل استعمال ہوگئی تھی۔ بالآخر روم کی فوج نے شکست کھائی اور اسلامی لشکر خیر وعافیت کے ساتھ واپس مدینہ منورہ لوٹ آیا۔ اس لڑائی میں صرف بارہ مسلمان شہید ہوئے۔

جب سے مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی تھی اس وقت سے لے کر اب تک اس میں کوئی منبر نہ تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہموار زمین پر کھڑے ہو کر ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے تمام سامعین تک آواز نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اسی سال ایک انصاریہ عورت نے درخواست کی کہ میرا غلام نجار اس کام کو بہت اچھے طریقہ سے کرسکتا ہے۔ اگر اجازت ہو تو ایک منبر بنواؤں۔ آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ سب کی رائے یہی ہوئی کہ بنوالیا جائے ضرورت کی چیز ہے۔ چنانچہ آپ کی اجازت مل جانے پر انصاریہ نے اپنے غلام میمون سے منبر بنوایا۔ جس کی لکڑی غابہ (یہ مدینہ منورہ سے نو میل کے فاصلہ پر ایک مشہور جگہ ہے۔) مقام سے لائی گئی تھی۔ منبر تیار ہونے پر جب آپ سابق جگہ سے منتقل ہو کر منبر پر تشریف لائے تو وہ کھجور کا تنا (جس پر آپ منبر بننے سے پہلے سہارا لگایا کرتے تھے) جدائی

کی تاب نہ لا سکا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس کی یہ گریہ وزاری دیکھ کر آپ منبر سے تشریف لائے اور اپنا دست مبارک اس پر رکھا اس وقت وہ تنا ایسی بُری طرح ہچکیاں لے کر رو رہا تھا جیسے بچہ اپنی ماں کی گود میں پہنچ کر ہچکیاں لیتا ہے۔

صاحب احیاء نے لکھا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ایک کھجور کا تنا جس پر آپ سہارا لگا کر منبر بننے سے پہلے خطبہ پڑھا کرتے تھے پھر جب منبر بن گیا اور آپ اس پر تشریف لے گئے تو وہ کھجور کا تنا آپ کے فراق میں رونے لگا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست مبارک اس پر رکھا اس سے اس کو سکون ہوا۔ یارسول اللہ آپ کی اُمت آپ کے فراق سے رونے کی زیادہ مستحق ہے بہ نسبت اس تنے کے۔

۱۰ رمضان المبارک کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دس ۱۰ ہزار صحابہ کو ساتھ لے کر مکہ مکرمہ فتح کرنے کی نیت سے تشریف لے چلے۔ راستہ میں دو ہزار آدمی مزید فوج میں داخل ہوئے۔ اب گویا اس لشکر کی مجموعی تعداد بارہ ہزار تھی۔ ابوسفیان بدیل بن ورقا، حکیم بن حزام خفیہ حالات معلوم کرنے کی غرض سے اسلامی لشکر میں آئے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو گرفتار کر کے دربار نبوی میں پہنچا دیا۔ ان تینوں نے وہاں پہنچ کر ایک بار پھر حلم، صبر، عفو کا منظر دیکھا۔

طبیعت پر بے حد اثر ہوا اور حق تعالیٰ شانہ نے اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۱۸ رمضان کو دن چڑھے مکہ معظمہ میں داخل ہوئے، آپ اس وقت ایک سانڈنی پر سوار تھے زبان پر سورہ فتح کی آیات تھیں تواضع اور انکساری کی وجہ سے گردن بارگاہ الٰہی میں جھکی ہوئی تھی اور آپ گویا سراپا شکر بن کر مکہ میں داخل ہو رہے تھے، اسی سال غزوہ حنین پیش آیا، واقعہ کی اجمالی تاریخ یہ ہے کہ قبیلہ ہوازن وثقیف کے بدوؤں نے یہ سوچ کر کہ ہم پر حضور حملہ کریں بہتر یہ ہے کہ ہم ہی آپ پر حملہ کر دیں، حنین میں جمع ہوئے

اور حملہ کے تمام اسباب مہیا کرنے شروع کر دیئے، آپ کو جب اس تیاری کی خبر ملی تو دس ہزار اصل لشکر اور دو ہزار طلقائے مکہ کل بارہ ہزار کی جمعیت کو اپنے ہمراہ لے کر ۶ شوال ۸ھ میں حنین کے لیے روانہ ہوئے۔

بارہ ہزار کا یہ لشکر اپنی تکثیر جماعت اور کثرت تعداد پر ناز کرتے ہوئے مکہ سے باہر نکلا، بعض مسلمانوں کو اپنی کثرت پر اعتماد اور گھمنڈ پیدا ہوا، جس کو حق تعالیٰ کی بے نیاز ذات نے پسند نہ فرمایا، اس لئے ابتدا ہزیمت ہوئی اور لشکر اسلام میں انتشار اور خلفشار پیدا ہو گیا، بالآخر اللہ جل شانہ نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اس منتشر مجمع کو پھر جمع کر دیا پھر حضرات صحابہ کرام جم کر لڑے اور کامیابی حاصل کرنے کے بعد طائف کی جانب کوچ فرمایا اور اٹھارہ روز تک اس کا محاصرہ فرمایا اور اعلان فرما دیا کہ جو شخص قلعہ سے باہر نکل جائے وہ آزاد ہے، اس اعلان کو سن کو دس سے کچھ زائد آدمی قلعہ کی دیوار پھاند کر باہر نکل آئے، کیوں کہ مشرکین نے قلعہ کا دروازہ اندر سے بند کر رکھا تھا، اٹھارہ روز بعد آپ واپس تشریف لائے اور راستہ میں جعرانہ سے احرام باندھ کر ۲۴ ذیقعدہ کو عمرہ فرماتے ہوئے مدینہ منورہ واپس تشریف لائے۔

۹ھ اس سال غزوہ تبوک ہوا۔ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری غزوہ تھا، ۵ رجب روز پنج شنبہ کو آپ مدینہ طیبہ سے چلے تا کہ ہرقل (روم کا بادشاہ) اور جنگ موتہ کے بارے ہوئے عیسائیوں کا زور توڑ دیں اور ان کا ارادہ جو مدینہ طیبہ پر چڑھائی کا ہے اس کو ختم کر دیں، یہ زمانہ سخت گرمی کا تھا مسلمان تنگدست بھی تھے اور غریب بھی، اس لئے بڑی کثرت سے صحابہ کے درمیان چندہ ہوا، عورتوں نے اپنے بدن کے زیورات اتار کر دیدیئے، اسلامی فوج بیس ہزار کے قریب تھی لیکن رومیوں پر اس کا بڑا اثر ہوا اور بے حد رعب پڑا، ان لوگوں نے صلح کی درخواست کی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح فرما کر ان کو امن بخشا اور بیس روز وہاں قیام فرما کر مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے، حافظ ابن حجر کے قول کے مطابق یہ واپسی شروع رمضان میں ہوئی، صاحب مجمع نے دو ماہ قیام فرمانا لکھا ہے اور بعض مورخین نے بیس

دن، اقرب یہی ہے کہ وہاں کا قیام بیس یوم کا تھا اور پورا سفر دو ماہ میں ہوا، سفر سے واپس ہوتے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد ضرار کو آگ لگوادی، یہ دراصل نام کی مسجد تھی جسے منافقین نے مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے کے لئے بنائی تھی۔

اس سال پہلی مرتبہ اسلامی حج ادا کیا گیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں تین سو مسلمانوں کا دستہ انتظام وانصرام کی غرض سے روانہ ہوا اور ان کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ذریعہ حج کے موقعہ پر کفار سے برات کا اعلان کرایا گیا جو سورہ برأت میں مذکور ہے۔

اسی سال ماہ ذیقعدہ میں عبداللہ بن ابی بن سلول رئیس المنافقین کا انتقال ہوا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی طبعی رحم وکرم اور فطری شرافت ونجابت کی بنا پر اس کو اپنا کرتہ مرحمت فرمایا اور تجہیز وتکفین میں شریک ہوئے۔ یہاں تک کہ جنازہ کی نماز پڑھانے کی غرض سے آگے بھی بڑھ گئے اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جوش آ گیا۔ اور آپ کی چادر مبارک پکڑ لی اور نماز پڑھانے سے منع کیا اور عرض کیا کہ آپ ایک ایسے منافق کی نماز جنازہ پڑھاتے ہیں جس کے بارے میں حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں۔ استغفرلهم اولا تستغفر لهم ان تستغفر لهم سبعين مرة فلن يغفر الله لهم یعنی آپ چاہے منافقین کے لیے ۷۰ ستر مرتبہ بھی استغفار کریں خدا ان کو نہیں بخشے گا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رافتہ اور رحمۃ اللعالمین ذات نے جواب دیا کہ خدا نے مجھے استغفار سے منع نہیں کیا اور اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ ستر ۷۰ مرتبہ سے زائد استغفار کرنے سے ان کی مغفرت ہو گی تو میں زیادہ استغفار کروں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ جواب سن کر خاموش ہو گئے آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔ جس پر آیت شریفہ ولا تصل علی احد منهم مات ابد اولا تقم علی قبره الاية نازل ہوئی اور ہمیشہ کے لئے حضور کو اور آپ کے توسط سے آپ کی امت کو کسی کافر کی نماز جنازہ اور اس میں شرکت سے قطعی طور پر منع کر دیا گیا۔ شاہ حبشہ نجاشی کا انتقال بھی اسی سال ہوا جس کی اطلاع بذریعہ وحی دی گئی۔ آپ نے صحابہ کو جمع فرما کر ان کی نماز

جنازہ غائبانہ طور پر پڑھی

(ف) حنفیہ کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غائبانہ نماز پڑھنا انہی کے ساتھ مخصوص تھا۔ تفصیل کے لئے مراجعت کرلی جائے۔ اسی سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاجزادی حضرت ام کلثوم کا انتقال ہوا۔

۱۰ھ یہ سال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجۃ الوداع کا سال ہے حجۃ الوداع کا ترجمہ ہے رخصتی حج۔ کیونکہ اس حج کے تین ماہ بعد آپ انتقال فرما گئے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پچیس ذیقعدہ بروز شنبہ بعد ظہر مدینہ منورہ سے چل کر چار ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ میں قیام پذیر ہوئے۔ ایک لاکھ سے زائد صحابہ آپ کے ہمرکاب تھے۔ حج کے موقعہ پر آپ نے کئی تقریریں فرمائیں سب کا حاصل یہی تھا کہ مسئلے مسائل اچھی طرح یاد کرلو بہت ممکن ہے کہ آئندہ میں اور تم یہاں اکٹھے نہ ہوسکیں۔

چنانچہ فرمایا کہ تمہارا خون تمہارا مال تمہاری عزت یہ ساری چیزیں ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جیسے آج کے دن اس شہر مکہ میں اور اس مہینہ میں حرام سمجھتے ہو۔

فرمایا عنقریب (مرنے کے بعد) تم سب کو خدا کے دربار میں حاضر ہونا ہے یاد رکھو وہاں تم سے تمہارے اعمال کے متعلق سوال ہوگا۔ فرمایا زمانہ، جاہلیت کے تمام طور وطریق پیروں سے کچل دیئے گئے۔ فرمایا زمانہ جاہلیت کے خونوں کا مطالبہ آئندہ نہ کیا جاوے۔ فرمایا جس قدر سودی روپیہ لوگوں کے ذمہ تھا وہ سب معاف ہے اور آئندہ کے لئے بھی معاف کردیا گیا۔ فرمایا میرے بعد کفر نہ اختیار کرلینا کہ ایک دوسرے کی گردن کاٹتے پھرنے لگو۔ فرمایا کتاب اللہ کے موافق جو تم پر حکومت کرے اس کی فرمانبرداری کرنا۔ تمام عبادتیں نماز روزہ، اور وہ لوگ جن کو تم امیر بناؤ ان کی اطاعت کرتے رہنا۔ فرمایا عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرنا ان کے حقوق پورے پورے ادا کرتے رہنا۔ فرمایا میں دو چیزیں تم میں چھوڑ کر جارہا ہوں ایک اللہ کی کتاب یعنی قرآن مجید۔ دوسرے میرا طریقہ۔ یہ تمام باتیں ارشاد فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو قیامت کے دن تم سے میرے متعلق سوال ہوگا تو

کیا جواب دو گے۔ سب نے عرض کیا کہ ہم اس بات کی شہادت دیں گے کہ آپ نے اللہ کے تمام احکامات ہم تک پہنچا دیئے۔ اس کے بعد آپ نے آسمان کی جانب انگلی اٹھاتے ہوئے فرمایا۔ اے اللہ تو گواہ رہنا۔ اے خدا گواہ رہ۔ قربانی کے موقعہ پر آپ نے سو اونٹوں کی قربانی کی۔ اس طرح کہ تریسٹھ اونٹ خود اپنے دستِ مبارک سے ذبح کئے۔ جن میں سے سات اونٹ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں پر قربان ہونے کے لئے امنڈ کر آئے جس کی ترجمانی اس شعر سے بخوبی ہوتی ہے (اصل شعر میں لفظ ستم آ رہا ہے مگر یہ بندہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اقدس کے نامناسب معلوم ہوا اس لئے شعر میں تغیر کر دیا گیا۔ (زکریا)

داغ جاتے تو ہیں مقتل میں پر اول سب سے
دیکھئے وار کرے وہ شرف آرا کس پر

اور سینتیس (۳۷) اونٹ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ذبح کئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے کا مقصد جب پورا ہو گیا اور دین اسلام ہر جگہ پھیل گیا اس کے ماننے والے ہر جگہ ہو گئے تو حق تعالیٰ شانہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے پاس بلانے کا ارادہ فرمایا۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ اسی حج کے دوران اذا جاء نصر اللہ والفتح الآیۃ نازل ہوئی جس سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے قرب وصال کا اندازہ فرما لیا تھا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک موقعہ پر مشائخ مکہ سے اس سورت کے شانِ نزول کو امتحاناً دریافت کیا تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے یہی جواب دیا کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرب وصال کی خبر دی گئی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرا بھی یہی خیال ہے اس کے علاوہ اور بھی بعض قرائن سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی زندگی کے قریب اختتام کی اطلاع ہو چکی تھی۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مجمع میں ایک روز آپ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ نے اپنے ایک بندہ کو اختیار دیا ہے کہ چاہے تو وہ دنیا میں رہ لے یا خدا کے یہاں رہنا پسند کرے۔ سو اس بندے

نے خدا کے یہاں رہنا ہی پسند کر لیا۔ اس جملہ سے آپ کا مقصد اپنے انتقال کے قرب کو بتلانا تھا جسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فوراً سمجھ گئے اور رو کر عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یہ آپ کیا فرمارہے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ذہانت اور بات کی تہہ تک پہنچ جانے سے آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ میں کسی انسان کو اگر دوست بناتا تو وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہوتے۔ لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے دینی بھائی ہیں۔ یہ فرما کر آپ نے حکم دیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مکان کی کھڑکی کے علاوہ باقی تمام کھڑکیاں جو مسجد کی طرف کھلتی ہیں بند کر دی جائیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس حکم سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کی طرف اشارہ ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ اولاً آپ کے سر میں درد شروع ہوا پھر بخار بڑی شدت کے ساتھ چڑھ گیا۔ اس دوران آپ کا قیام حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھا۔ آپ حضرت میمونہ اور دوسری بیویوں سے اجازت لے کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں منتقل ہو گئے۔ ان ایام میں بھی نمازوں کی ادائیگی کے لئے مسجد میں تشریف لاتے رہے۔ لیکن جب مسجد میں آنے سے تکلیف ہونے لگی تو آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہلوایا کہ وہ امامت کریں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ ابوبکر بڑے رقیق القلب ہیں آپ کی جگہ خالی نہ دیکھ پائیں گے۔ لہٰذا یہ خدمت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیجئے کہ وہ قوی القلب ہیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے بھی اس کی تائید کی جس پر آپ نے دونوں کو ڈانٹا اور فرمایا اللہ اور مسلمان ابوبکر کے علاوہ کسی اور کو قبول نہیں کریں گے لہٰذا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کی حیات میں سترہ وقت کی نماز پڑھائی۔ ان میں ایک نماز کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرض میں کچھ غفلت محسوس فرمائی اور تشریف لا کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی برابر میں بیٹھے۔ بندہ کے خیال میں یہ شنبہ کے دن ظہر کی نماز کا وقت تھا۔ اس دوران آپ کو معلوم ہوا کہ انصار و

مہاجرین آپ کے فراق میں رو رہے اور کہہ رہے ہیں کہ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس یاد آتی ہے۔ آپ بھلا روحانی باپ ہو کر کیسے ان کے رنج وغم میں رہنا گوارا کر سکتے تھے اس لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کے کاندھوں پر سہارا دے کر تشریف لائے کیونکہ ضعف وتکلیف کی وجہ سے خود چلنا مشکل تھا۔ مسجد میں تشریف لا کر منبر کی پہلی سیڑھی پر رونق افروز ہوئے اور ایک مختصر سا وعظ فرمایا۔ جس میں آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بہت سی نصیحتیں فرمائیں۔ فرمایا میں نے" سنا ہے کہ تم اپنے نبی کی موت کے تصور سے گھبرا رہے ہو کیا کبھی کوئی نبی یا رسول ہمیشہ ہمیشہ دنیا میں رہا ہے جو میں بھی ہمیشہ رہوں۔ یقیناً میں اب خدا سے ملنے والا ہوں اور تم بھی تھوڑی سی مدت کے بعد مجھ سے آ ملو گے۔ یاد رکھو! میں پہلے جا رہا ہوں اور تم میرے سے بعد میں آ کر ملو گے اور تم سے اب حوض کوثر پر ملاقات ہو گی۔ دیکھو جو مجھ سے حوض کوثر پر ملاقات کرنا چاہے اس کو چاہیے کہ اپنا ہاتھ اور اپنی زبان غلط جگہ پر استعمال نہ کرے۔ دیکھو اگر آدمی اچھے ہوتے ہیں تو ان کا بادشاہ بھی اچھا ہوتا ہے اور اگر آدمی برے ہوتے ہیں تو ان کا بادشاہ بھی برا ہوتا ہے۔ میں انصار کو مہاجرین سے اور مہاجرین کو انصار سے اچھے برتاؤ اور نیک سلوک کی وصیت کرتا ہوں۔

یہ فرما کر آپ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں تشریف لے گئے۔ اس کے بعد پھر ایک مرتبہ آپ نے صبح کی نماز میں حجرہ شریفہ کا پردہ اٹھا کر صحابہ کرام کو آخری مرتبہ ملاحظہ فرمایا۔ جسے دیکھ کر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم از خود رفتہ ہو گئے۔ قریب تھا کہ یہ حضرات نماز ہی میں آپ کی طرف متوجہ ہو جائیں مگر آپ نے ان کو اشارہ سے منع فرما دیا اور حجرہ شریفہ کا پردہ گرا دیا۔ یہ واقعہ ۱۲ ربیع الاول کا ہے اسی روز حضرت عائشہ نے دیکھا کہ نگاہیں آسمان کی جانب متوجہ ہیں اور زبان مبارک پر اللھم الرفیق الاعلی جاری ہے (یعنی اے اللہ اے بہترین رفیق) سمجھ گئیں کہ انتقال کا وقت قریب ہے چنانچہ تھوڑی دیر بعد آپ رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

انتقال کی خبر بجلی کی طرح پھیل گئی۔ صحابہ کرام جن کے قلوب آپ کی محبت اور مودت سے

لبریز تھے ان کو اس حادثہ کا یقین ہی نہ آتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا بہادر اور مضبوط دل کا آدمی بھی اس حادثہ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ جو شخص یہ کہے گا کہ آپ کا وصال ہو گیا میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ اس موقعہ پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وجود ہی ایسا تھا جو تمام صحابہ کو دلاسا دیئے ہوئے تھا یہ منظر دیکھ کر آپ رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لے گئے اور تقریر فرمائی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس حادثہ پر تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔ لوگو! جو شخص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت کرتا ہو وہ سمجھ لے کہ آپ کا وصال ہو گیا اور جو شخص اللہ کی عبادت کرتا ہو تو اس کو یقین کر لینا چاہیے کہ وہ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا اس کے بعد آیت کریمہ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ الآیۃ۔ دلیل کے طور صحابہ کو سنائی اس تقریر کے بعد صحابہ کو آپ کی وفات کا یقین ہو گیا اس کے بعد آپ کو غسل دیکر جنازہ حضرت عائشہ ہی کے حجرہ میں رکھ دیا گیا۔ صحابہ گروہ در گروہ ہو کر آتے رہے اور نماز پڑھتے رہے راجح قول کے موافق شب چہار شنبہ میں اسی حجرہ شریفہ کو آپ کی آخری آرام گاہ بنا دیا گیا۔ صلی اللہ تبارک وتعالی علیہ وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ وسلم تسلیما کثیرا کثیرا

متفرق واقعات

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات اس رسالہ کا موضوع نہیں ہیں۔ بلکہ اس رسالہ کے مناسب وہ واقعات ہیں جو ریاضیات و مجاہدات غیروں کی ایذا رسانی اور آپ کے صبر و تحمل پر مشتمل ہیں۔ لیکن چونکہ ان غزوات سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مجاہدات کفار و مخالفین کے ساتھ رافت وشفقت نمایاں طور پر معلوم ہوتی ہے اس لئے ان کو مجملا ذکر کر دیا گیا اب آخر میں تکملہ کے طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فقر و فاقہ، آپ کے زہد، آپ کی عسرت و تنگی کے چند واقعات خصائل نبوی اردو ترجمہ شمائل ترمذی سے نقل کرتا ہوں۔

(۱) حضرت قیلہ کہتی ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں دیکھا کہ

آپ پر دو پرانی لنگیاں تھیں۔ اس حدیث میں ایک طویل قصہ بھی ہے جس کو امام ترمذی نے اختصار کی وجہ سے ترک کر دیا۔ مشہور روایۃ میں اتنا اور بھی ہے کہ آپ اس پرانے لباس میں غریبانہ نشست کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ ایک کھجور کی ٹہنی آپ کے دست مبارک میں تھی۔ ایک شخص آئے اور آپ کی یہ فقیرانہ ہیئت دیکھ کر رعب کی وجہ سے کانپنے لگے۔ ارشاد فرمایا سکون اختیار کرو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا تھا کہ ان کا تمام خوف جاتا رہا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پرانی دو چادریں پہننا تواضع کے وجہ سے تھا اسی وجہ سے صوفیاء نے شکستگی کی حالت کو اختیار کیا ہے کہ یہ تواضع کی طرف لے جانے والی ہے اور تکبر سے دور کرنے والی ہے۔

(۲) مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نہ روٹی سے شکم سیری فرمائی اور نہ گوشت سے مگر کسی مہمان کی آمد پر اس لئے کہ آپ کا کھانے سے ہاتھ روک لینا سارے ہی مہمانوں کو ہاتھ روکنے اور بھوکا اٹھ جانے پر مجبور کر دیا کرتا تھا۔

(۳) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں تم لوگوں پر فقر و فاقہ سے نہیں ڈرتا بلکہ اس سے ڈرتا ہوں کہ تم پر دنیا اس طرح پھیل جائے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر پھیل گئی تھی اور تم اس میں اسی طرح دل لگانے لگو جس طرح ان لوگوں نے دل لگایا اور یہ تم کو بھی اسی طرح ہلاک کر دے جیسا کہ ان کو ہلاک کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک جگہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ہے کہ اے اللہ محمد کی اولاد کی روزی بقدر کفایت تجویز فرمانا۔

(۴) حضرت نعمان بن بشیر کہتے ہیں کہ کیا تم لوگ کھانے پینے میں اپنی مرضی کے موافق منہمک نہیں ہو (اور جتنا دل چاہے تم لوگ نہیں کھاتے ہو۔) حالانکہ میں نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ کے یہاں ردی کھجوریں بھی بقدر کفایت نہیں ہوتی تھیں۔

(۵) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم لوگ یعنی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل و اعیال کے یہاں ایک ایک ماہ تک آگ نہیں جلتی تھی۔ صرف کھجور اور پانی پر گزرا تھا۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ دو مہینے کامل گزر جانے کے بعد تیسرے مہینے کا چاند نظر آ

جاتا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں آگ جلانے کی نوبت نہ آتی تھی۔
آگ نہ جلنے کا مطلب یہ ہے کہ پکانے کے لئے کوئی چیز ہوتی ہی نہ تھی جس کے لئے آگ
جلانے کے ضرورت ہوتی۔ علماء نے لکھا ہے کہ باوجود خیبر اور حنین وغیرہ کی غنیمتوں کے۔
آپ کا یہ سارا فقر وفاقہ شروع زندگی سے آخیر زندگی تک رہا ہے۔

(۶) ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بکری کی ایک ٹانگ پیش کی۔ رات کا وقت تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کے اندھیرے ہی میں ٹکڑے کرنے لگیں۔ کسی نے کہا گھر میں چراغ نہیں ہے فرمایا اگر چراغ میں جلانے کے لئے تیل ہوتا تو اس کو کھانے میں ہی استعمال نہ کر لیتی۔

(۷) حضرت ابوطلحہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھوک کی شکایت کی اور اپنے پیٹ پر بندھے ہوئے پتھر دکھلائے کہ شدت بھوک کی وجہ سے ایک ایک پتھر بندھا ہوا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ پر دو پتھر بندھے ہوئے دکھلائے کہ آپ کو شدت بھوک ہم سے زیادہ تھی۔ اور ہم سے زیادہ وقت بغیر کچھ کھائے گزر چکا تھا۔

(۸) ایک مرتبہ آپ بیوقت باہر تشریف لائے اس وقت نہ تو حضور کی عادت شریفہ باہر آنے کی تھی اور نہ کوئی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوتا تھا۔ حضور کی تشریف آواری پر حضرت ابوبکر حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خلاف معمول آنے کا سبب پوچھا۔ عرض کیا جمال جہاں آراء کی زیارت اور سلام کے لئے حاضر ہوا ہوں (یہ حضرت ابوبکر کے کمال تناسب کی وجہ سے تھا کہ حضور کو اگر خلاف عادت باہر تشریف آواری کی نوبت آئی تو اس یک جان دو قالب پر بھی اس کا اثر ہوا۔ بندہ کے نزدیک یہی بڑی وجہ ہے دور نبوی کے ساتھ خلافت صدیقیہ کے اتصال کی) تھوڑی دیر بعد حضرت عمر آئے آپ نے ان سے بھی بیوقت آنے کا سبب پوچھا انہوں نے بھوک کی شدت کا ذکر کیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو مجھے بھی محسوس ہو رہی ہے (ان دونوں حضرات کے جوابات میں بھی فرق مراتب کا اظہار ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے بھوک کی شدت کا

علاج حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کو سمجھا۔

علماء نے لکھا ہے کہ اس موقعہ پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنی بھوک کا اظہار اس وجہ سے نہیں کیا کہ مبادا حضور کو کلفت ہو کیونکہ دوست کی تکلیف اپنی تکلیف پر غالب ہو جاتی ہے اس کے بعد یہ تینوں حضرات حضرت ابوالہیثم انصاری کے مکان پر گئے جو اہل ثروت لوگوں میں تھے اور عشاق میں سے تھے۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ گھر والوں کے لئے پانی لینے گئے ہیں جو خادم نہ ہونے کی وجہ سے خود ہی لانا پڑتا تھا تھوڑی دیر گذری تھی کہ وہ بھی واپس آ گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہو کر اپنی خوش قسمتی پر ناز کرنے لگے اور زبان حال سے۔

ہم نشیں جب مرے ایام بھلے آئیں گے
بن بلائے مرے گھر آپ چلے آئیں گے

پڑھتے ہوئے آپ کو لپٹ گئے اور باغ میں چلنے کی درخواست کی۔ وہاں پہنچ کر فرش بچھایا اور مہمانوں کو بٹھلا کر ایک خوشہ جس میں کچی پکی اور گدری کھجوریں تھیں لا کر سامنے رکھ دیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا پکی پکی کیوں نہ چھانٹ لیں۔ عرض کیا کہ ہر شخص اپنی حسب رغبت نوش کرے۔ ان حضرات نے کھجوریں نوش فرما کر پانی پیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر لحظہ چونکہ تعلیم امت کے لئے وقف تھا اس لئے آپ نے کھجوریں اور پانی پینے کے بعد فرمایا۔ اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے یہ بھی اس نعیم میں داخل ہے جس کا قیامت میں حساب ہوگا کہ ہماری نعمتوں کا کس درجہ شکر ادا کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ اس آیت شریفہ کی طرف تھا۔ وَلَتُسْئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیم

(۹) حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) ابتداء اسلام میں ایسی حالت میں جہاد کیا کرتے تھے کہ ہمارے پاس کھانے کے لئے کوئی چیز نہ ہوتی تھی۔ درختوں کے پتے اور کیکر کی پھلیاں کھایا کرتے تھے جس کی وجہ سے ہمارے جبڑے زخمی ہو گئے تھے اور پتے کھانے کی وجہ سے پاخانہ میں بھی اونٹ اور بکریوں کی طرح

تکلیاں نکلا کرتی تھیں۔

(۱۰) حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے گھر میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہ کیا تھا۔ فرمایا ایک ٹاٹ تھا جس کو دوہرا کر کے حضور کے نیچے بچھا دیا کرتی تھی۔ ایک روز مجھے خیال آیا کہ اگر اس کو چوہرا کر کے بچھادوں تو زیادہ نرم ہو جائے۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ آپ نے صبح کو فرمایا کہ رات کیا بچھا دیا تھا۔ عرض کیا وہی ٹاٹ تھا اس کو چوہرا کر دیا تھا۔ فرمایا اسے ویسا ہی رہنے دو جیسا پہلے تھا۔ اس کی نرمی رات کو اٹھنے نہیں دیتی۔

(۱۱) ام سلیم رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور نے ان سے کہا کہ صبر سے کام لو۔ خدا کی قسم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھرانے میں سات دن سے کوئی چیز نہیں ہے اور تین دن سے تو ہانڈی کے نیچے آگ بھی نہیں جلی۔ اور خدا کی قسم! اگر میں اللہ تعالیٰ سے سوال کروں کہ تہامہ کے سارے پہاڑوں کو سونا بنادے تو یقیناً اللہ تعالیٰ ضرور بنادیں گے۔

عبادت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر حرکت وسکون عبادت ہے ہر قول وفعل کمال عبدیت کا مظہر اور ہر کلام وخاموشی ذکر وفکر ہے۔ لیکن بطور مثال کے یہاں پر چند واقعات آپ کی عبادت کے بھی نقل کیے جاتے ہیں۔

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر لمبی نفلیں پڑھتے تھے کہ آپ کے قدم مبارک ورم کر گئے تھے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قدر مشقت برداشت کرتے ہیں حالانکہ حق تعالیٰ شانہ نے آپ کے اول وآخر سب گناہ بخش دیئے ہیں؟ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب حق تعالیٰ شانہ نے مجھ پر اتنا انعام فرمایا ہے تو کیا میں اس کا شکر نہ ادا کروں۔

(فائدہ) سائل کی غرض بظاہر یہ تھی کہ عبادت کی کثرت گناہوں کیلئے کفارہ ہوتی ہے تو جب کہ آپ بے گناہ ہیں تو پھر اس درجہ مشقت اٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟ حضور پاک صلی

اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب دیا اس کا مطلب یہ ہے کہ عبادات کی یہی ایک غرض نہیں ہوتی کہ اس کے ذریعہ سے گناہ معاف ہو جائیں بلکہ اور بھی بہت سی غرضیں ہوتی ہیں اب جب کہ اللہ جل شانہ نے میرے سارے گناہ معاف فرما دیئے تو اس وقت عبادت کی غرض اس کا شکر ادا کرنا ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ عبادت کبھی جنت وغیرہ کی رغبت سے کی جاتی ہے یہ تاجروں کی عبادت ہے کہ عبادت سے خریداری مقصود ہے یہاں قیمت ادا کی جا رہی ہے وہاں آخرت میں مال مل جائے گا اور کبھی عبادت خوف کی وجہ سے ہوتی ہے یہ غلاموں کی عبادت ہے کہ ڈنڈے کے خوف سے کام کرتے ہیں جیسا کہ نوکروں کا عام دستور ہوا کرتا ہے اور ایک وہ عبادت ہے جو بلا رغبت و بلا خوف محض اللہ کے انعامات کے شکر میں ہو یہ احرار کی عبادت ہے۔

حضرت عطاء کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت عائشہ سے عرض کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی عجیب ترین بات سنائیں انہوں نے ارشاد فرمایا کہ حضور کی کونسی بات ایسی تھی جو عجیب ترین نہ تھی اس کے بعد فرمایا۔ ایک رات کا قصہ ہے کہ سونے کے لئے مکان پر تشریف لائے اور میرے پاس میرے لحاف میں لیٹ گئے تھوڑی دیر کے بعد فرمایا چھوڑ میں تو اپنے رب کی عبادت کروں یہ فرما کر کھڑے ہو گئے وضو کیا اور نماز کی نیت باندھ لی اور رونا شروع کیا۔ یہاں تک کہ سینہ مبارک تک آنسو بہہ کر آنے لگے اس کے بعد رکوع کیا اس میں بھی روتے رہے پھر سجدہ کیا اس میں بھی روتے رہے پھر سجدہ سے اٹھے اور روتے رہے غرض صبح تک یہی کیفیت رہی حتیٰ کہ حضرت بلال صبح کی نماز کے لئے بلانے آ گئے۔ میں نے عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ اس قدر کیوں روئے؟ جبکہ اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے۔ فرمایا تو کیا میں خدا کا شکر گذار بندہ نہ بنوں اس کے بعد ارشاد فرمایا میں ایسا کیوں نہ کرتا حالانکہ آج مجھ پر یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں۔ اس کے بعد آپ نے ان فی خلق السمٰوٰت سورۃ آل عمران کے آخر رکوع کی آیۃ تلاوت فرمائی۔

علماء نے لکھا کہ جاگنے کے بعد تھوڑا سا قرآن شریف پڑھ لینا چاہیے کہ اس سے نشاط پیدا ہوتا ہے اور ان آیات کا پڑھنا مستحب ہے۔

گریہ وزاری

حضرت عبداللہ بن شخیر فرماتے ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور نماز پڑھ رہے تھے اور رونے کی وجہ سے آپ کے سینہ سے ایسی آواز نکل رہی تھی جیسے ہنڈیا کا جوش ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ مجھ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ قرآن شریف سناؤ میں نے عرض کیا کہ حضور آپ ہی پر تو نازل ہوا ہے اور آپ ہی کو سناؤں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ تیرے سے سنوں (شاید حضور نے سنانے کے لئے اس لئے فرمایا ہو کہ سننے میں غور وتدبر پڑھنے سے زیادہ ہوتا ہے) میں نے امتثال حکم میں سنانا شروع کیا اور سورۃ نساء (جو چوتھے سپارے کے پونے سے شروع ہوتی ہے) پڑھنی شروع کی، جب میں اس آیت پر پہنچا فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید وجئنا بك علی ھئولاء شھیدا تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھا کہ دونوں آنکھیں گریہ کی وجہ سے بہہ رہی تھیں۔

علماء نے لکھا ہے کہ آدمی کا رونا چند وجوہ سے ہوتا ہے کبھی زحمت اور مہربانی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ کبھی غلبہ خوشی سے ہوتا ہے کبھی کسی درد وغیرہ کی تکلیف کی وجہ سے اور کبھی رنج کی وجہ سے ہوتا ہے کبھی کسی کے ظلم کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ایک رونا توبہ کا ہوتا ہے جو کسی گناہ کے صادر ہو جانے سے آتا ہے۔ ایک رونا نفاق کا کہلاتا ہے جو کسی دوسرے کے دکھلانے کی وجہ سے نماز وغیرہ میں خشوع وخضوع ظاہر کرنے کے طور پر رویا جائے۔ ایک رونا مانگے کا کہلاتا ہے جیسے کسی کے مردہ کو بلا مزدوری لئے رویا جائے۔ ایک رونا مزدوری کا رونا کہلاتا ہے جیسا کہ کسی میت کے گھر مزدوری لے کر رویا جائے جیسا کہ بعض جگہ دستور ہے، ایک موافقت کا رونا کہلاتا ہے وہ یہ کہ کسی کو روتا دیکھ کر رونا آجائے وغیرہ وغیرہ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رونا اکثر امت پر شفقت ورحمت یا امت پر خوف یا اللہ کا ڈر یا اس کے اشتیاق سے ہوتا تھا۔

میں نے اپنے سب اکابر کو نماز اور ذکر کے دوران روتے ہوئے خوب دیکھا۔ مگر ہچکیاں لے کر روتے ہوئے دو بزرگوں کو دیکھنے کی نوبت بکثرت آئی ایک اپنے والد صاحب کو دوسرے حضرت اقدس شیخ الاسلام کو۔

حضرت مدنی ہندی کے دوہے پڑھا کرتے تھے اور میرے والد صاحب عربی کے اشعار۔ بعض مرتبہ ان ان دونوں کی ہچکیوں کی وجہ سے میری آنکھ کھل جایا کرتی تھی۔ سنا ہے کہ امام ربانی قدس سرہ بھی ظہر کے بعد جب حجرہ شریف میں پہنچ کر ذکر کرتے یا قرآن پاک پڑھتے تو گریہ وزاری کی آواز حجرہ کے باہر تک آیا کرتی تھی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء:

یعنی خلفائے راشدین کا ذکرِ خیر

ترتیب رسالہ کا مقتضا یہ تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا تذکرہ شروع کیا جاتا کیونکہ سلسلہ چشتیہ میں حضور کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اسم مبارک ہی مشہور سلسلہ ہے لیکن چونکہ خلفائے راشدین کا تذکرہ بھی حقیقتاً حضور ہی کے تذکرہ کا تمتہ ہے اور بعض مشائخ کے نزدیک تو مصدر طریقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے کمالات وترقیات میں بھی حضرات خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بڑا دخل ہے۔ اس کے علاوہ سلاسل اربعہ میں خلفائے راشدین کا واسطہ بھی طرق میں منقول ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بطور ضمیمہ کے مختصر تذکرہ ہر سہ حضرات کا اجمالاً لکھ کر پھر رسالہ اپنی ترتیب پر شروع کیا جائے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضور کی جانشینی ہر جزو کل میں حضرت ابوبکر صدیق کے متعلق ہوئی۔ مہاجرین اور انصار کی بیعت سے آپ خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرار پائے۔ ہر چند کہ آیات قرآنیہ اس طرف اشارہ کرتی ہیں اور احادیث میں اس

کی تصریح نیز یابی اللہ والمومنون الا ابا بکر (یعنی اللہ اور مومنین ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی کو قبول نہ کریں گے) گویا تصریح تھی۔ اس کے علاوہ سب سے اہم یہ کہ حضرت ابوبکر صدیق کا قلب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کے بالکل موافق تھا۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے (کمافی الامع)

اور بہت سے واقعات اس تناسب پر شاہد عدل ہیں۔ مثلاً ابوالہیثم کی دعوت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ جو چند صفحات پہلے گزر چکا۔ غزوہ حدیبیہ میں حضرت عمر کے سوالات کے جو جوابات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیئے وہ بعینہ وہی تھے جو حضور نے دیئے تھے۔ حالانکہ ایک کو دوسرے کے جوابات کی خبر بھی نہیں تھی۔ اساری بدر کے قصے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے بعینہ وہی تھی جو سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ ابن دغنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے وہی اوصاف بیان کئے تھے جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمائے تھے۔ لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا استقرار وصال نبوی کے بعد بیعت عامہ سے ہوا۔

آپ کا اسم گرامی مشہور قول کے موافق عبداللہ اور زمانہ جاہلیت کا نام عبدالکعبہ ہے۔ بعض لوگوں نے آپ کا اسم مبارک عتیق بتلایا ہے لیکن صحیح قول یہ ہے کہ عتیق آپ کا لقب ہے اور نسب عبداللہ بن ابی قحافہ بن عامر بن عمرو بن کعب بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب القرشی التیمی ہے۔ مرہ بن کعب پر جا کر آپ کا نسب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا ملتا ہے۔ آپ کے والد ابوقحافہ کا نام عثمان ہے جو ھ میں نوے سال کی عمر میں اسلام لائے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مختلف القاب کے ساتھ ملقب کئے گئے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ گھر کے لوگوں نے آپ کا نام عبداللہ رکھا تھا مگر عتیق کا لقب آپ پر غالب ہو گیا۔ اس میں اختلاف ہے کہ آپ کا لقب عتیق کیوں ہوا۔ بعضوں نے کہا ہے کہ آپ کے چہرہ کے حسن وخوبی کی وجہ سے اور بعض کا قول ہے کہ آپ کے سباق الی الخیر ہونے کی بنا پر اور بعض نے کہا ہے کہ آپ کے نسب کی عمدگی اور صفائی کی وجہ سے کہ اس میں

کہیں انگشت نمائی کی جگہ نہیں ترمذی شریف کی روایت ہے کہ جہنم سے خلاصی کا پروانہ ملنے کی وجہ سے عتیق کے ساتھ ملقب ہوئے۔

آپ کا مشہور لقب صدیق ہے اس میں اختلاف ہے کہ اس لقب کے ساتھ آپ کب ملقب ہوئے بعض لوگوں سے منقول ہے کہ زمانہ جاہلیت ہی سے آپ اس مبارک لقب کے ساتھ مشہور ہو چکے تھے کیونکہ ہمیشہ سے سچ بولنے کی عادت تھی۔ مشہور قول یہ ہے کہ شب معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ لوگ اس واقعہ (معراج) کی تصدیق کس طرح کریں گے تو انہوں نے عرض کیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کی تصدیق کریں گے کیونکہ وہ صدیق ہیں۔

تاریخ الخلفاء میں مستدرک کی روایت سے نزال بن سبرہ سے نقل ہے کہ ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ ایسا شخص ہے جس کا اللہ نے جبرئیل علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے صدیق نام رکھا نماز کی امامت میں وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نائب تھے تو جس شخص کو حضور نے ہمارے دین (یعنی نماز) کے لئے امام بنانا پسند کیا اس کو ہم نے اپنی دنیا (خلافت) کے لئے بھی پسند کرلیا، طبرانی نے حکیم بن سعید سے نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس پر قسم کھاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ابوبکر کا نام آسمان سے صدیق اتارا۔

قبول اسلام:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے اول اسلام لانے والوں میں ہیں اور جب مسلمان ہونے کے لئے دربار نبوی میں پہنچے تو کوئی معجزہ بھی طلب نہ کیا۔ صرف بعثت کے متعلق سوال کیا اور اسی وقت مسلمان ہو گئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں نے جس شخص کو بھی اسلام کی دعوت دی اس میں ایک قسم کا تردد اور لچک ضرور دیکھی مگر جس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر میں نے اسلام پیش کیا وہ بے جھجک مسلمان ہو گئے۔

شروع شروع میں صحابہ کرام کفار کے ظلم وتشدد کی وجہ سے اپنے اسلام کو مخفی رکھتے تھے لیکن

جب مسلمان تعداد میں اُنتالیس ہو گئے تو حضرت ابوبکر نے کھلم کھلا تبلیغ کی اجازت چاہی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصرار کے بعد یہ درخواست منظور فرمالی۔ حضرت ابوبکر صحابہ کی مختصر سی جماعت کے ہمراہ بیت اللہ گئے اور جا کر خطبہ دیا۔ یہ سب سے پہلا خطبہ ہے جو اسلام میں پڑھا گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق کی شرافت وعظمت کافروں کے نزدیک بھی مسلم تھی۔ مگر اس خطبہ کا شروع ہوتا تھا کہ لوگوں نے اس قدر مارا کہ تمام چہرہ خون سے سرخ ہو گیا۔ ناک، کان سب زخمی ہو گئے۔ پہچاننا مشکل ہو گیا۔ جوتوں، ٹھوکروں، لاتوں سے مارا گیا۔ اس کے علاوہ وہ سب کچھ کر گزرے جوان کے بس میں تھا۔ شدت تکلیف سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بے ہوش ہو گئے۔ قبیلہ کے لوگ اٹھا کر گھر لائے شام کو ہوش آیا۔ ہوش میں آتے ہی سب سے پہلے زبان سے جو الفاظ نکلے وہ یہ تھے۔ ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟'' اس جملہ کو سن کر تیمادار اٹھ کر چل دیے کہ جن کے ساتھ رہنے کی بدولت یہ مصیبت آئی ان کے لئے اب بھی یہ اتنا جذبہ رکھتے ہیں۔ اُم خیر (جو حضرت ابوبکر کی والدہ ہیں) نے کھانے پینے کے لئے اصرار کیا مگر حضرت ابوبکر صدیق نے قسم کھائی کہ جب تک حضور کی زیارت نہ کرلوں گا نہ پیوں گا۔ جب لوگوں کی آمد ورفت کم ہوگئی تو رات کا بڑا حصہ گزر جانے پر خدمت نبوی میں حاضر ہوئے خود بھی روئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی خوب رلایا۔ صحابہ بھی خوب روئے۔ اسی مجلس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ کی ہدایت کے لئے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے دعا فرمائی اور ترغیب دی۔ چنانچہ یہ اسی مجلس میں اسلام لے آئیں۔ حضرت صدیق اکبر کے حالات ان کی سوانح ان کے فضائل خواہ کتنے ہی مختصر لکھے جائیں پھر بھی اس کے لئے مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔ لہٰذا ان چند صفحات میں آپ کی کسی ایک نوع کی فضیلت کا احصاء کیسے ممکن ہے۔ سب سے پہلے اسلام قبول کرنا یہی آپ کے کمالات کا اہم مسئلہ ہے جو کافی تفصیل چاہتا ہے۔ اس کے بعد ہجرت حبشہ کا ارادہ فرمانا اور اس کے لئے تیار ہو کر روانہ ہو جانا (جس کا قصہ یہ ہوا تھا حضرت ابوبکر ہجرت حبشہ کی نیت سے چل پڑے تھے راستہ میں ابن دغنہ سے ملاقات ہوئی جو حضرت

ابوبکر کو یہ کہہ کر واپس لے آئے کہ تم جیسا آدمی نہ نکالا جا سکتا ہے نہ نکل سکتا ہے، کیونکہ تم ناداروں کی کمائی کا ذریعہ بنتے ہو۔ صلہ رحمی کرتے ہو۔ لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہو مہمان نوازی کرتے ہو۔ معاملات میں اعانت کرتے ہو۔

ہجرت مدینہ اور نبوی رفاقت جس میں اللہ جل وعلا کی معیت کا پروانہ نبوی زبان پاک سے ملا اور اللہ کے پاک کلام نے اس کی خبر دیکر تصدیق فرمادی۔ جس ذات کے ساتھ معیت خداوندی قطعی نص کے ساتھ ثابت ہو چکی ہو اس کی کونسی فضیلت باقی رہ گئی جس پر کوئی قلم اٹھائے اور کونسا درجہ تقرب ہے جس کو کوئی بیان کرے۔ قرآن پاک کی آیت ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا کے ہر ہر جملہ اور حرف میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی علوشان، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خصوصی تعلق مودت محبت کے سارے ہی واضح اشارات موجود ہیں۔

سورہ واللیل میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی تعریف وتوصیف بیان فرمائی گئی ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بشارت بھی ملی کہ حضرت صدیق یہ سب کچھ رضائے الٰہی کے حصول کے لیے کرتے ہیں۔ اور یہ بھی بشارت ملی کہ (عنقریب) جنت میں وہ خوش وخرم ہو جائیں گے۔ منتہائے سلوک تقرب الٰہی اور معیت مع اللہ ہے جس کا قطعی پروانہ ابتداء ہجرت میں آپ کو مل چکا تھا اور اس کے بعد دس برس تک سفر وحضر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت، وزارت، نیابت اور مصاحبت نے جن کمالات اور مراتب پر پہنچایا ہوگا اس کو چودھویں صدی کا ایک ناپاک لکھنے والا کیا لکھ سکتا ہے اور نہ صرف یہ بلکہ اخلاق، اوصاف، ہمت وشجاعت جس میں ارتداد کے موقعہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے تمام دنیا کے مسلم شجاع کو آپ نے اجبار فی الجاہلۃ وخوار فی الاسلام زمانہ جاہلیت میں اتنے زبردست اور اب اتنے بزدل کا طعنہ دے دیا۔

نیز علم وعمل، سخاوت وفیاضی، تقویٰ وپرہیزگاری، حلم اور بردباری، تواضع اور انکساری، ذکاوت بے داری، تعبیر رویا کی مہارت اور انساب کی کمال واقفیت، فصاحت وبلاغت جس

کے متعلق حضرت فاروق اکبر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ کافی شہادت ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے جو شخص بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث نقل کرتا میں اس کو (احتیاطاً) قسم دیا کرتا تھا مگر ابوبکر رضی اللہ عنہ کو قسم نہیں دیتا تھا۔ (کہ وہ اس سے بالاتر تھے) غرض کونسا کمال کونسا جوہر کونسی خوبی ایسی تھی کہ اس رسول اللہ کے سچے جانشین حقیقی نائب اور اول خلیفہ میں علی وجہ الاتم نہ تھی۔

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری۔

اگر تمام مخلوقات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں پڑھا جا سکتا ہے تو انبیاء کے بعد آپ کے اس جانشین کی بھی صفت ہے۔

اس سب کے بعد آپ کی کثرت عبادت، جوش ایمانی جو ثمرہ چشتیہ ہے اس کا کیا رنگ تھا یہ دکھلانے کے لئے چند واقعات ذکر کرتا ہوں۔

ابن عساکر نے ابن سیرین سے نقل کیا ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر جنگ بدر میں کفار کے ساتھ ہو کر شریک جنگ ہوئے تھے کیونکہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ مسلمان ہونے کے بعد ایک مرتبہ اپنے باپ حضرت ابوبکر سے عرض کیا کہ جنگ بدر میں آپ میرے سامنے آ گئے تھے مگر میں باپ ہونے کے احترام میں رخ بدل کر چلدیا۔ فرمایا کہ اگر تو میرے سامنے آ جاتا تو میں نہ ہٹتا یعنی اللہ کے راستہ میں تیری پرواہ نہ کرتا اور تجھ پر حملہ کر دیتا۔

آپ ابتدا تاجر تھے۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ اسلام لانے کے وقت آپ کے پاس چالیس ہزار دینار تھے اور بعض روایات میں ہے کہ چالیس ہزار درہم تھے۔ لیکن اسلام اور اہل اسلام کی معاونت میں خرچ کرتے رہے حتیٰ کہ ایک وقت وہ آیا جس کے متعلق احادیث میں وارد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ چندہ فرمایا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وہ سب کچھ لا کر خدمت میں پیش کر دیا جو گھر میں تھا اور حضور کے اس سوال پر کہ گھر میں کیا چھوڑا۔ فرمایا اللہ اور اس کے رسول کو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جن کو اکثر اس کی رغبت

رہا کرتی تھی کہ میں کسی دن ابوبکر پر سبقت لے جاؤں۔ اس دن بہت کچھ لائے اور حضور کے اس فرمانے پر کہ گھر میں کیا چھوڑا۔ فرمایا کہ جوموجود تھا نصف لے آیا اور نصف گھر چھوڑ دیا۔ پہلے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خیال تھا کہ اگر کسی دن سبقت لے جانا ممکن ہے تو آج ہو سکتا ہے لیکن جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جواب سنا تو سمجھ لیا کہ ان سے سبقت لے جانا ممکن نہیں۔ یہی وہ وجوہ تھیں جن کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کا بھی مجھ پر احسان ہے میں نے اس کا بدلہ دیدیا مگر ابوبکر کہ ان کے احسان کا بدلہ باقی ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ ہی قیامت کے دن مرحمت فرمائیں گے۔

قوت ایمانی:

اسماعیلی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ اور عرب میں ارتداد کا واقعہ پیش آیا اور ضعیف الاعتقاد لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تو میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے رسول اللہ کے خلیفہ و جانشین لوگوں کے ساتھ تالیف قلوب سے کام لیجئے اور نرمی کا برتاؤ کیجئے کہ ان پر وحشت غالب ہو رہی ہے حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ میں تو تیری مدد کا امیدوار تھا۔ زمانہ جاہلیت میں تو تو بڑا سخت اور متشدد تھا اسلام میں اتنا ضعیف۔ کس چیز سے تالیف قلوب کروں؟ شعر گھڑ کر ان کو سناؤں یا ان پر کچھ جادو کروں۔ افسوس، افسوس۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ وحی منطقع ہو گئی (کہ احکام میں تغیر ہو سکے) واللہ ان سے جہاد کروں گا۔ اس وقت تک کہ میرے ہاتھ میں تلوار پکڑنے کی طاقت رہے اگر ایسی ایک رسی دینے سے بھی انکار کریں گے۔

جس کو یہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے ہوں اور اب مجھے انکار کر دیں تو اس پر بھی قتال کروں گا۔ حضرت عمر کہتے ہیں کہ میں نے ابوبکر کو اپنے آپ سے زیادہ پختہ اور پکا پایا اور انہوں نے لوگوں کو ایسے امور کا عادی بنا دیا جس کی وجہ سے مجھے اپنی خلافت کے زمانہ میں بڑی سہولت ملی۔

خلیفہ وقت کا مشاہرہ:

ابن سعد نے عطاء بن السائب سے نقل کیا کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہو گئے تو صبح کو چند ایک چادریں ہاتھ پر ڈال کر بازار جا رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس دریافت فرمانے پر کہ کہاں کا ارادہ ہے (آپ نے فرمایا کہ میں مسلمانوں کے کاموں میں مشغول کر دیا گیا ہوں اہل وعیال کے کھلانے کے لئے بازار جاتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آؤ ابوعبیدہ کے پاس چلیں) جو (بیت المال کے خزانچی ہیں) وہ ایک آدمی کے گزارہ کے قابل آپ کے لئے کچھ مقرر کر دیں گے دونوں حضرات ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ انہوں نے عرض کیا کہ جو مقدار ایک مہاجر کے اوسط گذر اوقات کے لئے مقرر کی جاتی ہے وہی آپ کے لئے بھی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ وہ مقدار مقرر کر دی گئی۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ جو مقدار ان کے لیے مقرر کی گئی تھی وہ کثرت عیال کی وجہ سے کافی نہ ہوئی تو درخواست پر اس میں کچھ اضافہ بھی کیا گیا۔

طبرانی نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مرض الموت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ یہ دودھ دینے والی اونٹنی اور سالن کا پیالہ اور چادر جو امارۃ کی وجہ سے مجھے دی گئی تھی میرے مرنے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالہ کر دینا۔ چنانچہ انتقال کے بعد یہ تمام چیزیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالہ کر دی گئیں اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ابوبکر! اللہ تم پر رحم کرے تم نے اپنے بعد کے آنے والے خلفاء کو بڑی مشقت میں ڈال دیا (کیونکہ اس قدر احتیاط ہر شخص سے ہونی مشکل ہے۔)

انتقال:

آپ کی پیدائش نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے دو سال اور چند ماہ بعد ہوئی اس لئے کہ اتنی ہی مقدار آپ عمر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے چھوٹے تھے۔ بعض روایات سے آپ کا عمر میں بڑا ہونا معلوم ہوتا ہے۔ علماء کے نزدیک یہ روایات صحیح نہیں۔ بہر حال

جب عمر کی یہ کمی پوری ہوگئی اور آپ کا سن شریف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سن مبارک کے برابر پہنچ گیا تو آپ کا بھی وصال ہوگیا۔ اس میں اختلاف ہے کہ مرض وفات کی نوعیت کیا تھی اور وہ کیا بیماری تھی جس میں آپ نے انتقال فرمایا۔ حاکم نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ہی سے حضرت ابوبکر پر ایک سوز باطنی طاری ہوگیا جس سے بدن گھلتا رہا۔ حتی کہ وصال ہوگیا۔ اور زہری سے منقول ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ...... ہدیہ کے طور پر دیا گیا تھا جس کو آپ اور حارث بن کلدہ کھا رہے تھے۔ حارث نے عرض کیا کہ اس سے ہاتھ کھینچ لیجئے۔ کیونکہ اس میں سنوی زہر ملایا گیا ہے۔ میں اور آپ ایک ہی دن مریں گے۔ چنانچہ یہ دونوں حضرات سال بھر تک بیمار رہ کر ایک ہی دن میں وصال فرما گئے۔

شعبی کہتے ہیں کہ اس ذلیل دنیا سے کیا توقع رکھیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی زہر دیا گیا اور حضرت ابوبکر کو بھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ آپ کے مرض کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ ۷ جمادی الثانی دوشنبہ کے روز آپ نے غسل کیا۔ سردی سخت تھی جس سے بخار ہوگیا اور پندرہ روز مسلسل سردی کی وجہ سے شدت سے بخار رہا۔ نماز کے لئے مسجد بھی نہ جا سکے اور اکیس جمادی الثانی ۱۳ھ شنبہ کی شب میں وصال فرمایا۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا تھا کہ آج کیا دن ہے۔ جب معلوم ہوا کہ دوشنبہ ہے تو آپ نے فرمایا کہ میں جب مر جاؤں تو دفن میں دیر نہ لگانا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اس وقت پوچھا کہ حضور کا وصال کس دن ہوا تھا۔ عرض کیا گیا کہ دوشنبہ کو۔ اس پر فرمایا کہ مجھے بھی آج رات تک مرنے کی امید ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی خلافت کی مدت دو سال تین ماہ نو دن ہے۔

چند متفرق واقعات

(۱) ایک مرتبہ اہلیہ محترمہ نے درخواست کی کہ کوئی میٹھی چیز کھانے کو دل چاہتا ہے۔ فرمایا

میرے پاس تو پیسے نہیں ہیں جو خرید کر کھلاؤں اہلیہ نے عرض کیا کہ ہم اپنے روزانہ کے کھانے میں سے تھوڑا تھوڑا کچھ بچالیا کریں۔ چند روز میں اتنی مقدار ہو جائے گی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اجازت دیدی۔ اہلیہ محترمہ نے کئی دن تک چند پیسے جمع کیئے۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تجربہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ہمیں بیت المال سے اتنی مقدار زیادہ ملتی ہے۔ یہ فرما کر جتنا اہلیہ نے چند روز میں جمع کیا تھا اس کو بیت المال میں داخل فرما دیا اور آئندہ کے لئے کہلوا دیا کہ میری تنخواہ میں سے اتنے پیسے کم کر دیئے جائیں۔

(۲) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ باغ میں تشریف لے گئے وہاں ایک پرندہ درخت کے سائے میں بیٹھا تھا آپ نے اس کو دیکھ کر ایک ٹھنڈا سانس لیا اور فرمایا۔ مبارک ہو تجھ کو اے پرندے تو درختوں کے پھل کھاتا ہے سائے میں بیٹھتا ہے اور بغیر حساب وکتاب کے قیامت میں نجات پا جائے گا۔

کاش ابوبکر بھی تجھ جیسا ہوتا۔ بسا اوقات فرمایا کرتے اے کاش میں تو کسی مسلمان بندہ کے پہلو میں اس کا بال بن کر رہتا، کبھی فرماتے اے کاش میں درخت ہوتا اور مجھے کاٹا جاتا اور پھر کھالیا جاتا۔ کبھی فرماتے کہ میں تو گھاس ہوتا جس کو جانور کھالیتے۔

(۳) اصمعی فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر کی تعریف وتوصیف کی جاتی تو فرماتے اے اللہ تو مجھ سے زیادہ میرا حال جانتا ہے اور میں اپنا حال ان تعریف کرنے والوں سے زیادہ جانتا ہوں۔ اے اللہ تو مجھ کو ان کے گمان سے اچھا بنا دے اور میری جس برائی کو یہ نہیں جانتے اس کو بخش دے اور ان کے کہنے پر میری پکڑ مت کیجیو۔

(۴) ایک مرتبہ اپنے زمانہ خلافت میں ملک شام کی طرف ایک لشکر روانہ فرمایا اور ان کو رخصت کرنے کے لئے بہت دور تک گئے۔ ساتھیوں نے عرض کیا کہ اے خلیفہ رسول اللہ آپ پیادہ چل رہے ہیں اور ہم لوگ سوار ہیں فرمایا میں ان قدموں سے اپنی خطاؤں کو شمار رہا ہوں۔ یہ میرے قدم اللہ کے راستہ میں اٹھ رہے ہیں۔

(۵) فرمایا کہ میں پاکی بیان کرتا ہوں اس ذات کی جس نے اپنی مخلوق کے لئے کوئی

راستہ اپنی معرفت کا نہیں رکھا سواء اس کے کہ اس کی معرفت سے عاجز ہو جائیں۔

(۶) فرمایا جو شخص اللہ کی محبت کا مزہ چکھ لیتا ہے پھر اس کو طلب دنیا کی فرصت نہیں ملتی اور انسانوں سے اس کو وحشت ہوتی ہے۔

(۷) مرض وفات میں لوگ عیادت کو آئے اور کہنے لگے اے خلیفہ رسول اللہ کسی طبیب کو آپ کے لئے بلایا جائے تو فرمایا کہ طبیب تو مجھے دیکھ چکا ہے۔ لوگوں نے پوچھا پھر طبیب نے کیا کہا۔ فرمایا اس نے کہا انی فعال لما ارید (میں جو چاہے کروں تو کون؟)

(۸) ایک مرتبہ ایک شکار آپ کے سامنے لایا گیا تو فرمایا کہ جب کوئی شکار مارا جاتا ہے یا کوئی درخت کاٹا جاتا ہے تو اس کا سبب یہی ہوتا ہے کہ اس نے اللہ کی تسبیح ضائع کردی۔

(۹) بسا اوقات اونٹ پر سوار ہوتے اور مہار گر جاتی تو اونٹ کو بٹھلا کر اترتے اور مہار کو خود اٹھاتے۔ لوگ کہتے کہ حضرت آپ نے ہمیں کیوں حکم نہ دیا ہم اٹھا دیتے تو فرماتے کہ میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے حکم دیا ہے کہ کسی انسان سے کچھ سوال نہ کروں۔

(۱۰) حضرت انس کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق کبھی خطبے میں انسان کی پیدائش کا حال سناتے تو کہتے کہ انسان دو مرتبہ مقام نجاست سے نکلا ہے (یعنی ایک مرتبہ صلب پدر) (باپ کی شرمگاہ سے اور ایک مرتبہ شکم مادر یعنی ماں کی شرمگاہ سے) اس وقت کیفیت یہ ہوتی تھی کہ ہر شخص اپنے آپ کو نجس سمجھنے لگتا تھا۔

(۱۱) فرمایا کرتے تھے اے لوگو! خدا کے خوف سے روؤ۔ اگر رونا نہ آئے تو رونے کی صورت بناؤ۔

(۱۲) ایک روز اپنے خطبہ میں فرمایا کہ وہ حسین کہاں گئے جن کے چہرے خوبصورت تھے جن کو اپنی جوانی پر ناز تھا۔ وہ بادشاہ کہاں گئے جنہوں نے شہر آباد کئے تھے۔ وہ بہادر کہاں گئے جو میدان جنگ میں ہمیشہ غالب رہتے تھے۔ موت نے ان کو ہلاک کر دیا اور وہ قبر کی تاریکیوں میں پڑے ہوئے ہیں۔

(۱۳) فرمایا کرتے خبردار کوئی شخص کسی مسلمان کو حقیر نہ سمجھے کیونکہ چھوٹے درجہ کا مسلمان

بھی اللہ کے نزدیک بڑا ہے۔

(۱۴) فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے بزرگی کو تقویٰ میں پایا اور تونگری کو یقین میں اور عزت کو تواضع میں۔

(۱۵) ایک روز خطبہ پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ پارسال گرمیوں میں میں نے تمہارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا۔ یہ کہہ کر رونے لگے پھر فرمایا کہ آپ فرماتے تھے کہ اللہ سے گناہوں کی بخشش اور دنیا و آخرت کی عافیت طلب کیا کرو۔

(۱۶) اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے کہ یا اللہ مجھے حق دکھا اور حق کی پیروی کی توفیق دے اور مجھے باطل کی پہچان دے اور اس سے بچنے کی توفیق دے اور حق و باطل کو میرے اوپر مشتبہ نہ کرنا اور نہ میں ہوائے نفسانی کا تابع ہو جاؤں۔

(۱۷) حضرت ابوبکر کے آزاد کردہ غلام کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں اپنے نفس پر ناراض ہو اس کو اللہ پاک اپنی ناراضگی سے امن میں رکھے گا۔

(۱۸) آخیر وقت میں حضرت عائشہ نے کوئی درد انگیز حسرت آمیز شعر پڑھا تو فرمایا یہ نہ کہو بلکہ یہ آیت پڑھو وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيدُ یعنی آ گئی غشی موت کی حق کے ساتھ یہی وہ چیز ہے جس سے اوانسان تو بھاگتا تھا۔

(از واقعہ ۵ تا واقعہ ۷ منقول از کتاب خلفائے راشدین، تالیف امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب رحمۃ اللہ علیہ (شاہد غفرلہ)

(۱۹) فرمایا کرتے تھے کہ سب سے بڑی سمجھداری تقویٰ ہے اور سب سے بڑی حماقت فسق و فجور ہے اور سب سے بڑھ کر سچائی امانت ہے۔ اور سب سے بڑھ کر جھوٹ خیانت ہے۔

(۲۰) جب کسی کو نصیحت کرتے تو فرمایا کرتے تھے کہ اگر تو میری وصیت مانے تو کوئی چیز جو غائب ہو موت سے زیادہ محبوب نہ رکھنا کہ وہ تو ہر حال میں آنے والی ہے۔

(۲۱) فرمایا کرتے تھے کہ جب آدمی دنیا کی زینتوں میں سے کسی زینت کی چیز پر اترانے

لگے تو اللہ تعالیٰ اس سے اس وقت تک ناراض رہتے ہیں جب تک کہ وہ اس زینت کی چیز سے بالکلیہ علیحدہ نہ ہو جائے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

صدیق اکبر کے بعد آپ کی ہی تعیین سے حضرت عمر خلیفہ و جانشین قرار پائے -اور امت کی ہر نوع کی ظاہری و باطنی ترقیات کی باگ آپ کے ہاتھ میں آئی - حضرت عمر کے قبول خلافت کا واقعہ بھی عجیب ہے۔

حضرت ابوبکر کے مرض نے شدت پکڑی اور وصال کا وقت قریب ہوا تو آپ نے حضرت علی وحضرت عثمان اور چند مہاجرین وانصار کو بلایا اور فرمایا کہ تم دیکھ رہے ہو کہ میری حالت کیا ہو رہی ہے اور کسی آدمی کا تعین جو میرے بعد تمہارے امور انتظام کرے ضروری ہے اگر تمہاری رائے ہو تو تم آپس میں کسی کو مشورہ سے طے کرلو اور اگر تمہاری رائے ہو تو میں انتخاب کر دوں، عرض کیا کہ آپ ہی انتخاب فرمادیں چنانچہ آپ نے حضرت عثمان کو حکم دیا اوران سے حضرت عمر کے خلیفہ بنانے کا فرمان لکھوایا حضرت عمر نے عرض کیا کہ میں اس کام کا تحمل نہیں کرسکتا حضرت ابوبکر نے فرمایا میری تلوار لاؤ (کیونکہ انہوں نے خلیفہ رسول اللہ کا حکم نہیں مانا) اوران کو خوب ڈانٹا اس پر حضرت عمر مجبوراً خلافت قبول کرنے پر مجبور ہوئے۔ اس کے بعد حضرت طلحہ حاضر ہوئے اورانہوں نے اس تجویز منصب پر تنقید کی اس پر فرمایا کہ عمر بخدا تمہارے لئے بہترین آدمی ہیں اور تم ان کے لیے بدترین آدمی ہو یہ فرما کر حضرت طلحہ کو خوب ڈانٹا اوراُن کو نکال دیا اس کے بعد حضرت عثمان سے یہ پروانہ لکھوایا۔ یہ عہد نامہ ہے جس کو ابوبکر خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے وقت میں لکھوایا جبکہ وہ دنیا سے رخصت ہو رہا ہے اور سفر آخرت شروع کر رہا ہے میں نے تمہارے لیے اپنے بعد عمر بن الخطاب کو خلیفہ بنایا اگر وہ نیکوکار رہے اور انصاف کرتے رہے تو ان کے بارے میں میرا یہی حسن ظن ہے اور اگر ان میں کوئی تغیر وتبدل ہو گیا تو مجھ کو غیب کا علم نہیں میں نے اپنے خیال

میں تمہارے لیے (اس انتخاب کے ذریعہ) بھلائی اور بہترائی کی ہے اور جو کوئی آدمی گناہ کرتا ہے اس کا وبال اسی پر ہوتا ہے وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوٓا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ
(صبح الاعشیٰ ج۹ ص ۳۴۹)

آپ کا اسم گرامی عمر ہے اور لقب فاروق ابو حفص کنیت ہے یہ لقب اور کنیت دونوں دربار نبوی سے مرحمت ہوئے آپ کا سلسلہ نسب اس طرح سے ہے: عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن غالب القرشی العدوی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کعب بن لوی پر آپ کا نسب جا ملتا ہے۔
حضرت عمر کی ولادت واقعہ فیل سے تیرہ سال بعد ہوئی۔ ستائیس سال کی عمر تھی کہ اسلام میں داخل ہوئے ان سے پہلے چالیس مرد اور گیارہ عورتیں اسلام میں داخل ہو چکی تھیں۔

قبول اسلام:

حضرت عمر کے اسلام لانے کا واقعہ بھی بڑا عجیب ہے۔ وہ یہ کہ ایک روز کفار کی مجلس منعقد ہوئی جس میں یہ سوال اٹھا کہ محمد کو کون قتل کر سکتا ہے؟ عمر نے کہا یہ کام میں انجام دوں گا - یہ کہہ کر تلوار اٹھائی اور چلدیئے راہ میں حضرت سعد ابن ابی وقاص ملے، دریافت کیا عمر کہاں جا رہے ہو؟ کہنے لگے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی فکر میں ہوں حضرت سعد نے فرمایا بنو ہاشم بنو زہرہ بنو عبد مناف تم کو اس کے بدلے میں قتل کر دیں گے اس جملے کو سن کر غصہ آ گیا اور فرمایا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تو بھی بد دین یعنی مسلمان ہے آ پہلے تجھ کو ختم کر دوں یہ کہہ کر تلوار کھینچ لی، حضرت سعد نے یہ کہہ کر ہاں میں مسلمان ہوں تلوار نکالی ایک دوسرے پر حملہ ہونے ہی کو تھا کہ حضرت سعد بولے عمر پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو، تیری بہن اور بہنوئی دونوں اسلام قبول کر چکے یہ سن کر طیش میں آ گئے اور فوراً اپنی بہن کے گھر گئے دیکھا کہ کواڑ بند ہیں اور حضرت خباب ان دونوں میاں بیوی کو قرآن پڑھا رہے ہیں آواز سن کر حضرت خباب تو مکان ہی میں چھپ گئے وہ صحیفہ جس پر آیات قرآنی لکھی ہوئی تھیں جلدی میں باہر رہ گیا۔ بہن نے کواڑ کھولے اس وقت حضرت عمر کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی جسے پوری قوت سے بہن کے

سر پر دے ماری خون بہنے لگا فرمایا اپنی جان کی دشمن تو بھی بد دین ہوگئی، اندر گھر میں آ کر دریافت کیا، کیا کرر ہے تھے؟ یہ آواز کیسی تھی؟ کس کی تھی؟ بہنوئی نے کہا آپس میں بات چیت کرر ہے تھے فرمایا اپنے دین کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرلیا، بہنوئی نے کہا کہ اگر وہ دین برحق ہوتو کیا حرج ہے یہ سننا تھا کہ ان پر بے تحاشہ ٹوٹ پڑے اور زمین پر گرا کر خوب مارا بہن نے آگے بڑھ کر بچانے کی کوشش کی تو ان کے منہ پر اس زور سے تھپڑ مارا کہ خون نکل آیا یہ بھی آخر کار عمر کی بہن تھیں کہنے لگیں عمر! کیا ہم کو اس وجہ سے مارا جاتا ہے کہ ہم اسلام لے آئے یقیناً ہم اسلام لے آئے ہیں جو تم سے ہوسکے وہ کرلو اتنے میں حضرت عمر کی نظر اس صحیفہ قرآن پر پڑ گئی جو باہر ہی رکھا تھا۔ کہنے لگے مجھے بھی دکھلاؤ اس میں کیا لکھا ہے۔ بہن نے کہا تم ناپاک ہو اور ناپاک آدمی اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتا حضرت عمر نے بہت اصرار کیا مگر بہن نے بغیر وضو اور غسل کے وہ صحیفہ ہاتھ میں نہیں دیا۔ حضرت عمر نے غسل کیا اور صحیفہ اٹھایا تو اس میں سورۃ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی اننی انا اللہ لا الہ الا انا فاعبدنی واقم الصلوۃ لذکری تک پڑھا تھا کہ حالت بدل گئی فرمانے لگے مجھے بھی دربار نبوی میں لے چلو۔ یہ بات سن کر حضرت خباب اندر سے نکلے اور فرمایا اے عمر کل شب پنجشنبہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی تھی کہ اے اللہ عمر اور ابوجہل میں جو تجھے زیادہ پسند ہو اس کو اسلام کی توفیق عطا فرما۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا آپ کے حق میں قبول ہوگئی۔ اس کے بعد حضرت عمر دربارہ نبوی میں پہنچے اور جمعہ کے دن صبح کو اسلام لائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرمایا کرتے تھے کہ عمر کا اسلام لانا مسلمانوں کی فتح تھی اور ان کی ہجرت مسلمانوں کی مدد تھی اوران کی خلافت رحمت۔

ہجرت عمر:

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کی ہجرت کا واقعہ بھی کافی عجیب ہے۔ جس سے ان کی شجاعت اور بہادری کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ اوّل اوّل ہر شخص نے خفیہ طریقے سے ہجرت کی مگر جب حضرت عمر نے ہجرت کی تو اس شان سے

لی کہ تلوار گلے میں ڈالی اور کمان ہاتھ میں لی بڑی تعداد میں تیر ساتھ لئے۔ سب سے پہلے مسجد میں اطمینان سے طواف کر کے نماز پڑھی پھر کفار کے مجمع کی طرف گئے اور فرمایا جس کا دل یہ چاہے کہ اس کی ماں اسے روئے اس کی بیوی رانڈ ہو۔ بچے یتیم ہوں وہ مکہ سے باہر آ کر عمر کا مقابلہ کرے۔ یہ فرما کر تشریف لے گئے، کسی کی بھی ہمت نہ ہوئی کہ آ کر مقابلہ کرتا۔ لیکن اس شجاعت اور بہادری کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال پر حیرانگی اور پریشانی کا یہ عالم تھا کہ ننگی تلوار ہاتھ میں لے کر کھڑے ہو گئے اور اعلان کر دیا کہ جو شخص بھی یہ کہے گا کہ حضور کا وصال ہو گیا میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ بلکہ حضور اکرم صلی اللہ وآلہ وسلم زندہ ہیں اور اپنے رب سے ملاقات کے لئے تشریف لے گئے۔

میں لکھ چکا ہوں کہ آپ کے کمالات اجماعی ہیں۔ ایسے بہت سے امور ملیں گے، جو مسلمانوں کے یہاں اجماعی ہیں۔ لیکن بہت کم ایسے واقعات ملیں گے جن پر کافر و مسلم سب ہی متفق ہوں۔ ہاں حضرت عمر کے کارناموں میں اس کی مثالیں تلاش کرنا ہو تو ہزاروں واقعات ملنا بھی مشکل نہیں۔

آپ کی سمجھ ذکاوت، ذہانت بیدار مغزی، انتظام سلطنت، سیاست و رعب و عدل و انصاف آج دشمنوں کی زبان پر جاری ہیں مگر بدیں دبدبہ وہیبت آپ کے زہد و فقر کی نظیریں بھی بکثرت ہیں۔ مثلاً چند واقعات پر اکتفا کرتا ہوں کہ احصاء نہ ممکن نہ ہی پڑھنے کو فرصت۔

آپ کی زندگی باآں جاہ و جلال جو شہرہ آفاق ہے نہایت فقیرانہ تھی۔ کرتے میں تین، تین، چار، چار پیوند ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے تمام کرتے کے پیوند شمار کئے تو چودہ تھے۔ بسا اوقات پیوند لگانے کے لیے کوئی کپڑا نہ ملتا تو چمڑے کے ٹکڑے ہی کا پیوند لگا لیا جاتا۔ ایک مرتبہ دونوں مونڈھوں کے درمیان چار پیوند لگ رہے تھے۔ حضرت ثابت بن زید فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے سترہ پیوند ان کے لباس میں شمار کئے۔

دستر خوان پر کبھی دو سالن جمع نہ ہونے دیتے تھے۔ ایک مرتبہ صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے سالن ٹھنڈا ہونے کی وجہ سے اس پر گھی ڈال دیا تو آپ ناراض ہوئے کہ

ایک ہی برتن میں دو سالن کر دیئے۔

ایک مرتبہ جمعہ کی نماز کے لیے تشریف آوری میں دیر ہوئی تو تاخیر کی یہ معذرت فرمائی کہ کپڑا کوئی اور نہیں تھا اس لیے اسی کو دھویا جس میں دیر لگ گئی۔

ایک بار فرمایا کہ اگر حساب کا خوف نہ ہوتا تو بھنا ہواً وشت کھاتا۔

جن لوگوں کو حج کی زیارت نصیب ہوئی ہے وہ جانتے ہیں کہ عرب میں گرمی اور شدت دھوپ کی کیا حالت ہے مگر حضرت عمر کے لئے مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ تک کسی منزل پر خیمہ وغیرہ نہیں لگایا جاتا تھا۔ کیکر وغیرہ کے سائے میں آپ کے لئے چمڑا بچھا دیا جاتا اسی پر آرام فرمالیتے۔

آپ کے زمانے میں ایک مرتبہ قحط پڑا اور نو ماہ تک رہا۔ اس پر آپ نے گھی اور گوشت کھانا ترک فرمادیا کہ غرباء کو تو میسر نہ ہو اور میں کھالوں۔ اور قسم کھائی زیتون کے تیل کے سوا کسی چیز سے روٹی نہیں کھاؤں گا حتیٰ کے زیتون کا تیل بکثرت استعمال کرنے کی وجہ سے چہرے انور پر اثر آ گیا تھا اور اسی قحط میں دعا فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ میرے ہاتھوں امت کو ہلاک نہ فرما۔ گھروں میں جا کر لوگوں سے ان کی ضروریات دریافت فرماتے اور تاکید کرتے کہ اپنی ضرورتوں کو مجھ سے بیان کیا کرو۔ رونے کی یہ حالت تھی کہ گریہ وزاری کی وجہ سے چہرہ پر آنسوؤں کی دو سیاہ لکیریں بن گئی تھیں۔ نماز میں خوف سے اس قدر رویا کرتے تھے کہ پیچھے تین صفوں تک رونے کی آواز جایا کرتی تھی۔ قرآن پاک کی تلاوت میں بعض آیات پر رونے سے اتنا غلبہ ہوتا تھا کہ روتے روتے دم گھٹنے لگتا تھا۔ بعض مرتبہ گر جایا کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کاش میں بجائے آدمی ہونے کے ایک بکرا ہوتا کہ مجھے ذبح کر کے کھالیا جاتا۔ بسا اوقات ایک تنکا ہاتھ میں لے کر فرماتے کاش میں یہ تنکا ہوتا۔ کبھی فرماتے کاش میری ماں نے مجھے جنا ہی نہ ہوتا ہے۔

لوگوں سے فرمایا کرتے تھے کہ تمہاری دنیا کو نقصان پہنچ جائے اس سے بہتر ہے کہ تمہاری آخرت کو نقصان پہنچے۔ یتیموں اور بیواؤں کے لئے چمڑے کے تھیلہ میں آٹا بھر کر اپنی کمر پر لاد کر لے جاتے اگر کوئی درخواست کرتا کہ میں اٹھالوں تو فرماتے قیامت کے دن میرے

گناہوں کو کون اٹھائے گا۔

آپ کا مقولہ تھا کہ کاش میں دنیا سے ایسی حالت میں جاؤں کہ وہاں نہ مجھے کوئی اجر ملے نہ مجھ سے کوئی مطالبہ ہو۔

ابتدا میں مزاج میں بہت سختی تھی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ابتداء خلافت فاروقی میں لوگوں نے گھروں سے نکلنا چھوڑ دیا تھا۔ یہ دیکھ کر آپ نے ایک طویل خطبہ دیا۔ اس میں فرمایا لوگو! میں اس وقت تک نرم تھا جب تک تم میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر جیسے نرم اور مہربان تھے، میری سختی اور ان کی نرمی دونوں مل کر اعتدال پیدا کر دیا کرتی تھیں مگر اب میں تم پر تشدد نہ کروں گا، بلکہ میری سختی صرف ظالموں کے لئے ہے۔ اے لوگو! اگر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور حضرت ابوبکر کی سیرت کی مخالفت کر کے کوئی حکم دوں تو تم کیا کرو گے؟ جب کئی مرتبہ یہ جملہ ارشاد فرمایا تو ایک آدمی تلوار لے کر کھڑا ہوا اور ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا فعلنا ھٰکذا یعنی ہم تلوار سے سر اڑا دیں گے۔ اس جملے سے آپ پر ذرہ بھر اثر نہ ہوا بلکہ خوش ہوئے۔ جب ملک شام گئے تو بوسیدہ لباس زیب تن فرما رکھا تھا جس میں کئی پیوند لگے ہوئے تھے۔ عرض کیا گیا کہ آج یہود و نصاریٰ کے بڑے بڑے علماء زیارت کرنے آئیں گے ان کو کیا خیال گزرے گا؟ فرمایا ہمیں اللہ نے اسلام کے ذریعہ عزت دے رکھی ہے، لباس سے ہماری عزت نہیں ہوتی۔

یہ واقعات ہیں آپ کے زہد کے، اللہ کے ساتھ خوف کے اور اس کی قدرت کاملہ پر ایمان کے۔ ورنہ جنت کی بشارت حضور کی زبان مبارک سے بہت پہلے سن چکے تھے اور اس مبشر بالجنۃ ہونے کے باوجود خوف حق کا اس قدر غلبہ تھا کہ حضرت حذیفہ سے یہ دریافت فرمایا کرتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو میرا نام منافقین میں نہیں فرمایا۔ کیونکہ حضرت حذیفہ کو حضور نے منافقین کے نام بتلا رکھے تھے۔

انتقال:

فجر کی نماز میں ابولولو مجوسی نے آپ پر حملہ کیا۔ زخم کاری لگا جس سے ہر وقت خون بہتا تھا

اور کبھی غفلت بھی ہو جاتی تھی لیکن اس کے باوجود جب نماز کے لیے کہا جاتا تو اسی حالت میں نماز ادا کرتے اور فرماتے اسلام میں اس کا کوئی حصہ نہیں جو نماز چھوڑ دے۔ یکم محرم ۲۴ھ کو انتقال فرمایا۔ انتقال کے وقت آپ کا سر صاجزادہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ران پر رکھا ہوا تھا۔ فرمایا کہ میرا سر زمین پر رکھ دو عرض کیا کہ اگر ران پر ہی رہے تو کیا مضائقہ ہے مگر اصرار کے بعد اپنا سر زمین پر رکھوا لیا اور فرمایا کہ اگر میرا رب مجھ پر رحم نہ فرمائے تو میرے لیے ہلاکت ہے۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلو میں دفن ہوئے۔

خلافت کی کل مدت دس سال چھ ماہ پانچ دن ہوئی، رضی اللہ عنہ وارضاہ

متفرق واقعات

(۱) تواضع کی صفت آپ میں اس قدر تھی کہ اس کا اندازہ کرنے سے عقل انسانی عاجز ہے۔ عرب و عجم کا بادشاہ بلکہ بادشاہوں کا فرمانروا اور اس میں اس قدر تواضع۔

خلیفہ ہونے کے بعد منبر پر جو گئے تو ممبر کے اس زینے پر بیٹھے جس پر حضرت صدیق پاؤں رکھتے تھے۔ لوگوں نے کہا اوپر بیٹھ جائیے تو فرمایا میرے لیے یہی کافی ہے کہ مجھے اس مقام پر جگہ مل جائے جہاں صدیق کے پاؤں رہتے ہوں۔

(۲) ایک روز خطبے میں فرمایا: اے لوگو! عورتوں کا مہر زیادہ نہ باندھا کرو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور صاجزادیوں سے زیادہ اگر ہوگا تو میں اس سے زائد مقدار کو ضبط کر کے بیت المال میں داخل کر دوں گا۔ ایک بڑھیا بول اٹھی کہ آپ کو ایسا کرنے کا کیا حق ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ واتیتم احدٰھن قنطارا فلا تأخذوا منه شیئا (اے شوہرو اگر تم اپنی بیویوں کو بہت سارا مال دے دو تو پھر اس میں سے کچھ واپس نہ لو) بس اس کو سن کر منبر سے یہ کہتے ہوئے اتر آئے کہ کل الناس أعلم من عمر حتى العجائز یعنی سب لوگ عمر سے زیادہ علم رکھتے ہیں حتیٰ کہ بڑھیا بھی۔

(۳) کھانے کا یہ حال تھا کہ اس وقت کوئی ادنیٰ شخص بھی اس کھانے کو بہ رغبت نہ کھا سکتا تھا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین روٹیاں آپ کے لیے آتی تھیں جن میں کبھی روغن زیتون لگا ہوا ہوتا تھا کبھی گھی اور کبھی روٹیوں کے ساتھ دودھ ہوتا تھا اور کبھی کھایا ہوا گوشت جو کوٹ کر ابال لیا جاتا تھا اور کبھی تازہ گوشت بھی ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ عراق سے کچھ مہمان آپ کے پاس آئے جن میں حضرت جریر بن عبداللہ بھی تھے ان لوگوں سے آپ کا کھانا نہیں کھایا گیا۔

لباس کا یہ حال تھا کہ سال بھر میں دو ہی جوڑے بیت المال سے لیتے تھے وہ بھی کسی موٹے اور کُھرے کپڑے کے اور وہ بھی جب پھٹ جائے تو ان میں پیوند لگاتے تھے اور پیوند بھی کبھی چمڑے کے اور کبھی ٹاٹ کے۔

(۴) قیام بیت المقدس کے زمانے میں آپ کا کرتا پشت کی جانب سے پھٹ گیا تو آپ نے کسی کو دیا کہ دھو دے اور پیوند لگا دے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا مگر اس کے ساتھ ایک اور اچھے کپڑے کا نیا کرتا بھی آپ کے لئے بنا دیا گیا اور دونوں آپ کے سامنے پیش کیے گئے آپ نے نئے کرتہ پر ہاتھ پھیر کر فرمایا کہ یہ بہت نرم کپڑا ہے، اور واپس کر دیا اور فرمایا کہ میرا وہی کرتا اچھا ہے اس میں پسینہ خوب جذب ہوتا ہے۔

ایک روز خلافِ معمول گھر میں زیادہ دیر تک رہے جب باہر نکلے تو فرمایا کہ دیر اس وجہ سے ہوئی کہ میرے کپڑے میلے ہو گئے تھے ان کو میں نے دھویا۔ جب وہ خشک ہو گئے تو پہن کر تمہارے پاس آیا ہوں (کوئی دوسرا کپڑا نہ تھا کہ اس کو پہن لیتے)

(۵) ایک مرتبہ تقریباً پچاس صحابہ کرام جو مہاجرین میں سے تھے مسجد نبوی میں جمع ہوئے ان میں باہم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ کے زہد کا تذکرہ تھا۔ کہنے لگے دیکھو تو کسریٰ و قیصر کی سلطنت جس کے قبضہ میں ہے مشرق و مغرب میں جس کا حکم چل رہا ہے۔ عرب و عجم کے وفود جس کے پاس آتے ہیں اور اس کو اس حالت میں دیکھتے ہیں کہ اس کے لباس میں بارہ بارہ پیوند لگے ہوئے ہیں ان سے کہنا چاہئے کہ وہ اس لباس کو بدل دیں، اچھا کپڑا پہنا

کریں کہ عمدہ لباس سے بھی ایک ہیبت ہوتی ہے اور کھانے کا بھی کوئی عمدہ انتظام کیا جائے، دونوں وقت وسیع خوان بچھا کرے اور مہاجرین وانصار جو ان سے ملنے آتے ہیں وہ ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہوا کریں، لیکن کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ حضرت فاروق سے کچھ کہتا آخر سب کی رائے ہوئی کہ حضرت علی سے کہنا چاہیے وہ ان کے خسر ہیں وہ ان سے کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ سب لوگ حضرت علی کے پاس گئے حضرت علی نے فرمایا میں ایسی بات ان سے نہ کہوں گا۔ امہات المومنین سے کہلوانا چاہیے۔

احنف بن قیس کہتے ہیں کہ پھر وہ لوگ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے۔ دونوں ایک ہی جگہ مل گئیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اچھا میں کہوں گی۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ وہ مانیں گے نہیں، مگر لوگوں کے اصرار سے دونوں ام المؤمنین تشریف لے گئیں اور بڑی اچھی تمہید کے ساتھ حضرت فاروق سے اس بارے میں گفتگو کی۔ آپ سن کر رونے لگے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تنگی معیشت ذکر کر کے ان دونوں کو بھی رلایا اور فرمایا کہ سنو! میرے دو صاحب تھے میں نے ان کو جس حالت میں دیکھا ہے اگر میں اس حالت کے خلاف اختیار کروں تو پھر مجھ کو ان کا ساتھ نصیب نہیں ہوسکتا۔ یہی حالت حضرت فاروق کی اخیر وقت تک رہی ذرا تغیر نہ ہونے دیا۔

(۶) حضرت ابوموسیٰ اشعری نے ایک روز بیت المال میں جھاڑو دی تو ایک درہم ملا انہوں نے حضرت عمر کے پوتے کو جو بالکل بچے تھے دے دیا۔ آپ نے بچے کے ہاتھ میں درہم دیکھ کر پوچھا تو انہوں نے کہا کہ مجھے ابوموسیٰ نے دیا ہے۔ اس پر بہت ناخوش ہوئے اور وہ درہم واپس کر کے حضرت ابوموسی سے فرمایا کہ ابوموسی ہمارے گھر سے زیادہ کوئی گھر تم کو ذلیل معلوم نہیں ہوا۔

ایسا ہی ایک واقعہ آپ کی پوتی کا بھی ہے کہ وہ درہم کو منہ میں رکھ کر روتی ہوئی بھاگیں۔ مگر آپ نے منہ میں انگلی ڈال کر درہم نکال لیا۔

(۷) اخیر میں پے در پے روزے رکھا کرتے تھے سوا ان پانچ دنوں کے جن میں روزہ حرام ہے کسی دن ناغہ نہ کرتے تھے۔ حج کے لیے اپنے خلافت کے پہلے سال یعنی ۱۳ھ میں تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو امیر بنا کر بھیجا تھا اور اس کے بعد پھر ہر سال خود تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اپنی خلافت میں دس حج کیے اور ۲۳ ہجری میں جو ان کی خلافت کا آخری سال تھا ازواج مطہرات کو بھی حج کرانے لے گئے تھے۔ (طبقات جلد ۳) عمر نے اپنی خلافت میں تین حج ادا کیے۔ ایک رجب ۱۷ھ، دوسرا رجب ۲۱ھ، تیسرا رجب ۲۲ھ میں۔ (طبقات)

(۸) خشیت الٰہی اور خوف آخرت کی یہ حالت تھی کہ شاید اس صفت میں کوئی ان کا مساوی نکلے۔ ایک روز سورہ اذا الشمس کورت تلاوت کر رہے تھے جب اس آیت پر پہنچے واذا الصحف نشرت تو بے ہوش ہو کر گر پڑے اور کئی دن تک ایسی حالت رہی کہ لوگ عیادت کو آتے تھے۔ ایک دن کسی گھر کی طرف گزر ہوا وہ شخص نماز میں سورہ والطور پڑھ رہا تھا جب وہ اس آیت پر پہنچا ان عذاب ربک لواقع ۔ تو سواری سے اترے اور دیوار سے ٹیک لگا کر دیر تک بیٹھے رہے اس کے بعد اپنے گھر آئے تو ایک مہینے تک بیمار رہے ۔ لوگ دیکھنے کو آتے تھے اور بیماری کسی کی سمجھ میں نہ آتی تھی۔

(از واقعہ نمبر ۱ تا واقعہ نمبر ۸ منقول از کتاب خلفائے راشدین)

(۹) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مقام پر لشکر بھیجا اس لشکر کے سردار ساریہ نامی ایک شخص تھے جب وہ لشکر وہاں پہنچا اور مقابلہ ہوا تو دشمن نے دھوکہ دینے کی یہ تدبیر نکالی کہ ایک پہاڑ کی کھو میں کچھ لوگ متعین کر دیئے تاکہ عین موقع پر کام دیں۔ جب لڑائی شروع ہوگئی تو قریب تھا کہ حضرت ساریہ دھوکہ کھا جائیں اور مغلوب ہو جائیں اتنے میں آواز آئی یا ساریۃ الجبل یا ساریۃ الجبل یعنی اے ساریہ پہاڑ کی طرف سے ہوشیار رہو یہ آواز سن کر وہ ہوشیار ہو گئے۔ یہ آواز حضرت عمر نے جمعہ کا خطبہ پڑھتے ہوئے دی تھی جس کو انہوں نے سیکڑوں میل

(۱۰) حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں رات کو گشت فرمایا کرتے تھے اور پہرہ دیا کرتے تھے ایک مرتبہ شب میں چلتے چلتے تھک گئے تو ایک دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ اس وقت سنا کوئی عورت اپنی لڑکی سے کہہ رہی تھی کہ دودھ میں پانی ملا دے۔ لڑکی نے جواب دیا اماں جان آپ کو معلوم نہیں کہ امیر المؤمنین کا کیا حکم ہے؟ ماں نے کہا کیا حکم ہے، کہا امیر المومنین نے اعلان کرایا ہے کہ کوئی شخص دودھ میں پانی نہ ملائے۔ ماں نے کہا کہ پانی ملا دے یہاں پر تجھے نہ عمر دیکھ رہے ہیں اور نہ ہی ان کا کوئی منادی۔ لڑکی نے کہا خدا کی قسم میں ایسا ہرگز نہ کروں گی کہ سامنے تو امیر المومنین کی اطاعت کروں اور ان کے پیچھے ان کی نافرمانی۔

(۱۱) ایک مرتبہ حضرت عتبہ ابن فرقد نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کی غذا کی نسبت کچھ کہا۔ آپ نے فرمایا تجھے افسوس ہے کیا میں اپنے حصے کے نعمت دنیا میں کھالوں اور اس سے فائدہ بھی حاصل کرلوں۔

(۱۲) حضرت عبید اللہ ابن عمران ابن حفص فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پانی کی مشک بھر کر اپنے کندھے پر اٹھائی اس کے متعلق لوگوں نے کچھ کہا تو فرمایا مجھے اپنا نفس اچھا نظر آنے لگا اسلئے میں نے اس کو ذلیل کرنا چاہا۔

(۱۳) ایک مرتبہ حضرت عمر کا کوئی لڑکا کنگھی کر کے اور عمدہ کپڑا پہن کر آپ کے پاس آیا آپ نے اسے یہاں تک درے سے مارا کہ وہ رونے لگا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا کہ آپ نے اسے کیوں مارا؟ فرمایا میں نے دیکھا کہ وہ اپنے نفس پر اترا رہا تھا۔ میں نے چاہا کہ اس کے نزدیک اس کا نفس ذلیل وخوار ہو جائے۔

(۱۴) حضرت عباس فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر کے انتقال سے ایک سال بعد اللہ تعالی سے سوال کیا کہ انہیں مجھے خواب میں دکھلا دے۔ چنانچہ ایک سال بعد میں نے انہیں دیکھا تو وہ اپنی پیشانی سے پسینہ صاف کر رہے تھے میں نے کہا۔ میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں اے امیر المومنین تمہاری کیا حالت ہے فرمایا ابھی ابھی فارغ ہوا ہوں۔ قریب تھا

کہ عمر کا تختہ ٹوٹ جاتا اور ویران ہو جاتا مگر میں نے اللہ کو بڑا رحیم پایا۔

(۱۵) ایک مرتبہ ایک مست آدمی کو دیکھ کر چاہا کہ اس کو سزا دیں اس نے آپ کو برا بھلا کہا۔ آپ لوٹ آئے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ نے برا کہنے پر اس کو کیوں چھوڑ دیا؟ فرمایا اس کے برا بھلا کہنے کی وجہ سے مجھے اس پر غصہ آیا۔ اگر میں اس کو مارتا تو اپنے نفس کے غصے کا بھی لگاؤ رہتا اور مجھ کو یہ اچھا نہیں لگتا کہ کسی مسلمان کو اپنے نفس کی حمیت وغیرت کی وجہ سے ماروں۔

(۱۶) جب کسی آدمی کے بدن پر باریک کپڑے دیکھتے تو اپنا درہ لے کر اس کی پٹائی شروع کر دیتے اور فرماتے کہ یہ باریک کپڑے عورتوں کے لئے رہنے دو۔

(۱۷) حضرت عمر کی مشہور دعا ہے کہ اے اللہ اپنے پاک رسول کے شہر میں مجھے موت عطا فرما اور اپنے راستے کی شہادت عطا فرما۔

یہ چیز موجب حیرت تھی کہ مدینہ منورہ جو اسلام کا دارالخلافہ ہے اس میں شہادت کس طرح مل سکتی ہے مگر دل سے نکلی ہوئی دعا کو مسبب الاسباب کے لیے پورا کرنا کیا مشکل تھا کہ عین نماز کے وقت مصلے پر جاں نثاروں کے درمیان میں شہادت عطا فرمائی۔

(۱۸) ایک مرتبہ سیدالکونین صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرہ کرنے کی اجازت چاہی تو آپ نے اجازت دے کر ارشاد فرمایا اے میرے بھائی مجھے بھی دعا میں یاد رکھنا۔

(۱۹) حضرت عمر کی عادت شریفہ تھی کہ درہ لے کر مذبح میں تشریف لے جاتے اور جس کو دیکھتے کہ متواتر دو روز تک گوشت خریدنے آ رہا ہے تو اس کی درے سے خبر لیتے اور فرماتے کہ اپنے پیٹ کو اپنے پڑوسی اور رشتے داروں کے لیے خالی نہیں رکھا جاتا مطلب یہ ہے کہ پڑوسیوں کی بھی ضرورت پوری کرتے رہا کرو ہر وقت اپنے ہی پیٹ کے دھندے میں نہ لگے رہا کرو۔

(۲۰) فرمایا کرتے تھے کہ اگر حساب کا خوف نہ ہوتا تو بھنا ہوا بکرا کھاتا۔

بسا اوقات کسی چیز کے کھانے کو دل چاہتا تو اس کو ایک ایک سال تک ٹالے رکھا کرتے تھے۔

(۲۱) جب کسی کوڑی پر گزر ہوتا تو فرماتے یہ ہے تمہاری وہ دنیا جس کی حرص میں تم مرے جاتے ہو اور اس پر ریجھتے ہو۔ (از نمبر ۱۷ تا نمبر ۲۱ منقول از طبقات شعرانی (ش)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

یہ خلیفہ ثانی کے بعد تیسرے خلیفہ ہیں جو اہل مشورہ کی قرارداد کے مطابق غرہ محرم سن ۲۴ ھ شنبہ کے روز مسند خلافت پر مستقر و متمکن ہوئے۔

حافظ نے اصابہ میں لکھا ہے کہ واقعہ فیل سے چھ سال بعد آپ کی پیدائش ہوئی یہی قول صحیح ہے۔ حضرت ابوبکر کی تحریک سے مشرف باسلام ہوئے۔ اسلام قبول کرتے ہی نبی اکرم صلی اللہ و آلہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت رقیہ کا نکاح آپ سے کیا۔

آپ کا اسم مبارک عثمان تھا اور لقب ذوالنورین اور یہ لقب اس لئے تھا کہ دو نور آپ کے نکاح میں جمع ہوئے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیوں رقیہ اور حضرت ام کلثوم سے یکے بعد دیگرے آپ کا نکاح ہوا۔ حضرت عثمان کے علاوہ کوئی شخص ایسا نہیں جس کے نکاح میں کسی نبی کی دو بیٹیاں آئی ہوں۔ جب حضرت رقیہ کی وفات ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ ام کلثوم کا نکاح عثمان سے کر دوں۔ جب حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بھی سن ۹ ہجری میں انتقال ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ میری اگر کوئی اور بیٹی ہوتی تو میں اس کا نکاح بھی عثمان سے کر دیتا۔

سلسلہ نسب:

آپ کا سلسلہ نسب اس طرح سے ہے۔ عثمان ابن عفان ابن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عبد مناف پر آپ کا نسب جا ملتا ہے۔ اس طرح پر کہ عبد مناف کے دو لڑکے تھے۔ ایک کی اولاد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور دوسرے لڑکے کی اولاد میں حضرت عثمان۔

حیا و شرم کا مصدر و مخزن آپ کی ذات تھی۔ بند مکان میں غسل کرتے وقت بھی حیا کی وجہ

سے آپ کا کپڑا نہیں اترتا تھا۔ حضرات شیخین کے سامنے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بے تکلف تشریف فرما رہتے تھے۔ لیکن حضرت عثمان کی تشریف آوری پر ان کی حیا کی وجہ سے حضور کو اپنے کپڑوں کا بھی اہتمام ہوتا تھا۔

کثرت تلاوت، کثرت عبادت آپ کا خاص حصہ تھا۔ ہمیشہ روزہ رکھتے۔ جس روز شہید ہوئے اس دن بھی روزہ تھا۔ تمام رات تلاوت فرماتے تھے۔ شب کے اول حصے میں تھوڑی سی دیر سوتے۔ ایک رکعت میں پورا قرآن مجید ختم فرمالیا کرتے تھے، باوجود نہایت مالدار ہونے کے آپ کا لباس اکثر نہایت معمولی ہوتا تھا۔ لنگی چار، پانچ درھم کی ہوتی تھی۔ ایک درہم تقریباً ساڑھے تین آنے کا ہوتا ہے لیکن صدقہ وخیرات کرنے میں بڑا کشادہ دل رکھتے تھے۔ معمول تھا کہ ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد فرماتے۔ اگر کسی جمعہ کو اس معمول میں فرق آجاتا تو اگلے جمعہ کو اس کی قضاء فرماتے

مالی امداد:

غزوہ تبوک میں صحابہ کرام اور خود نبی اکرم صلی اللہ وسلم کو جتنی مشکلات پیش آئیں وہ قریب قریب سب کو معلوم ہیں۔ حتیٰ کہ اس غزوہ کا نام جیش العسرہ مشہور ہوگیا۔ اس موقعہ پر نبی اکرم صلی اللہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس لشکر کے لئے اسباب مہیا کرے گا اس کو جنت ملے گی۔ آپ نے ایک ہزار اشرفیاں لاکر پیش فرمادیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما تھے ان اشرفیوں کو ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں ڈالتے جاتے تھے۔ اور فرماتے جاتے تھے عثمان آج کے بعد کوئی عمل نہ کریں تو کوئی حرج نہیں۔

آپ کے بارے میں حضور کا ارشاد ہے کہ ہر نبی کے لئے کوئی ساتھی ہوتا ہے میرے ساتھی جنت میں عثمان ہوں گے۔

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ عثمان وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کے بعد مع اپنے اہل وعیال کے ہجرت کی۔

ایک غزوہ میں مسلمانوں کی امداد کیلیے بہت کچھ سامان دیا جس میں خوردونوش کی بہت سی

چیزیں تھیں جو کئی اونٹوں پر لدی ہوئی تھیں۔ اس موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی جانب ہاتھ اٹھا کر تین مرتبہ یہ فرمایا۔ اے خدا میں عثمان سے راضی ہوں تو بھی ان سے راضی رہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے پر صحابہ نے بھی یہی دعا مانگی۔

وفات:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کی مدت بارہ دن کم بارہ سال ہوئی اور ذالحجہ ۳۵ھ کو انتہائی مظلومیت کے ساتھ شہید کئے گئے۔ جس وقت شہید ہوئے تلاوت قرآن پاک میں مشغول تھے۔ خون بہہ کر قرآن شریف کی اس آیت پر گرا فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع العلیم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس مظلومانہ شہادت کی اطلاع بہت پہلے سے دے چکے تھے۔ ترمذی شریف کی ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فتنے کے متعلق صحابہ کرام سے ذکر تذکرہ کیا اور حضرت عثمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ اس فتنے میں ظلماً قتل ہوگا۔

ترمذی شریف ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے اس میں حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ قیامت نہ آئے گی یہاں تک کہ تم اپنے امام کو قتل کروگے اور آپس میں ایک دوسرے کا خون بہاؤ گے۔

متفرق واقعات

(۱) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ایک غلام تھا آپ نے اس سے فرمایا میں نے تیرا کان مروڑا تھا اس لیے تو مجھ سے بدلہ لے لے۔ اس نے آپ کا کان پکڑا۔ حضرت عثمان نے فرمایا سختی کر کس قدر اچھا دنیا میں بدلہ ہے کہ اس کے بعد آخرت میں کوئی مواخذہ نہیں۔

(۲) حضرت حذیفہ بن یمان سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کے پاس کسی کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ وہ غزوہ تبوک میں جانے والوں کی امداد کریں۔

حضرت عثمان نے آپ کی خدمت میں دس ہزار اشرفیاں بھیج دیں۔ قاصد نے لاکر حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیں۔ آپ اپنے دست مبارک سے انہیں اوپر نیچے کرتے رہے اور حضرت عثمان کے حق میں یہ دعا فرماتے رہے۔ اے عثمان اللہ تیری مغفرت فرمائے! اللہ تیرے ان گناہوں کو جو تو نے چھپ کر کئے یا کھلم کھلا کیے یا جن کو تو نے مخفی رکھا اور وہ گناہ جو آئندہ تجھ سے قیامت تک سرزد ہوں سب کو معاف فرمائے۔

(۳) ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص کون ہے جو مسلمانوں کے لئے بئر رومہ خرید کر عام مسلمانوں کو اس سے نفع حاصل کرنے کی اجازت دے دے۔ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے قیامت میں اس کو سیراب فرمائیں گے۔ یہ سن کر حضرت عثمان بن عفان نے اس کو پینتیس ہزار درہم میں خرید لیا اور عام مسلمانوں پر وقف فرمادیا۔

(۴) عبداللہ ابن شداد کہتے ھیں کہ میں نے حضرت عثمان کو ان کے زمانہ خلافت میں جمعہ کے دن منبر پر خطبہ پڑھتے ہوئے دیکھا اس وقت جو لباس وہ پہنے ہوئے تھے اس کی قیمت چار، پانچ درہم سے زیادہ نہ ہوگی۔

(۵) حضرت حسن بصری کہتے ہیں کہ میں نے زمانہ خلافت میں حضرت عثمان کو دیکھا کہ مسجد میں لیٹے ہوئے تھے اور سنگریزوں کے نشانات ان کے پہلو میں بن گئے تھے لوگ کہتے تھے کہ امیر المومنین اور اس حالت میں رہتے ہیں؟

(۶) ایک روز ایک شخص حضرت عثمان کے پاس گیا۔ راستے میں کسی اجنبی عورت پر اس کی نظر پڑ گئی آپ نے فرمایا بعض لوگ میرے پاس اس حال میں آتے ہیں کہ ان کی آنکھوں میں زنا کا اثر ہوتا ہے۔ ایک شخص نے کہا کہ کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی نازل ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ فراست ایمانی سے یہ باتیں معلوم ہوجاتی ہیں۔

(۷) فرمایا کرتے تھے کہ بندگی اس کو کہتے ہیں کہ احکام الٰہی کی حفاظت کرے اور جو عہد کسی سے کرے اس کو پورا کرے اور جو کچھ مل جائے اس پر راضی رہے اور جو نہ ملے اس پر صبر کرے۔

(۸) فرمایا کرتے تھے کہ دنیا کی فکر کرنے سے تاریکی پیدا ہوتی ہے اور آخرت کی فکر سے روشنی پیدا ہوتی ہے۔

(۹) فرماتے تھے کہ متقی کی علامت یہ ہے کہ اور سب لوگوں کو تو سمجھے کہ وہ نجات پا جائیں گے اور اپنے آپ کو سمجھے کہ ہلاک ہو گیا۔

(۱۰) فرمایا کرتے تھے کہ سب سے زیادہ بربادی یہ ہے کہ کسی کو بڑی عمر ملے اور وہ سفر آخرت کی کچھ تیاری نہ کرے۔

(۱۱) فرمایا کرتے تھے کہ دنیا جس کے لئے قید خانہ ہو قبر اس کے لئے باعث ہوگی۔

(۱۲) فرماتے تھے کہ اگر تمہارے دل پاک ہو جائیں تو کبھی قرآن شریف کی تلاوت یا سماعت سے سیری نہ ہو۔

(۱۳) امام مالک سے روایت ہے کہ ایک روز حضرت عثمان کا گزر مقام حش کوکب میں ہوا تو آپ وہاں کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ عنقریب کوئی نیک شخص یہاں دفن ہوگا۔ چونکہ سب سے پہلے اس مقام پر حضرت عثمان دفن کئے گئے۔

(۱۴) مہمانوں کو بیت المال سے کھانا کھلاتے اور خود اس میں شرکت نہ فرماتے بلکہ مکان پر پہونچ کر سرکہ سے کھانا کھاتے۔

(۱۵) جب قبرستان پر گذر ہوتا تو خوب روتے، یہاں تک کہ داڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔ کسی نے دریافت کیا کہ آپ جنت و دوزخ کے ذکر سے اتنا نہیں روتے جتنا قبر کے ذکر تذکرہ سے روتے ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سب سے پہلی منزل ہے جو اس سے نجات پا گیا تو اس کے لئے آگے کی ساری منزلیں آسان ہیں اور اگر اس میں نجات نہ ملی تو اگلی منزلیں اس سے بھی سخت ہیں۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد نقل فرمایا کہ میں نے قبر سے زیادہ ہولناک منظر اور کسی چیز کا نہیں دیکھا۔

(۲)..... حضرت علی کرم اللہ وجہہ

۳۵ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد دوسرے دن حضرت علی مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔ آپ ہی کا ذکر خیر اس جگہ مقصود ہے کہ سلاسل چشتیہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض کا ظاہری سلسلہ آپ ہی سے ہے۔

آپ کا نام علی کنیت ابوتراب اور ابوالحسن ہے۔ لقب اسد اللہ ہے۔ آپ کا نسب یہ ہے۔ علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف اور تیسری پشت میں یعنی عبدالمطلب پر جا کر آپ کا نسب حضور کے نسب سے مل جاتا ہے۔ عجیب اتفاق بلکہ عجیب معجزہ ہے کہ نسب کے اعتبار سے جو شخص جتنا دور ہے وہ اتنا ہی خلافت کے اعتبار سے قریب ہے اور نسب کے لحاظ سے جو شخص جتنا قریب ہے۔ خلافت میں اتنا ہی دور ہے۔

حافظ ابن حجر نے اصابہ میں لکھا ہے کہ صحیح قول کے موافق آپ کی ولادت نبوت سے دس ۱۰ سال قبل ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی گود میں پرورش پائی۔ اس لحاظ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اخلاق اور عادات، طاعات وعبادات میں جتنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو تلبیس اور اتصال رہا ہے دوسری جگہ اُس کی نظیر ملنی مشکل ہے اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت علی ان چند خوش نصیبوں میں سے ہیں جنہیں بچپن میں ہی اسلام لانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ قبول اسلام وقت کیا عمر تھی۔ مؤرخین نے آٹھ، نو، دس سال کی عمر کا ہونا بیان کیا ہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے تمام لوگوں سے سات سال قبل نماز پڑھنا شروع کر دی تھی۔

آپ کے مناقب بہت ہی کثرت سے منقول ہیں۔ حضرت امام احمد بن حنبل کا مقولہ ہے کہ حضرت علی کے مناقب جتنے منقول ہیں کسی دوسرے صحابی کے اتنے مناقب منقول نہیں۔ بعض مشائخ نے اس کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ بنوامیہ کے زمانے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے لوگوں کو بغض تھا اس لئے آُس کی تردید کی وجہ سے علمائے حقہ آپ کے مناقب کی

روایات بکثرۃ نقل فرماتے تھے اور اسی وجہ سے امام نسائی وغیرہ کو آپ کے فضائل میں مستقل رسائل تصنیف فرمانے کی ضرورت ہوئی۔

شجاعت بہادری، معرکوں میں گھس جانا آپ کی مخصوص صفات ہیں۔ علوم ظاہریہ و باطنیہ کی نشر و اشاعت آپ کا خصوصی مشغلہ تھا۔

غزوہ خیبر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے حب اللہ اور حب الرسول کا پروانہ ملا۔ جس کی تقریب یہ ہوئی کہ اس غزوہ میں ایک روز حضور نے ارشاد فرمایا کہ کل کو جھنڈا ایسے شخص کو ملے گا جو اللہ اور اس کے رسول کو محبوب رکھتا ہے اور اللہ اور رسول بھی اس کو محبوب رکھتے ہیں۔ اس ارشاد کے بعد باوجود یکہ حضرت علی کی آنکھیں آشوب کرتی تھیں پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلمنے جھنڈا اپ ہی کو مرحمت فرمایا اور اشوب کے لئے اپنا لعاب مبارک لگا دیا جس سے وہ اچھی ہو گئیں۔

خوف وخشیۃ:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ عبادت وطاعت میں خوف وخشیۃ الہٰی میں اپنی نظیر آپ تھے۔ ان کے اس سلسلے کے بہت سے واقعات کتب تواریخ میں موجود ہیں۔ عادت شریفہ تھی کہ جب نماز کا وقت آتا تو بدن میں کپکپی دوڑ جاتی، چہرہ کا رنگ زرد ہو جاتا، دریافت کرنے پر فرمایا کہ یہ اس امانت کی ادائیگی کا وقت ہے۔ جس کو حق تعالیٰ شانہ نے آسمانوں اور زمین و پہاڑ پر اتارا مگر وہ اس کے تحمل سے عاجز ہو گئے اور میں نے اس کا تحمل کیا ہے۔

کمیل کہتے کہ میں ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ چلا وہ ایک قبرستان میں پہنچے اور ایک مقبرہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ اے مقبرہ والو۔ بوسیدگی والو اے وحشت اور تنہائی والو۔ کیا حال ہے۔ ہماری خبر تو یہ ہے کہ تمہارے مرنے کے بعد اموال آپس میں تقسیم کر لئے گئے، اولادیں یتیم ہو گئیں۔ بیویوں نے دوسرے شوہر کر لئے۔ یہ تو ہماری خبر ہے کچھ اپنی بھی کہو۔ اس کے بعد حضرت کمیل کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ اگر ان کو بات چیت کی اجازت ہوتی تو یوں کہتے کہ بہترین توشہ تقویٰ ہے یہ فرما کر خوب روئے اور فرمایا

اے کمیل قبر عمل کا صندوق ہے اور موت کے وقت اپنی زندگی کے کئے ہوئے اچھے اور برے اعمال معلوم ہو جاتے ہیں۔

حادثہ انتقال:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ ۳۵ھ میں خلیفہ بنائے گئے اور تین دن کم پانچ سال خلیفہ رہے۔ ۱۸ رمضان ۴۰ھ کو عبدالرحمٰن ابن ملجم کے ہاتھ سے کوفہ میں شہید ہوئے۔ واقعہ کی اجمالی تاریخ یہ ہے کہ جنگ نہروان کے بعد مکہ معظمہ میں تین خارجیوں کا اجتماع ہوا۔ عبدالرحمٰن بن ملجم، عمرو ابن بکیر، برک بن عبداللہ، ان بدبختوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت معاویہ بن سفیان اور حضرت عمرو بن عاص کو قتل کر دیا جائے۔ ابن ملجم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قتل کی ذمہ داری لی اور عمرو بن بکیر نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی اور برک نے حضرت معاویہ کے قتل کی ذمہ داری اٹھائی۔ ابن ملجم تو اپنی شقاوت آمیز ذمہ داری میں کامیاب ہو کر خسر الدنیا و آلاخرۃ کا مصداق بنا اور وہ دونوں اپنے مقصد میں ناکام ہوئے۔ حضرت علی بہت سویرے مسجد میں تشریف لے جایا کرتے تھے اور راہ میں سونے والوں کو الصلوٰۃ الصلوٰۃ کہہ کر اٹھاتے جاتے تھے۔ ایک رات میں ابن ملجم مسجد کے راستہ میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ جب آپ اس کے قریب کو گزرے تو اس نے پیشانی مبارک پر تلوار ماری جو دماغ کے اندر تک جا پہنچی۔ داڑھی خون سے تر ہوگئی۔ لوگ اس حادثہ کو دیکھ کر دوڑ پڑے۔

ابن ملجم کو پکڑ لیا گیا۔ حضرت علی نے فرمایا اس کو ابھی قتل نہ کرنا۔ اگر میں اچھا ہو گیا تو میں جو چاہے معاملہ اپنے اختیار سے کروں گا۔ اور اگر انتقال کر گیا تو جس طرح اس نے ایک ضرب میرے لگائی ہے تم بھی لگا دینا۔ آپ کے انتقال کے بعد ابن بلجم کو بیدردی سے قتل کر دیا گیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس بدنما واقعہ کی اطلاع بہت پہلے دے چکے تھے۔

ایک مرتبہ خود حضرت علی سے فرمایا تھا، اے علی پہلی امتوں میں سب سے زیادہ شقی وہ تھا

جس نے حضرت صالح کی اونٹنی کے پاؤں کاٹے تھے اور پچھلوں میں سب سے زیادہ شقی وہ ہے جو تمہاری داڑھی کو تمہارے سر کے خون سے رنگین بنا دے گا۔

متفرق واقعات

(۱) حضرت علی فرماتے ہیں کہ ہم پر کئی دن ایسے گذرے کہ نہ تو ہمارے پاس کھانے کے لئے کوئی چیز تھی اور نہ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھی۔ میں چلا جا رہا تھا کہ راستہ میں ایک دینار پڑا ہوا ملا۔ تھوڑی دیر تو میں نے سوچا کہ اسے اٹھاؤں یا نہ اٹھاؤں۔ آخر کار میں نے اسے اٹھالیا۔ کیونکہ میں اس وقت بڑی تنگی میں تھا اس کو لے کر بازار گیا اور آٹا خرید کر حضرت فاطمہ کے پاس لے گئے۔ اور ان سے روٹی پکانے کو کہا۔ انہوں نے آٹا گوندھنا شروع کر دیا۔ مگر بھوک کی وجہ سے ان کی کمزوری کا یہ حال تھا کہ ان کی پیشانی کے بال آٹا گوندھنے کے برتن تک پہونچ رہے تھے۔ بہرحال انہوں نے روٹی پکائی۔ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور اس واقعہ کی اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا اس کو کھالو کہ یہ اللہ تعالیٰ نے تم کو رزق دیا ہے۔

(۲) حضرت قیس بن ابی حازم فرماتے ہیں کہ حضرت علی نے فرمایا کہ عمل کی بہ نسبت عمل کے مقبول ہونے کی طرف تقویٰ کے ذریعہ سے زیادہ کوشش کیا کرو۔ تقویٰ کے ہوتے ہوئے کوئی عمل بھی تھوڑا نہیں کہا جا سکتا اور وہ عمل تھوڑا کس طرح ہو سکتا ہے جو قبول کر لیا جاوے۔

(۳) فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص اللہ کی تقدیر پر راضی ہو گیا تو تقدیر تو اس پر جاری ہو ہی جائے گی اور اس رضامندی کا اس کو اجر ملے گا اور جو تقدیر الٰہی پر راضی نہ ہو تو تقدیر تو اس پر جاری ہو کر رہے گی۔ لیکن ایسے شخص کا عمل ضائع ہو جائیگا۔

(۴) فرمایا کرتے تھے کہ دنیا مردار ہے اور اس کے چاہنے والے کتے ہیں لہٰذا جو اس دنیا میں سے کچھ لینا چاہے وہ کتوں کے ساتھ ملا جلا کرے۔

علامہ شعرانی نے حضرت علی کے اس مقولہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس دنیا سے

مراد وہ چیزیں ہیں جو حاجات ضروریہ سے زائد ہوں اور جو چیزیں حاجت اور ضرورت کی ہیں وہ اس میں داخل نہیں۔ (طبقات)

(۵) فرمایا ایک مرتبہ میرے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت اہتمام سے یہ فرمایا تھا کہ اے علی تمہارے بارے میں دو فریق ہلاک ہوں گے۔ ایک وہ فریق جو محبت میں افراط اور زیادتی کرے گا اور ان باتوں پر میری تعریف کرے گا۔ جو مجھ میں نہیں اور دوسرا فریق وہ ہلاک ہوگا جو مجھ سے بغض رکھے گا اور میرے سے عداوت رکھنے کی بناء پر مجھ پر بہتان رکھے گا۔ (مشکوٰۃ شریف)

(۳)...... حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

نام مبارک حسن اور کنیت ابو سعید تھی۔ اس کے علاوہ آپ کی دو کنیتیں اور بھی بتلائی جاتی ہیں ابو محمد اور ابو النصر، آپ کے والد کا نام یسار تھا جو حضرت زید بن ثابت کے مولی تھے اور والدہ کا نام بی بی خیرہ تھا جو حضرت ام سلمہ کی باندی تھیں۔

آپ کے والد ۱۲ھ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے۔

ولادت:

آپ کی ولادت حضرت عمر کے دور خلافت میں وصال فاروقی سے دو سال قبل مدینہ منورہ میں ہوئی۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت حسن بصری جب پیدا ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لائے گئے۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے ان کے منہ میں کھجور کا لعاب ٹپکایا اور فرمایا سموہ حسنا فانہ حسن الوجہ یعنی اس (بچہ) کا نام حسن رکھو کیونکہ خوبصورت چہرہ والا ہے۔

آپ کی تربیت ونگہداشت میں ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بڑا حصہ ہے۔

حضرت ابوزرعہ فرماتے ہیں کہ حسن بصری علی کے ہاتھ پر چودہ سال کی عمر میں بیعت

ہوئے۔اس کے بعد حسن بصری کوفہ اور بصرہ کی طرف چلے گئے۔

آپ کے تین فرزند علی، محمد اور سعید تھے۔اسی بناء پر آپ کی تین کنیتیں مشہور ہیں۔حسن بصری ان تمام صفات سے متصف تھے جو ایک ولی کامل میں ہوتی ہیں۔علم وعمل میں ان کا کوئی ہمسر نہیں تھا۔مسلمانوں کا ایک بہت بڑا دینی طبقہ ان کی تعریف اور مدح وستائش میں رطب اللسان رہا ہے۔حجاج بن ارطاۃ کہتے ہیں کہ میں نے عطاء بن رباح سے حسن بصری کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ تم اس شخص کو مضبوطی سے پکڑ لو۔وہ بڑے امام ہیں ان کی پیروی کی جاتی ہے۔حماد بن سلمہ، یونس بن عبید اور حمید طویل سے نقل کرتے ہیں کہ ہم نے فقہاء بہت دیکھے ہیں، لیکن حسن بصری جیسا مروت والا کسی اور کو نہیں دیکھا۔ حضرت اعمش فرمایا کرتے تھے کہ حسن بصری ہمیشہ حکمت جمع کرتے رہے پھر اس کو کہنا شروع کیا۔

امام باقر فرمایا کرتے تھے کہ حسن بصری کا کلام انبیاء کے مشابہ ہوتا ہے۔آپ ہمیشہ باوضو رہا کرتے تھے۔ایک مرتبہ رات کو ستر مرتبہ سے زائد بیدار ہوئے اور ہر مرتبہ وضو فرما کر دو رکعت نماز پڑھی۔

اوصاف حمیدہ:

حضرت حسن ورع وپرہیز گاری اور زہد وتقویٰ میں بیمثال تھے۔فرمایا کرتے تھے کہ تقویٰ اور پرہیز گاری دین کی بنیاد ہے۔لالچ اور حرص اس بنیاد کو ختم کر دیتے ہیں۔

سنت نبوی کے ساتھ والہانہ اور عاشقانہ تعلق رکھتے تھے۔زائد سے زائد اتباع سنت کا لحاظ فرماتے۔دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتے۔خوف وخشیت حد درجہ آپ میں موجود تھا۔ بسا اوقات فرمایا کرتے تھے کہ اس خوف سے روتا ہوں کہ کہیں کوئی ایسا قصور نہ مجھ سے سرزد ہو گیا ہو جس کی وجہ سے حق تعالیٰ یہ فرما دیں کہ اے حسن ہماری درگاہ میں تمہارا کچھ مرتبہ نہیں رہا اور اب ہم تمہاری کوئی عبادت قبول نہیں کرتے۔

ایک مرتبہ کسی جنازہ کے ہمراہ قبرستان تشریف لے گئے۔تدفین کے بعد آپ قبر کے

سرہانے پر بیٹھ کر خوب روئے۔ پھر فرمایا۔ اے لوگو! خبردار ہو جاؤ۔ دنیا کی انتہا اور آخرت کی ابتدا یہی قبر ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سے ایک منزل ہے۔ لہٰذا ایسی دنیا سے کیوں محبت رکھتے ہو جس کا انجام یہ قبر ہے اور اس قیامت سے کیوں نہیں ڈرتے جس کی ابتداء یہ قبر ہے آپ کی یہ نصیحت کچھ ایسے درد بھرے الفاظ میں تھی کہ سارا ہی مجمع رونے لگا۔ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی شخص مرجاتا ہے اور اس کے گھر والے رونا شروع کرتے ہیں تو ملک الموت اس مکان کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہتے ہیں کہ میں نے اس کی روزی نہیں کھالی۔ یہ اپنی روزی ختم کر چکا تھا میں نے اس کی عمر کم نہیں کی۔ مجھے تو اس گھر میں پھر آنا ہے اور بار بار آنا ہے اتنے سب ختم نہ ہو جائیں۔ پھر فرمایا خدا کی قسم! اگر گھر والے اس وقت اس فرشتہ کو دیکھ لیں اور اس کی بات سن لیں تو مردہ کو بھول کر اپنی فکر میں پڑ جائیں۔

تواضع وانکساری آپ میں بہت تھی۔ ہمیشہ اپنے آپ کو ایک معمولی آدمی بلکہ اس سے بھی کمتر سمجھا۔ ایک دفعہ کسی شخص نے دریافت کیا کہ حسن تم بہتر ہو یا تمہارے مقابلہ میں ایک کتا بہتر ہے۔ بسا اوقات کسی کتے کو دیکھ کر فرماتے کہ اے اللہ مجھے اس کتے کے صدقے میں قبول فرمالے۔

ان کا ارشاد ہے کہ آدمی سے جب تہجد چھوٹتا ہے تو کسی گناہ کی وجہ سے چھوٹتا ہے۔ شروع رات میں اپنے نفس کا محاسبہ کیا کرو اور دن میں اگر کوئی گناہ ہو جائے تو توبہ کر لیا کرو تاکہ تہجد نصیب ہو۔ ان کا یہ بھی ارشاد ہے کہ تہجد اس شخص پر گراں ہوتا ہے جس کے گناہ زیادہ ہوتے ہیں۔ (تنبیہ المغترین)

حضرت حسن بصری کو حق تعالیٰ شانہ نے تقریر کرنے کا بڑا ملکہ عطا فرمایا تھا ہفتہ میں ایک بار وعظ ہوتا تھا۔ عوام کی بہت بڑی تعداد آپ کا وعظ سننے کے لئے جمع ہوا کرتی تھی جس میں اپنے اپنے زمانے کے صلحاء واتقیا تک شریک ہوا کرتے تھے۔

لیکن ایک خاص دستور آپ کا یہ تھا کہ جس وعظ میں حضرت رابعہ بصریہ شریک نہ ہوتیں

آپ بھی وعظ نہ فرماتے۔ لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی فرمایا جو شربت ہاتھیوں کے برتن میں آتا ہو اس کو چیونٹی کے برتن میں کیسے بھرا جا سکتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جب بصرہ میں تشریف لائے تو حسن بصری کی محفل میں تشریف لے جا کر دریافت کیا کہ حسن تم عالم ہو یا طالب علم۔ فرمایا کچھ بھی نہیں ہاں جتنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچا ہے اس کو بتلا دیا ہوں۔ حضرت علی نے فرمایا یہ جوان وعظ کہنے کے لائق ہے۔ یہ فرما کر وہاں سے روانہ ہو گئے اور تمام واعظوں کو وعظ کہنے کی ممانعت کر دی۔

واقعات اور ارشادات

کتب تواریخ میں آپ کے بہت سے واقعات اور ارشادات موجود ہیں۔ جن میں سے چند جو اس کتاب کے موضوع کے مناسب ہیں یہاں تحریر کئے جاتے ہیں۔

(۱) ایک مرتبہ حضرت حسن بصری سے کسی نے کہا کہ یہاں ایک شخص ہے جو ہمیشہ تنہا رہتا ہے۔ ایک دن حسن بصری اس سے ملنے گئے۔ اور فرمایا تم خلوت پسند آدمی معلوم ہوتے ہو؟ لوگوں سے کیوں ملاقات نہیں کرتے۔ کہا کہ ایک کام میں مشغول رہتا ہوں اس وجہ سے لوگوں سے ملنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ فرمایا۔ یہاں حسن بصری رہتے ہیں ان سے ضرور ملاقات کیا کرو۔ ان کے پاس جاتے رہا کرو۔ کہنے لگا جس کام کی وجہ سے اور لوگوں سے نہیں ملتا حسن بصری سے بھی نہیں مل سکتا۔ دریافت کیا کہ وہ کونسا کام ہے۔ کہنے لگا جب صبح کرتا ہوں تو اللہ کی نعمتیں اور اپنے گناہوں کو دیکھتا ہوں۔ پس نعمتوں کا شکر اور گناہوں سے توبہ کرتا رہتا ہوں۔ فرمایا تو تو حسن بصری سے بھی زیادہ سمجھدار ہے۔ پس اپنے ہی کام میں مشغول رہنا۔

(۲) حضرت حسن بصری نے ایک نوجوان آدمی کو دیکھا کہ ہنسنے میں مشغول ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تو پل صراط پر کو گذرا ہے اس نے عرض کیا کہ نہیں۔ آپ نے پوچھا کہ تجھے معلوم ہے کہ تو جنت میں جائے گا یا دوزخ میں۔ اس نے عرض کیا نہیں، آپ نے فرمایا کہ پھر یہ ہنسی

کیسی ہے۔ راوی کہتا ہے کہ اس قصہ کے بعد اس کو کسی نے ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔

(۳) فرمایا کرتے تھے کہ دوزخ میں سے ایک شخص ایک ہزار سال بعد نکلے گا کیا ہی اچھا ہو کہ وہ آدمی میں ہی ہوں۔

(۴) فرمایا کرتے تھے کہ اللہ جل شانہ کسی بندہ کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو اہل وعیال میں مشغول نہیں ہونے دیتے۔ (یہاں یہ بات خاص طور سے یاد رکھنے کی ہے کہ اہل وعیال کے حقوق کی ادائیگی اور چیز ہے اور ان میں مشغول ہونا دوسری چیز ہے۔)

(۵) فرمایا کرتے تھے کہ تواضع کی شرط یہ ہے کہ جب آدمی گھر سے نکلے تو جس کو بھی دیکھے اپنے سے افضل سمجھے۔

(۶) فرمایا کرتے تھے کہ، جب آدمی سے گناہ ہو جائے اور پھر وہ سچی توبہ کرلے تو پھر اس توبہ سے اللہ تعالیٰ شانہ کے یہاں تقرب میں زیادتی ہوتی ہے۔

(۷) ایک شخص نے اپنے دل کی سختی کی شکایت کی تو فرمایا کہ ذکر کی مجلسوں میں شریک ہوا کروں۔

(۸) فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے ان اکابر کو پایا ہے کہ جو حلال چیزوں میں بھی اتنی بے رغبتی فرمایا کرتے تھے جتنی تم حرام چیزوں میں بھی بے رغبتی نہیں کرتے۔

(۹) فرمایا کرتے تھے کہ لالچ عالم کو عیب دار بنا دیتا ہے۔ قسم کھا کر فرمایا کرتے تھے کہ جو آدمی بھی روپیہ پیسہ کو عزیز سمجھتا ہے اس کو اللہ ذلیل کر دیتا ہے۔

(۱۰) فرمایا کرتے تھے کہ دنیا تیرے لئے ایک سواری ہے اگر تو اس پر سوار ہوگا۔ جب تو وہ تجھ کو منزل تک پہنچا دے گی۔ لیکن اگر وہ تجھ پر سوار ہو گئی تو تجھ کو ہلاک و برباد کر دے گی۔

(۱۱) فرمایا کرتے تھے کہ اگر تیری کسی سے دشمنی ہو جائے اور وہ اللہ کا مطیع اور اس کا فرماں بردار ہو تو اس کے ساتھ دشمنی کرنے سے بچنا۔ کیونکہ اس کو اللہ تیرے حوالہ نہیں کرے گا اور اگر وہ گنہگار ہے تو وہ اپنے کئے ہوئے کو خود دیکھ لے گا لہٰذا تو اس کی عداوت سے پریشان مت ہو۔ (از نمبر ۴ تا نمبر ۱۱ منقول از طبقات شعرانی)

(۱۲) ایک مرتبہ ایک شخص کو دیکھا کہ وہ یہ حدیث پڑھ رہا تھا۔ المرء مع من احب (یعنی آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ وہ محبت رکھے) تو فرمایا اس حدیث سے دھوکہ میں مت آجانا یہ معیت اسی وقت ہوگی جب کہ تو ان جیسے اعمال بھی کرے گا۔

(۱۳) معمول تھا کہ جب کوئی شخص ان کی غیبت کرتا تو اس کو تحفہ بھیجا کرتے تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ جو ہدیہ (غیبت کا) تم نے مجھے بھیجا ہے وہ میرے ہدیہ سے بہت بڑھ کر ہے۔

(۱۴) فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص اللہ کے لئے محبت کا دعویٰ کرے اور پھر وہ اس سے اس گناہوں کی وجہ سے نفرت نہ کرے تو وہ اپنے اس دعویٰ میں جھوٹا ہے کہ مجھکو اللہ واسطے کی محبت ہے۔ (از نمبر ۱۲ تا ۱۴ منقول از تنبیہ المغترین)

انتقال:

ہشام بن عبدالملک کے دور حکومت مین باختلاف روایت چار محرم یا یکم رجب ۱۱۰ھ میں نواسی سال کی عمر میں انتقال فرمایا اور بصرہ میں تدفین عمل میں آئی۔ انتقال کے وقت ایک عجیب قصہ یہ پیش آیا کہ آپ نے ہنس کر فرمایا کون کون گناہ؟ اس کے بعد انتقال فرما گئے۔ ایک بزرگ نے خواب میں دیکھا اور انتقال کے وقت ہنسنے کی وجہ دریافت کی اور اس جملہ کا مطلب پوچھا۔ فرمایا نزع کے وقت میں نے سنا تھا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ اے ملک الموت۔ ان کے ساتھ سختی کا معاملہ کرو۔ کیونکہ اس کا ایک گناہ باقی ہے۔ اس پر مجھے خوشی ہوئی تھی اور میں نے ہنس کر دریافت کیا تھا کہ کون کون گناہ۔

صاحب سیر الاقطاب نے آپ کے پانچ خلیفہ شمار کرائے ہیں۔ ان میں ہمارے سلسلہ مذکورہ میں شیخ عبدالواحد بن زید ہیں اس لئے اب انہیں کے حالات سپرد قلم کئے جاتے ہیں۔

(۴)......خواجہ عبدالواحد بن زید ابوالفضل قدس سرہ

آپ خواجہ حسن بصری رحمہ اللہ کے اجل خلیفہ میں ہیں۔ صائم الدہر قائم اللیل اکابر میں تھے۔ تین روز بعد افطار فرماتے اور پھر بھی تین چار لقموں سے زیادہ تناول نہیں فرماتے۔ زہد کا

غلبہ اس قدر تھا کہ جو کچھ پاس ہوتا تھا سب خدا کے راستے میں خرچ کر دیتے تھے۔ دینار و درہم اگر کسی کے دینے کے واسطے بھی ہاتھ میں لیتے تھے تو ہاتھ دھویا کرتے۔ ماویٰ وملجاء فقہاء امام اعظم کے شاگرد بھی ہیں۔ بیعت سے قبل چالیس سال تک مجاہدات میں مشغول رہے۔ علوم ظاہریہ میں بھی حضرت حسن بصری کے شاگرد ہیں اور حضرت علی کرم اللہ و جہہ سے بھی شرف تلمذ حاصل ہے۔ (یہ روحانی طور پر ہی ہوسکتا ہے۔مشتاق) سلوک میں آپ کی ابتدا اس طرح پر ہوئی کہ آپ کا ایک غلام تھا جس نے اس معاہدے پر کہ رات کے وقت مجھے رخصت دی جائے رات کے عوض ایک دینار دوں گا۔ اپنے آپ کو رات کی حاضری سے مستثنیٰ کرلیا تھا۔ کسی شخص نے آپ سے شکایت کی کہ وہ رات کو زرگری کا کام کرتا ہے۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ شکایت اس امر کی تھی کہ رات کو مردوں کا کفن چراتا ہے۔ آپ نے امتحان کیلئے ایک شب اس کا تعاقب کیا وہ غلام تھوڑی دور جا کر ایک قبرستان میں پہنچا اور وہاں نماز میں مشغول ہوگیا، صبح تک نماز پڑھتا رہا اور صبح کے وقت دعا مانگی اور پھر یہ عرض کیا کہ اے میرے بڑے سردار میرے چھوٹے سردار کی اجرت بھی دے۔ اس پر ایک دینار اس کے ہاتھ میں آ گیا وہ لے کر چلا آیا مگر یہ وہیں چھپ رہے اور وضو کر کے اپنے خیال کی استغفار میں دو رکعت صلوۃ التوبہ پڑھی اور نیت کر لی کہ اس کو آزاد کر دوں گا۔ صبح کو وہاں کے لوگوں سے تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ ان کا مکان دو سال کے راستے پر ہے۔ سخت متحیر ہوئے۔ ایک سوار سامنے سے آیا اور پوچھا کہ عبدالواحد کیسے بیٹھے ہو۔ آپ نے قصہ سنایا اس نے کہا کہ جاؤ مت تمہارا مکان تیز گھوڑے کی چال سے دو سال کے راستہ پر ہے۔ رات کو وہی غلام آوے گا اس کے ساتھ جانا اور واقعی بجز اس کے چارہ ہی نہ تھا کہ انتظار کریں۔ دوسری شب پھر وہ غلام آیا اور مختلف اقسام کے کھانے اپنے ہمراہ لایا اور شیخ سے عرض کیا کہ کھا لیجئے اور پھر ایسا کبھی نہ کیجئے، آپ نے نوش فرمایا اور وہ بدستور عبادت میں مشغول ہوا۔ صبح کے وقت حسب دستور دینار آ گیا۔ یہ دونوں دینار لے کر خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پیش کر دیئے۔ خواجہ ان کے ساتھ چند قدم چلے کہ مکان آ گیا اس نے عرض کیا کہ آپ نے

آزاد کرنے کا ارادہ فرمایا تھا۔ آپ نے تسلیم فرمالیا اور آزاد کردیا۔ اس نے بہت شکریہ ادا کیا۔ اور ایک پتھر یا چند کنکر یبن بحق آزادی نظر کیں اور غائب ہوگیا۔ صبح کو اٹھ کر دیکھا تو وہ بڑے قیمتی جواہر تھے ان کو فروخت کیا اور فقراء کو تقسیم کر دیئے۔ اور اسی وقت سے ترک دنیا شروع کردی۔

شیخ عبد الواحد فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میری پنڈلی میں درد ہوا۔ اس کی وجہ سے نماز پڑھنے میں بڑی تکلیف ہوتی تھی ایک رات جو میں نماز کے لئے اٹھا تو اس میں سخت درد ہوا اور بمشکل نماز پوری کی اور چادر سرہانے رکھ کر سو گیا خواب میں کیا دیکھتا ہوں کے ایک لڑکی چند دوسری لڑکیوں کے ہمراہ میرے پاس آ کر بیٹھی۔ بقیہ لڑکیاں اس کے پیچھے بیٹھیں۔ ان میں سے ایک کو اس نے کہا کہ اس شخص کو اٹھاؤ مگر دیکھو بیدار نہ ہونے پائے۔ چنانچہ وہ سب کی سب میرے طرف متوجہ ہوئیں اور سب نے مل کر مجھے اٹھایا۔ پھر اس نے کہا کہ ان کے لیے نرم نرم بستر ے بچھاؤ اور تکیے رکھو انہوں نے سات بستر ے اوپر نیچے اور اس پر بہت خوبصورت سبز رنگ کے تکیے رکھے۔ ایسے بستر ے اور تکیے میں نے عمر بھر نہیں دیکھے تھے۔ پھر حکم دیا کہ اس کو فرش پر لٹادو۔ مگر دیکھو اس کی آنکھ نہ کھلے۔ اس کے کہنے کے مطابق انہوں نے مجھے بستر ے پر لٹا دیا۔ میں ان کو دیکھتا رہا اور ان کی باتیں سنتا رہا۔ پھر اس نے حکم دیا کہ ان کے لیے چاروں طرف پھول رکھو۔ ان سب نے میرے چاروں طرف پھول رکھ دیے۔ پھر وہ لڑکی میرے پاس آئی اور اپنا ہاتھ اس درد کی جگہ رکھا اور ہاتھ سے سہلایا پھر کہنے لگی کھڑا ہو نماز پڑھ۔ حق تعالیٰ نے تجھے صحت دی۔ اس کا یہ کہنا تھا کہ میری آنکھ کھل گئی میں نے اپنے آپ کو تندرست پایا اور وہ دن ہے آج کا دن ہے میں کبھی بیمار نہیں ہوا اور میرے دل میں اب تک اس کے اس جملہ کی حلاوت موجود ہے کہ ''کھڑا ہو، نماز پڑھ'' اللہ تعالیٰ نے تجھے شفا بخشی۔

فرماتے ہیں کہ ایک رات مجھے ایسی نیند آئی کے میرے اوراد، وظائف سب چھوٹ گئے۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک لڑکی آئی جس سے زائد حسین میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ ریشمی لباس پہن رہی تھی اور اس کے پاؤں کے جوتے تسبیح کر رہے تھے اور اس کے

قسمے تقدیس۔ مجھ سے کہنے لگی اے ابن زید! میری طلب میں کوشش کر۔ کیوں کہ میں تیری طلب میں ہوں۔ پھر اس نے ایک شعر پڑھا جس کا ترجمہ یہ ہے۔ جو مجھے خریدے اور میرے دل کی چین وآرام بنے وہ اپنی تجارت کے نفع میں خسارہ سے محفوظ رہے گا۔ میں نے پوچھا تیری قیمت کیا ہے؟ کہنے لگی میری قیمت اللہ کے ساتھ محبت اور محبت کے ساتھ اس کی اطاعت ہے اور میرے قیمت ایسا طویل فکر ہے جو غم کے ساتھ ہو۔ میں نے پوچھا۔ لڑکی تیرا مالک کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میرا مالک وہ ہے کہ اگر کوئی خواہش کرنے والا اس کے پاس میری قیمت لائے تو وہ اس قیمت کو واپس نہیں کرتا بلکہ قبول کر لیتا ہے۔

کہتے ہیں کہ شیخ عبدالواحد یہ خواب دیکھ کر جاگ گئے اور اس کے بعد قسم کھالی کہ رات کو کبھی نہیں سوؤں گا۔ چنانچہ پھر یہ حال ہوا کہ صبح کی نماز چالیس سال تک عشاء کی وضو سے پڑھی۔

فرماتے ہیں کہ میں ملک چین میں ایک راہب کی عبادت گاہ پر پہنچا اور پکار کر آواز دی اے راہب اے راہب! اس نے جواب نہ دیا میں نے دوسری مرتبہ آواز دی پھر بھی اس نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا۔ تیسری مرتبہ آواز دینے پر اس نے مجھے جھانک کر دیکھا اور کہا کہ میں راہب نہیں ہوں۔ راہب وہ ہوتا ہے جو اللہ سے ڈرتا ہو جو آسمانوں پر ہے۔ اور اس کی بڑائی کی تعظیم کرتا ہو اور اس کی بلاؤں پر صبر کرتا ہو اور اس کے قضا پر راضی ہو اور اس کی بخششوں پر تعریف کرتا ہو اس کی نعمتوں پر شکر اور اس کی عظمت کے سامنے ذلت اختیار کرے۔ اس کی قدرت تسلیم کرے اس کی ہیبت کے آگے سر جھکائے۔ اس کے حساب و عذاب کی فکر کرتا رہے۔ دن میں روزے رکھے اور رات کو نماز پڑھے۔ اس کو دوزخ کے ذکر نے بے دار کر رکھا ہو وہ شخص راہب کہلاتا ہے اور میں تو ایک پھاڑ کھانے والا کتا ہوں۔ اپنے آپ کو اس جگہ پر قید کر رکھا ہے تا کہ کسی کو اپنی زبان سے نہ پھاڑ کھاؤں۔ میں نے دریافت کیا اے راہب کس چیز نے مخلوق کو اللہ کی طرف سے بہکا دیا؟ کہنے لگا اے بھائی اللہ کی معرفت کے بعد جس نے اس سے لوگوں کو بہکا دیا ہے وہ دنیا کی محبت ہے اور دنیا کی زیب و

زینت ہے کیونکہ یہی چیز نافرمانی کی جڑ ہے۔ عقلمند وہ ہے جو اس چیز کو دل سے نکال دے اور اپنے گناہوں سے توبہ و استغفار کرے۔ اور جو چیز اللہ سے قریب کرنے والی ہوں ان کی طرف متوجہ رہے۔

فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اور ایوب سختیانی ملک شام کے راستے میں سفر کر رہے تھے۔ ہم کو ایک حبشی آدمی ملا جو لکڑیوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے تھا۔ ہم نے اس سے پوچھا کہ اے حبشی تیرا رب کون ہے؟ کہنے لگا میرے جیسے آدمی سے تو یہ سوال کرتا ہے؟ یہ کہہ کر وہ بوجھ زمین پر رکھ دیا اور آسمان کی طرف منہ اٹھا کر کہنے لگا اے اللہ اس کو سونا بنا دے۔ چنانچہ وہ بوجھ سونا بن گیا پھر ہم سے کہنے لگا اس کو دیکھو۔ اس کے بعد کہنے لگا اے خدا اس کو لکڑیاں بنا دے۔ چنانچہ وہ لکڑیاں بن گئیں۔ پھر کہنے لگا عارفین سے سوال کرتے رہو۔ ان کے عجائب ختم نہیں ہوتے۔ حضرت ایوب فرماتے ہیں کہ میں اس حبشی کی یہ حالت دیکھ کر حیران رہ گیا اور بڑا شرمندہ ہوا۔ پھر ہم نے اس سے پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ اس پر اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا تو ایک پیالہ ہمارے سامنے آ گیا۔ جس میں شہد تھا اور ایسا تھا کہ برف سے بھی زیادہ سفید اور مشک سے زیادہ خوشبودار۔ کہنے لگا اس کو کھالو یہ شہد مکھیوں کا شہد نہیں ہے۔ ہم نے کھایا تو اس سے میٹھی چیز کوئی نہیں دیکھی تھی۔ ہم لوگوں کو اس پر تعجب ہو رہا تھا۔ کہنے لگا ایسی کرامتوں پر تعجب کرنے والا عارف نہیں ہوتا اور جو تعجب کرے سمجھ لو کہ وہ اللہ سے دور ہے۔ اور جو کرامتوں کو دیکھ کر عبادت کرتا ہے وہ شخص اللہ تعالی سے جاھل اور ناواقف ہے۔

خوارق وکرامات:

آپ بڑے صاحب کرامت وخوارق تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی دریا پر گذر ہوا۔ ملاح اہل ثروت کو دام لے کر کشتی پر بٹھا رہا تھا اور جن کے پاس دام نہ تھے ان کو چھوڑتا جاتا تھا، آپ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ دریا سے عبدالواحد کی طرف سے کہدو کہ خشک ہو جاوے۔ ان فقراء نے آپ کا پیام پہنچا دیا۔ دریا اس قدر کم ہو گیا کہ یہ لوگ بے تکلف گزر

گئے۔اسی قسم کی اور بھی بہت سی کرامات ہیں۔ایک مرتبہ غلبہ نیند میں رات کا وظیفہ فوت ہو گیا تو آپ نے ایک حور کو باوصافہا خواب میں دیکھا جو آپ سے کہہ رہی تھی کہ اے ابوزید! میرے ملنے کی طلب کر کہ میں تیری طلب میں ہوں۔اس پر آپ نے رات کو نہ سونے کا عزم کرلیا اور چالیس سال تک صبح کی نماز عشاء کے وضو سے پڑھی۔ایک مرتبہ آپ کے پاس کچھ جماعت فقراء کی بیٹھی تھی۔پاس کچھ تھا نہیں۔بھوک نے غلبہ کیا حضرت سے درخواست کی۔حضرت کی دعا سے دینار برسے۔ان کا حلوا خریدا گیا اور سب نے کھایا۔مگر حضرت شیخ نے اس میں سے تناول نہیں فرمایا۔ایک مرتبہ آپ کشتی میں سوار تھے کہ ہوا کے زور سے ایک جزیرہ میں پہونچے،وہاں ایک بت پرست تھا آپ نے اس سے پوچھا کہ کس کی پرستش کرتا ہے؟ اس نے اپنے بت کو پیش کیا۔آپ نے اس کو اسلام کی طرف دعوت دی اور فرمایا کہ حقیقت میں عبادت کے قابل وہی ذات ہے جو ہر چیز کی خالق ہے۔اس نے عرض کیا کہ حق تعالیٰ کا وجود کس چیز سے معلوم ہوا؟ آپ نے فرمایا رسول سے۔اس نے عرض کیا کہ رسول نے کیا کہا؟ آپ نے فرمایا تبلیغ اور تعلیم اس کی تکمیل کے بعد تشریف لے گئے۔اس نے عرض کیا کہ کوئی علامت اپنی حقانیت کی آپ کو دے گئے؟ آپ نے فرمایا کلام اللہ! اس نے سنا اور سن کر کہہ اٹھا کہ واقعی اس کلام کا قائل ایسی ذات نہیں کہ جس کی نافرمانی کی جائے اور صدق دل سے مسلمان ہوا اور واپسی پر حضرت شیخ کے ہمراہ اس جزیرہ سے آ گیا۔ایک جگہ پہونچ کر حضرت نے اپنے رفقا سے اس کے لئے کچھ چندہ کیا جب اس کو دیا گیا اس نے قبول نہیں کیا اور کہا کہ میں جب کہ ایک بت کی پرستش کرتا تھا اور اللہ کو جانتا بھی نہیں تھا تو اس نے مجھ کو ضائع نہیں کیا اور اب جب کہ میں اس کی پرستش کرتا ہوں وہ مجھ کو ضائع نہیں کرے گا۔اس لئے پیسوں کی ضرورت نہیں۔رات کے وقت جب سب لوگ نماز کے بعد سونے لگے تو اس نے دریافت کیا کہ کیا حق سبحانہ بھی رات کو سوتے ہیں۔سب نے کہا ھُوَالْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ تو انہوں نے فرمایا کہ تم کیسے غلام ہو کہ تمہارا مولیٰ جاگتا رہے اور تم سوتے رہو سب کو اس کی پختگی اور ذکاوت پر تعجب ہوا۔ہر وقت عبادت میں

مشغول رہتا تھا اور چند روز بعد انتقال کیا خواجہ نے خواب میں اس کے مراتب عالیہ کو جنت میں دیکھا۔ آپ اخیر عمر میں سخت بیمار ہو گئے تھے کہا جاتا ہے کہ فالج پڑا تھا۔ طاقت وضو وغیرہ کی بھی نہیں تھی اتفاقاً ایک دن نماز کے وقت کوئی خادم موجود نہیں تھا، آپ کو اضطراب ہوا دعا کی فوراً اچھے ہو گئے کہ نماز نہایت اطمینان سے ادا کر لی اور پھر مرض فوراً عود کر آیا۔ یہ ہی حضرت عبدالواحد بن زید فرماتے ہیں کہ میں تین رات تک مسلسل یہ دعا کرتا رہا کہ یا اللہ جنت میں جو میرا رفیق ہو اس کی مجھے دنیا میں ملاقات کرا دے، تین دن کے بعد مجھے بتایا گیا کہ تیری ساتھی میمونہ سوداء ہیں (جو ایک حبشی عورت تھیں اتنی کالی کہ ان کا لقب ہی سودا ہو گیا تھا) میں نے پوچھا کہ وہ کہاں ملیں گی؟ مجھے بتایا گیا کہ کوفہ کے فلاں قبیلہ میں ہیں۔ میں ان سے ملنے چل دیا، کوفہ پہنچ کر میں نے ان کا حال دریافت کیا مجھے بتایا گیا کہ وہ بکریاں چراتی ہیں فلاں جنگل میں ہیں میں اس جنگل میں پہنچا وہ ایک گدڑی اوڑھے نماز پڑھ رہی تھیں۔ ان کے قریب ہی بکریاں اور بھیڑیئے اکٹھے چر رہے تھے جب میں پہنچا، تو انہوں اپنی نماز کو مختصر کر کے سلام پھیرا اور سلام پھیرنے کے بعد کہنے لگیں عبدالواحد آج نہیں آج تو چلے جاؤ ملاقات کا وعدہ کل کو (قیامت میں) ہے۔ میں نے ان سے کہا اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے تمہیں کس طرح معلوم ہوا کہ میں عبدالواحد ہوں؟ کہنے لگیں تمہیں معلوم نہیں کہ روحیں (ازل میں) سب ایک لشکر کی طرح مجتمع تھیں جن کا وہاں آپس میں تعارف ہو گیا ان کا یہاں بھی تعارف ہو جاتا ہے (یہ ایک حدیث پاک کا مفہوم ہے جو مشہور حدیث ہے) میں نے ان سے کہا کہ مجھے کوئی نصیحت کر دیجئے کہنے لگیں بڑے تعجب کی بات ہے جو خود واعظ ہو دوسرے سے نصیحت کی درخواست کرے (تم تو خود بڑے واعظ ہو) اس کے بعد انہوں نے کہا۔ مجھے بزرگوں سے یہ بات پہنچی ہے کہ جس بندہ کو حق تعالیٰ شانہ دنیا کی کوئی نعمت (مال دولت وغیرہ) عطا فرمائے اور وہ شخص پھر بھی اس کی طلب میں لگا رہے تو حق شانہٗ اس شخص سے اپنی ساتھ تنہائی کی محبت زائل کر دیتے ہیں اور اپنے سے بُعد اس پر مسلط کر دیتے ہیں اور اپنے ساتھ انس کے بجائے اپنے سے وحشت اس پر سوار کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے

پانچ شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ اے واعظ تو لوگوں کو وعظ و نصیحت اور تنبیہ کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو لوگوں کو گناہ سے روکتا ہے حالانکہ تو خود ان گناہوں کا بیمار ہے ان میں مبتلا ہے۔ اگر تو دوسروں کو نصیحت سے پہلے اپنی اصلاح کر لیتا اپنے گناہوں سے توبہ کر لیتا تو تیرے کہنے کا ان کے دلوں پر اثر پڑتا لیکن جب تو ایسی حالت میں دوسروں کو منع کرتا ہے کہ تو خود ان میں مبتلا ہے تو تو اپنے اس منع کرنے میں خود شک میں ہے (اور جس کو خود کسی بات میں تردد ہو وہ دوسرے کو زور سے کیا کہہ سکتا ہے) میں نے پوچھا کہ تمہاری بکریاں بھیڑیوں کے ساتھ ہی چر رہی ہیں بھیڑیئے اُن کو کچھ کہتے نہیں؟ کہنے لگیں کہ جا اپنا کام کر میں نے اپنے سردار سے صلح کر لی اس نے میری بکریوں اور بھیڑئیوں میں صلح کر دی۔ (روض)

یہ عجیب بات میں نے اپنے چچا جان مولانا محمد الیاس صاحب کے یہاں ہمیشہ دیکھی کہ ان کے مکان میں کئی کئی بلیاں اور مرغیاں تمام دن اکٹھی پھرتی رہتی تھیں پڑی گری چیز کھاتی رہتیں نہ وہ مُرغیاں بلیوں سے بھاگتیں اور نہ وہ بلیاں مُرغیوں کو کچھ کہتیں۔

وفات:

آپ کی وفات میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک ۲۷ صفر ۱۷۰ھ ہے اور بعض کے نزدیک ۱۷۷ھ، یا ۱۷۸ھ نیز ۱۷۹ھ اور ۱۸۶ھ بھی کہا گیا ہے اور بصرہ میں آپ کا مزار ہے۔ آپ کے اجل خلفاء تین شخص ہیں، خواجہ فضیل بن عیاض، خواجہ ابو الفضل بن رزین، خواجہ ابو یعقوب سوسی۔ ان سہ حضرات میں چونکہ ہمارے شجرہ مذکور میں اول الذکر ہیں اس لئے آئندہ ان کا تذکرہ کرتے ہیں۔

(خزینۃ الاولیاء، سیر الاولیاء، تعلیم الدین، روضۃ الریاحین)

(۵)......خواجہ فضیل بن عیاض بن مسعود بن بشر التمیمی رحمہما اللہ

ابو علی اور ابو الفضل آپ کی کنیت ہے بعض نے ابو الفیض بھی لکھی ہے اصل وطن آپ کا کوفہ تھا۔ سمرقند یا بخارا میں آپ کی پیدائش ہوئی۔ آپ کو خلافت خواجہ عبد الواحدؒ کے علاوہ ابو

عیاض بن منصور بن معمر سلمی عن محمد بن مسلم عن محمد بن حبیب عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے بھی حاصل ہے اور اس طرح سے یہ سلسلہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ خواجہ فضیل بھی صائم الدہر تھے پانچ پانچ دن کے مسلسل روزہ رکھتے تھے اور پانچ سو رکعت نوافل روزانہ ادا کرتے تھے۔ صاحب انوار العارفین نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ وضو میں سہو سے کسی عضو کو بجائے تین بار کے دو بار دھولیا تھا۔ شب کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ فضیل تم سے بعید ہے کہ وضو میں میری سنت چھوڑ دو۔ خواجہ اس کی ہیبت سے بیدار ہو گئے اور اپنے اوپر پانچ سو نوافل روزانہ کا ایک سال کے لئے کفارہ مقرر فرمایا۔

ابتدائی زندگی:

آپ اول ڈاکوؤں کے سردار تھے۔ سب ڈاکو آپ ہی کے پاس جمع رہتے تھے۔ لیکن جماعت کی نماز روزہ اور نوافل کا اہتمام رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ لوٹ کے ارادہ سے جا رہے تھے کہ یہ آیت کان میں پڑی اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ اس آیت کا کان میں پڑنا تھا کہ نہ معلوم کیا اثر کر گئی زار زار رونے لگے۔ وآن وحان واناب کہنے لگے۔ حق تعالیٰ جل شانہ کو جب کوئی کام مقصود ہوتا ہے اس کے مناسب اسباب مہیا فرما دیتے ہیں۔ آپ کی عادت اول ہی سے یہ تھی کہ جب کسی سے مال چھینتے تو اس کی مقدار کیفیت وغیرہ لکھ لیا کرتے تھے جب آپ نے توبہ کی تو اپنی لکھی ہوئی رقمیں واپس کیں۔ ایک یہودی شخص نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور یہ کہا کہ میری تھیلی میں سونا بھرا ہوا تھا۔ انہوں نے ہر چند قسمیں کھائیں۔ عاجزی کی مگر اس نے ایک نہ مانی۔ بالآخر اس نے خود ہی یہ فیصلہ کیا کہ میں قسم کھا چکا ہوں کہ بدون سونے کی تھیلی کے تیرا قصور معاف نہیں کروں گا۔ اس لئے اندر وہ کیسہ جو رکھا ہے وہ لا کر مجھے دیدے تا کہ میں تیرا قصور معاف کروں۔ انہوں نے وہ کیسہ لا کر دے دیا یہودی نے اس کو کھولا تو وہ سونا تھا۔ دیکھ کر اس نے کہا کہ مجھے یقین کامل ہو گیا۔ کہ تو نے سچی توبہ کر لی ہے اس لئے کہ یہ تھیلی ریت کی تھی اور میں نے توریت

میں دیکھا ہے کہ جس کی توبہ سچی ہوتی ہے اس کے ہاتھ میں اگر ریت بھی ہو تو سونا ہو جاتا ہے اس کے بعد وہ بھی مسلمان ہو گیا۔

ایک مرتبہ آپ چلے جا رہے تھے کہ ایک قافلہ پر گذر ہوا۔ وہ قافلہ والے آپس میں ذکر کر رہے تھے کہ ان اطراف میں فضیل نام کا ایک رہزن ہے اس کا خوف ہے آپ کے کانوں میں اس کا ذکر پڑا۔ آپ نے فرمایا کہ تجھ کو مبارکباد ہو اس نے توبہ کر لی ہے اور وہ اب تم لوگوں سے ایسا ہی ڈرتا ہے جیسے تم اس سے ڈرتے ہو۔ اس کے بعد خواجہ فضیل کوفہ گئے اور امام صاحب کی خدمت میں چند دن مقیم رہے۔ وہاں سے خواجہ حسن بصری سے بیعت کے خیال سے بصرہ آ گئے۔ مگر خواجہ صاحب کا انتقال ہو چکا تھا اس لئے خواجہ عبد الواحد سے بیعت ہوئے۔ آپ ہمیشہ لوگوں کے لئے پانی بھرا کرتے تھے اور اس کی اجرت سے اپنی اور اپنے گھر والوں کی ضروریات پوری کرتے تھے۔ خواجہ ابو علی فرماتے ہیں کہ تیس برس حضرت کی خدمت میں رہا ہوں حضرت کو ایک دفعہ کے سوا کبھی ہنستے نہیں دیکھا۔ حضرت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت فضیل سے سنا ہے کہ جو شخص ریاست کا طالب ہوتا ہے وہ ذلیل ہوتا ہے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ مجھ کو کوئی وصیت کیجئے۔ آپ نے فرمایا چھوٹا بن کر رہ بڑا بن کر مت رہنا۔ آپ کو بھی حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ آپ کا مقولہ ہے کہ جو شخص حق تعالیٰ شانہ کی معرفت، محبت بغیر خوف کے حاصل کرے گا وہ فرحت اور ناز میں ہلاک ہو جائیگا۔ اور جو خوف بلا محبت حاصل کرے گا وہ بعد وتوحش میں منقطع ہو جائے گا اور جو شخص خوف مع محبت کے حاصل کریگا حق تعالیٰ شانہ اس کو قرب و اکرام کے ساتھ نوازیں گے۔ آپ کا مقولہ ہے کہ ایمان کی تکمیل جب ہوتی کہ آدمی جملہ ماموراۃ کو ادا کرے۔ اور منہیات سے بچے اور تقدیر پر راضی رہے اور پھر بھی عدم قبول سے ڈرتا رہے نیز آپ کا مقولہ ہے کہ کسی شخص کی وجہ سے کوئی کام نہ کرنا یہ شرک ہے۔ نیز آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تو ایسی جگہ مقیم ہو کہ جہاں تجھے کوئی نہ دیکھے اور تو بھی کسی کو نہ دیکھے تو یہ بڑی مبارک بات ہے۔ نیز آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں اس شخص کا بڑا مشکور ہوں کہ میرے

پاس نہ آوے اور میں بیمار پڑوں تو مزاج پرپرسی بھی نہ کرے۔ نیز آپ کا مقولہ ہے کہ جیسے جنت میں کسی کا رونا تعجب کی بات ہے اس سے زیادہ تعجب کی بات دنیا میں کسی کا ہنسنا ہے۔ آپ کا مقولہ ہے کہ تین چیز کی طلب ہرگز مت کرو کبھی نہیں پاؤ گے۔ اول وہ عالم جو علم کی بقدر عمل کرتا ہو، کبھی نہیں ملے گا۔ دوسرے وہ عامل جو عمل کی برابر اخلاص رکھتا ہو، کبھی نہیں پاؤ گے۔ تیسرے وہ بھائی جس میں کوئی عیب نہ ہو۔ کبھی نہیں مل سکتا۔ لہٰذا اگر ایسے ڈھونڈ و گے کبھی نہیں ملے گا۔ تینوں سے محروم رہو گے۔ نیز آپ فرمایا کرتے تھے کہ دو چیز دل کو خراب کر دیتی ہیں۔ بہت سونا، اور بہت کھانا۔

عرفات کی رات میں لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ اہل عرفات کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ فرمایا اگر فضیل ان لوگوں میں نہ ہوتا تو بخشد یئے جاتے۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ انسان کو خدا کی دوستی میں کب کمال حاصل ہوتا ہے۔؟ فرمایا جب منع کرنا اور عطا کرنا۔ اس کے نزدیک برابر ہو جائے۔

فرمایا کرتے تھے جس بندے کو خدا دوست رکھتا ہے اس کو دنیاوی غم دیتا ہے اور جس کو دشمن رکھتا ہے اس کو دنیا کی عیش دیدیتا ہے۔

فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص اپنے بھائی کا بظاہر دوست ہو اور باطن میں اس کا دشمن ہو ایسے شخص پر اللہ لعنت کرتا ہے اور اس کے اندھے اور بہرے ہو جانے کا خوف ہے۔

ایک مرتبہ آپ مسجد میں تشریف فرما تھے ایک شخص آیا اور سلام کر کے آپ کے پاس بیٹھ گیا۔ دریافت فرمایا کہ کیوں آئے ہو۔ عرض کیا آپ کی دل وابستگی اور انسیت کے لئے فرمایا یہ تو وحشت ہوئی نہ کہ انسیت۔ یا تو تو یہاں سے چلا جا ورنہ میں جاتا ہوں۔ مجبوراً وہ شخص گیا۔

ایک مرتبہ عرفہ کے روز پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔ جب آفتاب غروب ہونے کے قریب ہوا تو اپنی داڑھی مٹھی میں پکڑ کر آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا۔ اگر تو بخش بھی دے گا جب بھی مجھ کو تیرے سے بڑی شرم آئے گی۔ اس کے بعد چلے آئے۔

فرمایا کرتے تھے کہ لوگوں خدا کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر ضرور کرتے رہا کرو۔ ایسا بہت کم ہوا ہے کہ خدا نے کسی کی نعمت چھین کر اس کو دوبارہ واپس فرمادی ہو۔

فرمایا کرتے تھے کہ اگر دنیا ساری کی ساری مجھے مل جائے اور مجھ سے اس کا حساب نہ بھی ہو تب بھی میں اس سے ایسی نفرت کروں گا جیسی نفرت تم لوگ مردار جانور سے کرتے ہو۔

فرمایا کرتے تھے کہ دنیا میں داخل ہونا تو بہت آسان ہے لیکن اس سے نکلنا بہت مشکل ہے۔

فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص کی خواہش یہ ہو کہ لوگ میری بات توجہ سے سنا کریں۔ وہ زاہد نہیں۔

فرمایا کرتے تھے کہ جب تیرا کوئی دشمن تیری غیبت کرے تو اس کو دوست سے زیادہ نافع سمجھ۔ اس لئے کہ وہ (دشمن) تجھ کو اپنی نیکیاں دے رہا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت سفیان بن عیینہ خدمت میں آئے۔ آپ نے فرمایا کہ تم علماء کی جماعت شہروں کے چراغ تھے جن سے روشنی حاصل کی جاتی تھی۔ لیکن اب تم شہروں کے لئے تاریکی بن گئے اور تم شہروں کے لئے آسمان کے ستارے تھے جن کے ذریعہ سے راستہ معلوم کیا جاتا تھا۔ اب تم دنیا کے لئے حیرت (سرگردانی) بن گئے۔ تم لوگ اللہ سے نہیں شرماتے۔ تم مالدار لوگوں کے پاس جاتے ہو اور ان کے عطایا قبول کرتے ہو اور یہ تحقیق نہیں کرتے کہ یہ حلال ہے یا حرام۔ اور پھر اپنی محراب میں پہنچکر احادیث بیان کرتے ہو۔ حضرت سفیان یہ نصیحت سنتے رہے اور سر جھکا کر استغفار کرتے رہے۔

فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص ایسا دوست تلاش کرے جس میں کوئی عیب نہ ہو اس کو کبھی دوست نہیں مل سکتا۔ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت لقمان ایک حبشی غلام تھے اور باوجود اس کے بنی اسرائیل کے قاضی تھے اور ان کو یہ مرتبہ لغو اور فضول باتوں سے بچنے اور زبان کی سچائی کی وجہ سے ملا۔

فرمایا کرتے تھے کہ علماء اگر زہد اختیار کریں تو بڑے بڑے جابر لوگوں کی گردنیں ان کے

آگے جھک جائیں۔ لیکن یہ لوگ اپنے علم کو دنیاداروں پر اس نیت سے خرچ کرتے ہیں تا کہ ان کو کچھ (پیسہ) مل جائے۔ اسی وجہ سے لوگوں کی نظر سے گر گئے۔

فرمایا کرتے تھے کہ جو آدمی مخلوق کے ساتھ میل جول اور تعلق رکھے گا وہ ریا میں ضرور پھنس جائے گا۔

فرمایا کرتے تھے کہ میں اس عالم پر روتا ہوں جس کے ساتھ دنیا کھیل رہی ہو اگر قرآن و حدیث والوں کو دنیا سے بے رغبتی ہوتی تو لوگوں کو اپنا رومال نہ بناتے۔ پھر فرمایا بہت ہی قلق اور رنج ہوتا ہے جب یہ سنتا ہوں کہ فلاں عالم اور فلاں عابد کسی تاجر کے روپے سے حج کرنے گیا۔

فرمایا کرتے تھے کہ اگر علم حاصل کرنے کے لئے نیت اچھی ہو تو اس سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں۔ لیکن لوگ عمل کی نیت سے نہیں پڑھتے۔

وفات:

حضرت شیخ کی وفات ۳ ربیع الاول ۱۸۷ھ کو حرم شریف میں ہوئی اور مکہ مکرمہ میں جنت المعلیٰ میں دفن ہوئے ہیں۔ آپ کا مزار ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے قریب بتایا جاتا ہے۔ بعض لوگوں نے آپ کی وفات کا مہینہ محرم بتایا ہے۔ کسی قاری کی زبانی القارعہ سنی اور ایک نعرہ مار کر جان نذر کر دی۔ حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ حضرت فضیل بن عیاض کے انتقال پر آسمان وزمین روتے تھے اور سناٹا چھایا ہوا تھا۔

حضرت کے پانچ خلفاء تھے۔ سلطان ابراہیم بن ادہم، شیخ محمد شیرازی، خواجہ بشر حافی، شیخ ابورجاء عطاروی، خواجہ عبداللہ سبارکی، ان سب حضرات میں سے ہمارے شجرہ مذکورہ میں مقدم الذکر سلطان ابراہیم بن ادہم کا واسطہ ہے اس لئے ہم ان کو ذکر کرتے ہیں۔

(خزینۃ الاصفیاء، تعلیم الدین، روضۃ الریاحین، طبقات شعرانی، تنبیہ المغترین)

(۶)......سلطان ابراہیم بن ادہم بن منصور قدس سرہ

آپ کا سلسلہ نسب پانچ واسطوں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے۔ بعض لوگ آپ کو سید حسینی بھی بتاتے ہیں۔ آپ کی ولادت شہر بلخ میں ہوئی۔ ابواسحٰق آپ کی کنیت تھی۔ آپ کو خرقہ اجازت خواجہ فضیل بن عیاض سے ملا ہے۔ ان کے علاوہ خواجہ عمران ابن موسیٰ، خواجہ امام باقر، شیخ منصور سلمی، خواجہ اویس قرنی سے بھی اجازت حاصل ہے۔ چار، پانچ روز کا روزہ ان کا بھی معمول تھا۔ گھاس وغیرہ سے افطار کرتے تھے۔ بہت کم سوتے تھے۔ پیوند کے کپڑے اکثر پہنتے تھے۔

بادشاہت سے فقر وفاقہ تک:

ابتداءً آپ شاہ بلخ کی طرف سے متبنیٰ ہونے کی وجہ سے ولیعہد اور پھر بادشاہ ہو گئے تھے جس کے قصے عام طور سے مشہور ہیں۔ حق تعالیٰ شانہ کا لطف شامل حال تھا۔ اسی کے اسباب پیدا ہوتے چلے گئے۔ ایک مرتبہ آپ دربار کر رہے تھے کہ ایک شخص نہایت بارعب دربار میں پہنچے۔ ان کے رعب کی وجہ سے کوئی شخص ان سے یہ دریافت نہ کر سکا کہ آپ کون ہیں۔ جب قریب پہنچے تو بادشاہ نے دریافت کیا کہ آپ کون ہیں۔ انہوں نے کہا مسافر ہوں۔ سرائے تلاش کرتا ہوں۔ امیر نے جواب دیا۔ یہ سرائے نہیں میرا محل ہے۔ مسافر نے پوچھا کہ آپ سے پہلے کون تھا امیر نے کہا کہ مجھ سے پہلے بادشاہ۔ مسافر نے پوچھا ان سے پہلے اسی طرح سوال وجواب پر مسافر نے کہا کہ پھر آخر مسافر خانہ ہوا یا نہیں۔ اس گفتگو کا آپ پر بہت اثر ہوا اور خدا طلبی شروع ہوئی۔ ایسے ہی اتفاقاً ایک مرتبہ اپنے بستر شاہی پر آرام فرما رہے تھے کہ کوٹھے پر سے کسی چلنے والے کے قدموں کی آہٹ معلوم ہوئی۔ آپ نے پوچھا کون ہے اس نے جواب دیا کہ کوئی غیر آدمی نہیں میں اونٹ کی تلاش کے لئے بالا خانہ پر چلا آیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ تجھ سے زیادہ بیوقوف کون ہے کہ اونٹ کو چھت پر تلاش کرتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ وہ شخص مجھ سے بھی زیادہ بیوقوف ہے کہ تخت شاہی پر خدا طلبی کرتا ہو۔

اس کے بعد جذب حقیقی کی ابتداء ہوئی اور آپ نے دفعتہً تخت شاہی کو چھوڑ کر صحرا نوردی اختیار فرمائی اور ایک پہاڑ میں جا کر سکونت اختیار فرمائی۔ جمعرات کے روز اس پہاڑ سے باہر آتے تھے اور لکڑیاں چگ کر فروخت کرتے تھے۔ جس قدر دام ملتے نصف راہ خدا میں خرچ کر دیتے اور نصف سے آٹھ دن تک خود گذر کرتے۔ ایک زمانہ تک اسی طرح مجاہدات میں مشغول رہے۔ اس کے بعد باشارہ غیبی مکہ مکرمہ حاضر ہوئے اور حضرت فضیل سے بیعت ہو کر کمالات و فیوض حاصل کئے۔ حضرت جنید فرماتے ہیں کہ جو علوم اولیاء کو دیئے جاتے ہیں ان سب کی کنجی حضرت ابراہیم ہیں۔

ترک سلطنت پر امراء و وزرائے بلخ بار بار اصرار والتجا کرتے تھے کہ دوبارہ اس کو قبول فرماویں۔ مگر حضرت نے کبھی اس کو قبول نہیں فرمایا۔

بحروبر پر حکومت:

ایک مرتبہ آپ دریا کے کنارے اپنی گدڑی سی رہے تھے کہ وزراء حاضر ہوئے اور وہی اپنی درخواست عرض کی۔ حضرت نے اپنی سوئی دریا میں پھینک دی اور ارشاد فرمایا کہ تم امراء و حکام کہلاتے ہو، میری سوئی دریا سے نکال دو۔ سب عاجز ہو گئے تو آپ نے مچھلیوں کو خطاب فرمایا کہ میری سوئی لادو سینکڑوں مچھلیاں سونے کی سوئیں منہ میں لیے ہوئے حاضر ہوئیں۔ ایک مچھلی کے پاس خود حضرت کی سوئی بھی تھی۔ آپ نے اپنی سوئی لے لی اور ارشاد فرمایا کہ میری سلطنت اب سارے جہاں پر ہے تمہاری اس عارضی سلطنت کو لے کر کیا کروں گا۔

ایک مرتبہ جبل ابوقبیس پر تشریف فرما تھے۔ تذکرۃً یہ فرمایا کہ بعض اللہ کے بندے ایسے ہوتے ہیں کہ پہاڑ کو اگر یہ کہیں کہ چل تو وہ چلنے لگتا ہے۔ یہ فرماتے ہی اس پہاڑ کو جنبش ہونے لگی۔ آپ نے فرمایا کہ ٹھہر جا میں تو قصہ بیان کرتا تھا وہ ٹھہر گیا۔

ایک مرتبہ کسی بزرگ صاحب کرامات سے فرمایا کہ معاش کی کیا صورت اختیار کر رکھی ہے انہوں نے کہا کہ مل جاتا ہے تو کھا لیتا ہوں ورنہ صبر کرتا ہوں۔ کہا یہ تو شہر کے کتے بھی کر

لیتے ہیں کہ ملا کھالیا۔ ورنہ نہیں۔ کام یہ ہے کہ ملے تو ایثار کرے نہ ملے تو صبر کرے۔

ایک مرتبہ کسی نے دریافت کیا کہ تم کس کے بندے ہو یہ سنکر لرز گئے اور بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو یہ آیۃ پڑھی و کل من فی السموات و الارض الا اتی الرحمٰن عبدا اس نے دریافت کیا کہ اول اس کا جواب کیوں نہیں دیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر اللہ کا بندہ کہوں تو اس سے ڈرتا ہوں کہ حق بندگی ادا نہیں کیا کس منہ سے بندہ کہوں اور اگر نہ کہوں تو کفر کا ڈر ہے سالہا سال آپ جنگل میں رہے اور نو برس غار نیشاپور میں مجاہدہ کیا۔ آپ ہمیشہ اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے۔ کبھی لکڑیاں بیچتے اور کبھی کسی باغ کی باغبانی کر لیتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ باغبانی کر رہے تھے کہ ایک سپاہی آیا اور اس نے ایک پھل طلب کیا۔ آپ نے انکار فرما دیا۔ اس نے ایک کوڑا مارا۔ آپ نے اپنا سر جھکا دیا اور فرمایا کہ جس سر نے اللہ عزوجل کی نافرمانی کی وہ مار ہی کھانے کے قابل ہے۔ اس پر وہ سپاہی کچھ چونکا اور معذرت کرنے لگا تو آپ نے فرمایا کہ جس سر کی معذرت کی جاتی تھی وہ میں بلخ ہی میں چھوڑ آیا۔

آپ نے ایک مرتبہ طواف کے موقع پر ایک شخص کو نصیحت فرمائی کہ صالحین کا درجہ حاصل نہیں ہوتا تاوقتیکہ چھ گھاٹیاں طے نہ کر لے۔ اول یہ کہ باب نعمت کو بند کر کے باب شدت کو کھول، دوسرے یہ کہ باب عزت کو بند کر اور باب ذلت کو کھول، ایسے ہی باب راحت، باب نوم غنی کو بند کر اور مشقت جاگنا اور فقر کے ابواب کو کھول۔

ایک مرتبہ کچھ لوگوں نے آ کر عرض کیا کہ ایک شیر نے ہمارا راستہ روک لیا، آپ اس کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ اے ابوالحارث اگر تجھ کو حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے کسی چیز کا حکم ہے تب تو اس کے موافق کر ورنہ چلا جا، شیر فوراً چلاتا ہوا چلا گیا۔

آپ ایک مرتبہ کسی مسجد میں تشریف لے گئے۔ عشاء کے بعد مسجد کے امام آئے اور آپ سے کہا کہ باہر چلے جاؤ میں کواڑ بند کرتا ہوں۔ آپ نے درخواست کی کہ سخت سردی کا موسم ہے اگر اجازت ہو تو میں رات کو یہیں سو رہوں۔ اس نے کہا کہ یہاں سونے کی اجازت

نہیں۔ مسافر چیزیں چرا لیتے ہیں۔ آپ نے اصرار کیا۔ اس نے کہا کہ اگر ابراہیم بن ادہم بھی آ ویں۔ تو ان کو بھی سونے کی اجازت نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں ابراہیم بن ادہم ہی ہوں۔ اس نے اسکو جھوٹ سمجھا اور جھوٹ پر اور بھی خفا ہوا، اور پاؤں سے سر کے بل کھینچ کر مسجد سے باہر کر دیا۔ آپ وہاں سے اٹھ کر ایک حمام کے قریب تشریف لے گئے۔ وہاں ایک شخص چراغ جلا رہا تھا۔ آپ نے سلام کیا اس نے جواب نہیں دیا اور اپنے کام میں مشغول رہا لیکن بار بار خوفزدہ ہو کر دیکھتا رہتا تھا اس سے فارغ ہو کر سلام کا جواب دیا۔ آپ نے تاخیر کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ میں ایک شخص کا ملازم ہوں مجھے یہ خیال ہوا کہ کہیں اس میں مشغول ہو کر اس کے کام میں دیر نہ ہو اور یہ خیانت ہو جاوے آپ نے پوچھا کہ ادھر ادھر کیا دیکھتے تھے۔ کہا کہ یہ خوف ہے کہ موت کا فرشتہ نہ آ رہا ہو۔ اس کے بعد اسی قسم کی باتیں ہوتی رہیں کہ تذکرۃً یہ ذکر آیا کہ میں نے بیس سال سے یہ دعا کی ہے کہ اے اللہ! ابراہیم بن ادہم کی ملاقات سے قبل میری وفات نہ ہو۔ وہ ابھی تک پوری نہیں ہوئی۔ آپ نے فرمایا۔ مژدہ ہو تم کو کہ میں ابراہیم ہوں کہ سر کے بل تمہارے پاس بھیجا گیا ہوں۔ اس نے عرض کیا الحمدللہ میری یہ تمنا بھی پوری ہو گئی اور آپ سے معانقہ وغیرہ کیا اور پھر کہا یا اللہ میری یہ تمنا بھی پوری ہو گئی اب کوئی تمنا باقی نہیں رہی اب اپنا وصل عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ شانہ نے یہ دعا بھی قبول فرما لی اور فوراً مر گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

ایک مرتبہ آپ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے کہ جب ہم اللہ سے دعا مانگتے ہیں تو وہ قبول نہیں ہوتی۔ فرمایا: تم اللہ کو جانتے ہو مگر اس کی بندگی نہیں کرتے۔ اس کے رسول اور قرآن کو پہچانتے ہو مگر اطاعت نہیں کرتے اور اس کی نعمتیں کھاتے ہو مگر شکر نہیں کرتے اور جنت ملنے کا اور دوزخ سے بچنے کا سامان نہیں کرتے اور شیطان کو دشمن جانتے ہو مگر اس سے عداوت نہیں کرتے اور جانتے ہو کہ موت آنے والی ہے مگر اس کا فکر نہیں کرتے اور ماں باپ کو قبر میں دفن کرتے ہو مگر عبرت حاصل نہیں کرتے ہو، اور جانتے ہو کہ ہمارے عیب موجود ہیں پھر بھی دوسروں کے عیب تلاش کرتے ہو، بھلا ایسی صورت میں دعا کہاں قبول ہو سکتی

ہے۔

فرمایا کرتے تھے کہ دنیا والوں نے دنیا میں راحت ڈھونڈی مگر انہیں نہیں ملی اگر انہیں اس سلطنت وحکومت کی خبر ہو جائے جو ہمارے قبضہ میں ہے تو اس کے حاصل کرنے کے لئے تلواروں سے لڑیں۔

ایک مرتبہ کسی شخص نے آپ کی خدمت میں دس ہزار درہم بھیجے۔ آپ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کیا تو یہ چاہتا ہے کہ میں یہ درہم لے کر فقیروں کے دفتر سے اپنا نام کٹوا دوں ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔

ایک مرتبہ ایک شرابی پر گذر ہوا جو راستہ میں بیہوش پڑا ہوا تھا اور جھاگ اس کے منہ سے نکل رہی تھی۔ آپ نے اس کی زبان دھوئی اور فرمایا کہ یہ زبان اللہ کا ذکر کرتی ہے اور اس کو یہ آفت پہنچی۔ اس شخص کو جب ہوش آیا تو لوگوں نے یہ واقعہ اس کو بتلایا اس پر وہ شخص بڑا شرمندہ ہوا اور توبہ کی کہ آئندہ شراب نہیں پیوں گا۔ اس واقعہ کے بعد حضرت ابراہیم نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص کہہ رہا ہے کہ تم نے ہماری وجہ سے اس کی زبان پاک کی، ہم نے تمہاری وجہ سے اس کا دل پاک صاف کر دیا۔

ایک شخص نے درخواست کی کہ آپ کسی وقت تشریف رکھا کریں تو ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہو جایا کریں تا کہ کچھ ارشادات سن لیں۔ فرمایا مجھے یہ چار کام اس وقت درپیش ہیں ان میں مشغول ہوں جب ان سے فراغت ہو جائے گی جب ایسا ہو جائے گا۔

اول یہ کہ جب ازل میں عہد لیا گیا تھا تو حق تعالیٰ شانہ نے ایک فریق کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ جنتی ہے اور دوسرے فریق کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ دوزخی ہے مجھے ہر وقت یہ فکر رہتا ہے نہ معلوم میں کس فریق میں سے ہوں۔

(۲) جب بچہ ماں کے پیٹ میں بننا شروع ہوتا ہے تو اس وقت ایک فرشتہ حق تعالیٰ سے پوچھتا ہے کہ اس کو سعید لکھوں یا بد بخت، مجھے ہر وقت یہ فکر رہتا ہے کہ نہ معلوم مجھے کیا لکھا گیا ہو گا۔

(۳) جب فرشتہ آدمی کی روح قبض کرتا ہے تو یہ پوچھتا ہے کہ اس روح کو مسلمانوں کی روح میں رکھوں یا کافروں کی۔ نہ معلوم میرے متعلق اس فرشتے کو کیا جواب ملے گا۔

(۴) قیامت میں حکم ہوگا۔ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ یعنی آج مجرم لوگ فرماں برداروں سے الگ ہو جائیں۔ مجھے یہ فکر رہتا ہے کہ نہ معلوم میرا شمار کس فریق میں ہوگا۔

فرمایا کرتے تھے کہ ترازو میں سب سے زیادہ وزنی عمل قیامت کے دن وہ ہوگا جس کا کرنا دنیا میں سب سے زیادہ مشکل ہوگا۔

ایک مرتبہ کوئی صاحب آپ کے پاس ایک مدت تک رہے، جب جدا ہونے لگے تو ان صاحب نے عرض کیا کہ مجھ میں کوئی عیب ہو تو وہ بتلا دیں۔ فرمایا کہ میں نے تیرے اندر کوئی عیب نہیں دیکھا اس لئے کہ میں نے تجھ کو ہمیشہ محبت کی نگاہ سے دیکھا۔ لہٰذا یہ سوال کسی اور سے کرنا گویا اس قصہ سے حضرت ابراہیم نے ایک عربی شعر کی طرف اشارہ کیا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ محبت کی آنکھ ہر عیب سے اندھی ہوا کرتی ہے جیسا کہ غصہ کی آنکھ ہر عیب کو ظاہر کر دیتی ہے۔

ایک عالم نے نصیحت کی درخواست کی۔ فرمایا کہ دُم بن کر رہنا سر بن کر مت رہنا، کیونکہ سر کاٹ دیا جاتا ہے اور دم چھوڑ دی جاتی ہے۔

ایک شخص نے درخواست کی کہ مجھ سے تہجد کی نماز کے لئے نہیں اٹھا جاتا فرمایا دن میں حق تعالیٰ کی نافرمانی نہ کیا کرو۔ اس لئے کہ رات کو تہجد میں حق تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا بڑی شرف کی بات ہے، اور نافرمان آدمی اس شرف کا اہل نہیں ہوتا۔ (صوفیہ کا مشہور ارشاد ہے کہ گناہوں کی وجہ سے آدمی تہجد کی نماز سے محروم رہ جاتا ہے۔)

ایک صاحب نے آپ کی خدمت میں رہنے کی درخواست کی۔ فرمایا کہ تو اپنے آپ کو اپنے مال کے ساتھ مجھ سے زیادہ مستحق نہ سمجھنا۔ اس نے کہا کہ میرے اندر اس کی طاقت نہیں یہ کہہ کر چلا گیا۔

وفات:

حضرت کی وفات میں مختلف اقوال ہیں۔ حافظ ابن حجر کی تحقیق کے مطابق ان کی وفات

۱۶۲ھ میں ہے اور سمعانی نے ۱۶۱ھ کا قول بھی لکھا ہے۔ اور محدثین کا قول تاریخی حیثیت سے زیادہ قابل اعتماد ہے۔ اور اس قول کی بناء پر ان کی وفات اپنے شیخ فضیل بن عیاض سے تقریباً پچیس یا چھبیس سال قبل ملک شام میں ہوئی۔ آپ کی عمر ایک سو دو برس کی تھی کہتے ہیں کہ آپ کے انتقال کے بعد آلان امام الارض قدمات، یہ آواز غیب سے آئی تھی۔ بعض کتابوں میں امان الارض قدمات لکھا ہے۔ آپ کا مزار شام میں بتایا جاتا ہے اور بعض لوگوں نے مدینہ منورہ بتلایا ہے۔ حضرت شیخ کے دو خلیفہ تھے۔ ایک خواجہ شفیق بلخی، دوسرے حذیفہ المرعشی جن کا اس وقت ذکر کیا جاتا ہے۔

(تعلیم الدین، انوار العاشقین، نفحات، انوار الاتقیاء، فضائل صدقات، طبقات شعرانی، تنبیہ المغترین)

(۷)......خواجہ حذیفۃ المرعشی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا لقب سدید الدین تھا۔ سات برس کی عمر میں ہفت قراۃ کے حافظ ہو چکے تھے۔ سولہ سال کی عمر میں علوم ظاہریہ کی تکمیل فرما کر اس کے بعد حضرت خضر کی رہنمائی سے سلطان ابراہیم بن ادہم تک رسائی ہوئی اور چھ ماہ میں تکمیل ہوگئی تھی علوم سلوک میں آپ صاحب تصانیف ہیں۔ آپ کی عادت چھ روز بعد افطار کرنے کی تھی اور فرماتے تھے کہ اہل دل لوگوں کی غذا لَآ اِلٰـــهَ اِلَّا اللهُ ہے۔ گریہ وزاری کا آپ پر غلبہ تھا۔ کسی نے دریافت کیا کہ آپ اتنا کیوں روتے ہیں۔ آپ کو حق تعالیٰ شانہ کے کریم و رحیم ہونے کا یقین نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو فریق فی الجنۃ و فریق فی السعیر رلاتا ہے۔ نہ معلوم میں کون سے فریق میں ہوں۔ اس نے کہا جب ایسی حالت ہے تو آپ دوسروں سے بیعت کیوں کر لیتے ہیں۔ آپ نے یہ سن کر ایک آہ کھینچی اور بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو غیب سے بشارت جنت کی ندا آئی جو سب نے سنی کہتے ہیں کہ اس آواز پر تین سو کافران کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ ہاتف کی ندا سے بشارت برگزیدگی اور روضۂ اطہر سے مژدہ ہمراہیت در جنت

حاصل فرما چکے تھے۔

فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص میری نسبت قسم کھا کر یہ کہے کہ تیرا عمل اس شخص جیسا نہیں جس کو قیامت پر ایمان ہے تو میں اس قسم کھانے والے سے کہوں گا کہ تو سچا ہے اپنی قسم کا کفارہ نہ دے۔

فرمایا کرتے تھے تمام نیکیوں میں سب سے افضل میرے نزدیک یہ ہے کہ آدمی اپنے گھر میں بیٹھا رہے اور اگر فرض نماز کے واسطے بھی کوئی حیلہ ایسا ہوتا کہ باہر نہ نکلنا پڑتا تو میں ایسا ہی کرتا اور ہمیشہ گھر میں رہتا

آپ کے چند خلفاء ہوئے ہیں۔ مشہور ترین خواجہ ہبیرہ بصری ہیں۔ امام شافعی صاحبؒ کو بھی آپ کے خلفاء میں کہا گیا ہے

وفات:

خواجہ صاحب کی وفات مشہور قول کے مطابق ۱۴ یا ۲۴ شوال ۲۰۲ھ میں ہوئی۔ اس کے علاوہ ان کے سن وفات میں اور بھی اقوال ہیں۔ چنانچہ شعرانی نے آپ کی وفات ۲۰۷ھ میں لکھی ہے۔ (سفینۃ الاولیاء، ملفوظات خواجگان چشت، تعلیم الدین)

(۸)......خواجہ ابو ہبیرہ بصری رحمۃ اللہ علیہ

اکثر مشائخ نے آپ کا نام نامی صرف ہبیرہ لکھا ہے اور بعض نے ابو ہبیرہ لکھا ہے اور لقب امین الدین تھا بصرہ میں سنہ ۱۶۷ میں ولادت ہوئی۔ ۱۷ سال کی عمر میں عالم فاضل، حافظ قرآن غرض علوم ظاہر سے علی وجہ الاتم فراغت پا چکے تھے۔ مجاہدہ کے شروع ہی سے خوگر تھے۔ روزانہ دو کلام مجید ختم فرمایا کرتے تھے۔ تیس سال کے مجاہدہ کے بعد ناکامی سے بہت روئے تو مغفرت کی بشارت کے ساتھ ساتھ آواز آئی کہ فقیری سیکھنے کے لئے خواجہ مرعشی کے پاس جاؤ۔ وہاں حاضر ہوئے۔ چونکہ تیس سال تک پہلے مجاہدہ کر چکے تھے اس لئے ایک ہی ہفتے میں کمال حاصل ہو گیا اور ایک سال میں اجازت و خلافت حاصل ہو گئی۔ یکسوئی کے

نہایت دل دادہ تھے ہمیشہ ایک حجرہ میں عمر گذار دی رونے کے اتنے عادی تھے کہ لوگوں کو ہلاکت کا خوف ہوتا تھا۔ دنیا کی لذیذ چیزیں کھانی بھی ترک کر دی تھیں۔آپ کا جو شخص منظور نظر ہو جاتا تھا ایک توجہ سے فوراً اس پر علوم منکشف ہو جاتے تھے۔

حضرت ہبیرہ فرماتے ہیں کہ جب مجھے خرقہ خلافت عطا ہوا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح پاک مع جملہ اکابر کی ارواح کے منکشف تھیں اور مجھے دعا دے رہی تھیں۔ ۷ شوال ۲۸۷ھ میں وصال فرمایا۔ بعض نے ۲۷۹ھ بھی تحریر فرمایا ہے بصرہ میں آپ کا مزار ہے۔ ایک سو بیس سال کی عمر آپ کی ہوئی، آپ سے جس قدر سلاسل چلے وہ سب ہبیر یاں کہلاتے ہیں۔ آپ کے خلفاء ممکن ہے کہ اور بھی ہوں مگر مجھے خواجہ ممشاد ہی کا علم ہے اور وہی ہمارے سلسلہ میں ہیں اس لئے ان کا ذکر کرتا ہوں۔

(خزینۃ الاولیاء، انوار العاشقین، تعلیم الدین)

(۹)......خواجہ علو ممشاد دینوری رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا لقب کریم الدین منعم تھا۔ دینور ہمدان اور بغداد کے درمیان ایک شہر ہے اس کے رہنے والے تھے۔ آپ کا لقب کریم الدین منعم اس وجہ سے مشہور تھا کہ آپ بہت مالدار تھے اور ضرورت مند لوگوں کی حاجتیں بڑی کثرت سے پوری فرمایا کرتے تھے۔ پھر بعد میں فقر و فاقہ اختیار کر کے مکہ معظمہ چلے گئے۔ ریاضت و مجاہدہ میں کمال تھا۔ حافظ قرآن، علوم ظاہری و باطنی کے امام تھے۔ ابن جلاء اور ان کے اکابر کی صحبت سے مشرف ہوئے۔ خواجہ ہبیرہ کے علاوہ اور بھی چند سلسلوں میں آپ کو اجازت حاصل ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ خواجہ ممشاد دینوری اور خواجہ دینوری ایک ہی شخص ہیں یا دو شخص۔ چونکہ زمانہ وفات وغیرہ حالات ہر دو حضرات کے ایک ہی ہیں۔ اس لئے بظاہر ایک ہی معلوم ہوتے ہیں اور چونکہ سلسلہ خاندان ہر دو کا علیحدہ علیحدہ ہے۔ اس لئے بعض لوگوں نے دو شخص بتلائے ہیں۔ خواجہ علو دینوری کو سلسلہ چشتیہ میں شمار کیا ہے اور ممشاد دینوری کو سلسلہ سہروردیہ میں گنا ہے مگر ظاہر

پہلا ہی قول ہے۔ اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ شیخ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ لڑکپن میں بھی کبھی دن میں ماں کا دودھ نہیں پیتے تھے۔ اسی وجہ سے مادرزاد ولی کہلاتے ہیں۔ بیعت سے قبل حضرت خضر علیہ السلام کے فیض صحبت میں تھے اور ان ہی کے اشارہ سے بیعت ہوئی تھی بیعت کے بعد فوراً ہی اجازت حاصل ہوگئی۔ حضرت شیخ نے توجہ کی اور دعا کے ساتھ ہی ساتھ بے ہوش ہو گئے اور پھر ہوش میں آئے۔ اس طرح چالیس مرتبہ ہوا۔ اس کے بعد شیخ نے اپنا لعاب دہن ان کے منہ میں ڈالا۔ جس سے بالکل ہوش میں آ گئے۔ اس پر شیخ نے دریافت کیا کہ علو کیا دیکھا عرض کیا تیس برس کے مجاہدہ میں وہ بات حاصل نہیں ہوئی تھی جو شیخ کی تھوڑی سی توجہ میں ہوگئی۔ صاحب تاثیر تھے ایک مرتبہ چند بت پرستوں سے فرمایا کہ تم کو شرم نہیں آتی کہ غیر خدا کو پوجتے ہو صرف اس کہنے کا کچھ ایسا اثر ان پر ہوا کہ سب مسلمان ہو گئے۔

ارشادات:

فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص کسی بزرگ کی خدمت میں جائے اور وہاں پہونچ کر بھی اپنے آپ کو بڑا سمجھتا رہے تو اس کو ان بزرگ کی باتوں اور ان کی صحبت سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

فرمایا کرتے تھے اہل اصلاح کی صحبت میں بیٹھنے سے دل میں صلاح پیدا ہوتی ہے اور اہل فساد کی صحبت میں رہ کر دل میں فساد ہوتا ہے۔

فرمایا کرتے تھے کہ بیکار چیزوں کے چھوڑ دینے کا نام تصوف ہے اور جس چیز کی طرف نفس متوجہ ہو اس کے ترک کر دینے کا نام توکل ہے۔

فرمایا کرتے تھے کہ میں اس وقت تک کسی بزرگ کی خدمت میں نہیں گیا جب تک کہ اپنے تمام علوم و حالات کو میں نے چھوڑ نہیں دیا اور جب اپنے علوم و حالات کو ترک کر کے میں کسی بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا تو منتظر رہتا ان برکات کا جو اس کی زیارت اور کلام سے حاصل ہوتیں اور یہ اس لئے کہ جب کوئی شخص کسی بزرگ کی خدمت میں اپنے احوال و معارف کو لے کر جاتا ہے تو اپنے علوم کی مشغولی کی وجہ سے ان کے فیوض سے محروم رہتا ہے۔

فرمایا کرتے تھے کہ اگر تو اولین و آخرین کی حکمت جمع کر لے اور اولیاء و مقربین کے احوال کا دعویٰ کرے تو عارفین کے درجہ کو اس وقت تک نہیں پہنچے گا جب تک کہ تیرا باطن اللہ کے ساتھ سکون نہ حاصل کرنے لگے اور اللہ کے وعدوں پر اور جو تیرے لئے مقدر کر دیا گیا ہے اس پر اعتماد نہ کرنے لگے۔

فرمایا کرتے تھے کہ جس کا منتہائے مقصد اللہ کی ذات بن جائے اس کو حوادث نہیں گھیر سکتے۔

فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنے ایک سفر میں ایک شیخ کو دیکھا جن پر خیر کے آثار تھے۔ میں نے کہا کہ مجھے کچھ نصیحت کیجئے۔ فرمایا اپنی ہمت کو بلند رکھو اور اس نگہداشت کرو۔ کیونکہ آدمی کی ہمت ہی تمام اعمال کا پیش خیمہ ہے۔ جس کی ہمت بلند ہوگی اس کے لئے آگے کے سب اعمال اور احوال آسان ہو جائیں گے۔ (طبقات شعرانی)

وصال:

خواجہ ممشاد کا وصال امام شعرانی نے طبقات میں ۲۹۶ھ میں ہونا لکھا ہے اور صاحب خزینہ نے باتفاق اہل تاریخ ۲۹۸ھ میں اور صاحب انوار نے ۴محرم ۲۹۹ھ بھی لکھا ہے۔ جو مقتدر باللہ کا زمانہ خلافت ہے۔ مزار دینور ہی میں ہے۔ اہل شجرات نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ انتقال کے وقت ایک بزرگ پاس بیٹھے ہوئے تھے وہ جنت کے ملنے کی دعا کرنے لگے تو حضرت ممشاد نے ہنس کر فرمایا کہ تیس سال سے جنت اپنی ساری زینتوں سمیت میرے سامنے آتی رہی۔ مگر میں نے ایک مرتبہ بھی اس کو نگاہ بھر کر نہیں دیکھا۔ میں تو جنت کے مالک کا مشتاق ہوں۔ آپ کے خلفاء خواجہ ابو محمد ابو احمد بغدادی، خواجہ ابو اسحٰق، خواجہ اسعد احمد دینوری بتلائے جاتے ہیں۔ ان میں سے اس شجرہ میں خواجہ ابو اسحٰق ہی کا واسطہ ہے۔

(انوار العاشقین، خزینۃ الاولیاء، تذکرۃ الفقراء، تعلیم الدین)

(۱۰)......خواجہ ابو اسحٰق شامی رحمۃ اللہ علیہ

شرف الدین یا شریف الدین آپ کا لقب تھا۔ علوم ظاہریہ و باطنیہ کے جامع تھے۔ قصبہ چشت میں آپ کی ولادت ہوئی بڑے زاہد تھے۔ سات روز میں روزہ افطار کرتے تھے۔

فرماتے تھے کہ بھوک میں وہ نعمت اور لذت ملتی ہے جو اور کسی چیز میں میسر نہیں ہوتی اور فرماتے تھے کہ معراج الفقراء الجوع بیعت ہونے کا جب ارادہ کیا تو چالیس دن پے در پے استخارہ کئے۔ غیب سے آواز آئی کہ اگر مقصد برآری چاہتے ہو تو ممشاد دینوری کے پاس جاؤ۔ سات سال شیخ کی خدمت میں رہے اس کے بعد اجازت حاصل ہوئی۔ اس سلسلہ کا لقب سلسلہ چشتیہ کی ابتدائی شہرت آپ ہی سے ہے، آپ کے بعد چار مشائخ اور بھی چشت ہی کے رہنے والے تھے۔ اس لئے چشتیہ کے نام سے مشہور ہوگیا۔ کہتے ہیں کہ خواجہ ممشاد دینوری آپ کے شیخ نے آپ سے پوچھا کہ تمہارا کیا نام ہے آپ نے کہا ابو اسحٰق شامی شیخ نے فرمایا کہ آج سے تمہیں ابو اسحٰق چشتی کہیں گے۔ اس لئے کہ اہل چشت کو تم سے ہدایت ہوگی اور تمہارا سلسلہ قیامت تک چشتیہ کہلائے گا۔ اسی دن سے ابو اسحٰق چشتی کہلانے لگے۔ آپ کی کرامات خاص خاص تھیں۔ جو شخص ایک مرتبہ مجلس والا میں چلا جاتا تھا پھر کسی معصیت کا مرتکب نہیں ہوتا تھا۔ ایسے ہی جو بیمار آپ کی مجلس میں جاتا شفا پاتا۔ جب سفر کا ارادہ فرماتے تو سو دو سو آدمیوں کے ساتھ آنکھ بند کر کے فوراً منزل مقصود پر پہونچ جاتے۔ ایک مرتبہ امساک باراں میں بادشاہ وقت دعا کے لئے حاضر ہوا۔ حضرت نے توجہ فرمائی اور بارش ہو گئی دوسرے دن پھر کسی ضرورت سے بادشاہ آیا تو آپ رونے لگے۔ اس نے عرض کیا کہ حضرت کے ملال کا کیا باعث ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ بادشاہ کے بار بار آنے سے یہ ڈر ہے کہ مجھ سے کوئی گناہ ایسا تو صادر نہیں ہوا جس کی وجہ سے امراء کی مصاحبت اتنی شروع ہوگئی اور غرباء کی مصاحبت سے اتنا وقت کم ہوگیا مبادا میرا حشر بجائے مساکین کے امراء کے ساتھ نہ ہو جائے۔

آپ کی وفات ۱۴ ربیع الثانی ۳۲۹ھ میں ہوئی۔ آپ کا مزار بمقام عکہ ہے کہ جو نواح شام میں ہے۔ آپ کے خلفاء خواجہ ابو احمد ابدال، خواجہ ابو محمد خواجہ تاج الدین وغیرہ بتلائے جاتے ہیں۔ ان میں مقدم الذکر یہاں مقصود بالذکر ہیں۔

(خزینۃ الاولیاء، انوار العاشقین، ملفوظات، تعلیم الدین)

(۱۱)......خواجہ ابو احمد ابدال چشتی قدس سرہ

قدوۃ الدین آپ کا لقب تھا نسبتاً سید حسنی تھے۔ آپ کے والد کا نام سلطان فرسنانہ تھا۔

چھ رمضان ۲۶۰ھ میں قصبہ چشت میں پیدائش ہوئی۔ ظاہری حسن و جمال میں بھی بے نظیر تھے۔ چہرہ منور اس قدر چمکدار تھا کہ اگر یہ کہا جاوے کہ اندھیرے میں روشنی پیدا کر دیتا تھا تو مبالغہ نہیں۔ خواجہ ابو اسحٰق سلطان فرسنانہ کے یہاں اکثر جایا کرتے تھے۔ ایک دن ان کی ہمشیرہ سے کہہ کر آئے کہ تمہارے ایک بھتیجا ہونے والا ہے۔ اپنی بھابھی کی نہایت احتیاط کیا کرو، کوئی مشتبہ لقمہ اس کے منہ میں نہ جانے پاوے۔ امتثالاً للامر وہ بے حد حفاظت فرماتی تھیں۔ بالآخر چھ رمضان ۲۶۰ھ کو آپ تولد ہوئے۔ یہ دور خلیفہ معتصم باللہ کا دور تھا۔ سات سال کی عمر سے آپ نے خواجہ ابو اسحٰق کی خدمت میں حاضری شروع کر دی تھی اور علوم ظاہریہ و باطنیہ دونوں حضرت خواجہ سے حاصل کرنے شروع کر دیئے تھے۔ سات سال کی عمر میں علوم ظاہریہ سے فارغ ہو کر حضرت شیخ ہی سے بیعت بھی ہو گئے تھے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ۱۳ سال کی ہی عمر میں بیعت ہو گئے تھے۔ ایک مرتبہ اپنے والد کے ساتھ شکار کو جا رہے تھے کہ اتفاقاً راستہ میں ایک پہاڑ میں جا کر راستہ گم ہو گیا اور یہ تنہا رہ گئے۔ ہر چند کہ راستہ وغیرہ تلاش کیا مگر نہ مل سکا۔ چلتے چلتے آپ ایک جگہ دیکھتے ہیں کہ ایک جگہ شاہ ابو اسحٰق تشریف فرما ہیں اور چالیس بزرگ ان کے حضور میں کھڑے ہیں۔ یہ دیکھ کر حضرت شیخ کے قدموں میں گر گئے اور ان کے ہمراہ چلے گئے۔

بالآخر چند روز بعد معلوم ہوا کہ خواجہ ابو اسحٰق کے ساتھ فلاں پہاڑ پر موجود ہیں۔ بادشاہ نے آدمی بھیجے اور ہر چند سمجھایا کہ چلے آویں مگر وہاں چسکہ ہی دوسرا پڑ گیا تھا اس لئے اس گدائی کو ترجیح دیکر وہیں رہے۔ آٹھ سال سخت مجاہدہ کر کے خرقہ اجازت حاصل کیا۔ کہتے ہیں کہ آپ تیس برس تک بستر پر نہیں سوئے۔ جس شخص پر نظر ڈالتے تھے صاحب کرامت ہو جاتا تھا۔ آپ کے والد کے یہاں شراب خانہ تھا جس میں پرانی پرانی شرابیں رکھی تھیں۔ لڑکپن کے زمانہ میں ایک مرتبہ آپ اس میں گئے اور اندر کی زنجیر لگا کر سب مٹکوں کو توڑنا شروع کر دیا۔ باپ کو اطلاع ہوئی۔ اندر آنے کا راستہ نہیں تھا اس لئے مکان کی چھت پر گیا اور نہایت غضبناک ہو کر منع کرنا شروع کیا مگر وہ نہ مانے تو آخر ایک بڑا پتھر اٹھا کر مارا مگر وہ

بھی درمیان میں معلق ہو گیا گرا نہیں۔ یہ قصہ دیکھ کر باپ کو سخت حیرت ہوئی اور بیٹے کے ہاتھ پر شراب سے توبہ کر لی۔

ایک مرتبہ آپ سفر میں تھے کہ اتفاقاً کسی ایسی جگہ گزر ہوا جہاں محض کفار کی آبادی تھی اور مسلمان کوئی قرب وجوار میں بھی نہ تھا۔ ان کی عادت تھی کہ جب کوئی مسلمان ادھر کو جاتا اس کو نہایت مار پیٹ کر آگ میں جلا دیا کرتے اسی طرح حضرت شیخ کے ساتھ بھی معاملہ کیا مگر رعب کی وجہ سے آگ میں ڈالنے کی ہمت نہ ہوئی۔ شیخ نے کہا کہ تم فکر نہ کرو میں خود ہی آگ میں گر جاؤں گا یہ کہہ کر حضرت شیخ اپنا مصلے آگ پر ڈال کر خود چلے گئے۔ حضرت کا وہاں پہنچنا تھا کہ آگ دفعتہً ٹھنڈی ہو گئی یہ قصہ دیکھ کر سب متحیر ہو گئے اور اس قدر عظمت و وقعت شیخ کی ہوئی کہ دل و جان سے قربان ہونے لگے اور سینکڑوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔

آپ کی عادت ایک قرآن دن میں اور دو قرآن شب میں ختم کرنے کی تھی۔ آپ صاحب الاسرار تھے۔ لیکن سر ظاہر نہیں فرماتے تھے۔ کہتے ہیں کہ آپ باتفاق اہل زمانہ قطب ابدال تھے۔ نذرانہ قبول نہیں فرماتے تھے۔ اچھے لباس یا اچھے کھانے سے بھی احتراز فرماتے تھے۔ آپ کی وفات تین جمادی الآخری ھ میں ہوئی۔ اور چشت میں مزار ہے۔ قطب العالمین آپ کی تاریخ وفات بتائی جاتی ہے۔ آپ کے خلفاء میں خواجہ ابو محمد اور خواجہ خدا بندہ ہیں۔ (تذکرۃ الفقراء، خزینۃ الاولیاء، تعلیم الدین، انوار العاشقین)

(۱۲)......خواجہ محمد یا ابو محمد بن ابی احمد قدس سرہ

آپ کا لقب ولی الدین یا ناصح الدین تھا۔ مادرزاد ولی تھے۔ کہا جاتا ہے کہ حمل کے زمانہ میں والدہ کے پیٹ سے ذکر اللہ کی آواز آتی تھی۔ نسباً سید حسنی تھے۔ آپ کی ولادت محرم ۳۳۱ھ میں ہوئی۔ پیدا ہونے کے وقت سات مرتبہ کلمہ پڑھا ایام رضاعت میں مشغول بذکر رہتے تھے اور پانچوں وقت آنکھیں آسمان کی طرف اٹھا کر ان گنت کلمہ پڑھتے تھے۔ جو شخص آزمانے آتا وہی مسلمان ہو جاتا۔ اپنے والد خواجہ ابو احمد سے خرقہ خلافت پایا۔ سات سال کی عمر میں بیعت ہوئے اور بارہ سال کی عمر تک ایک حجرہ میں تنہا رہے اور

روزانہ روزہ دار رہتے تھے۔ مجاہدہ بہت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ دریا کے کنارے پر اپنی گدڑی پر پیوند وغیرہ لگا رہے تھے کہ بادشاہ آیا اور اس نے ایک تھیلی دیناروں کی دی۔ انہوں نے انکار فرمادیا۔

اس نے اصرار کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ ہمارے بڑوں کا یہ طریقہ نہیں اس لئے میں نہیں لیتا۔ اس نے بے حد اصرار کیا۔ جب اس نے بہت مجبور کیا تو شیخ نے دریا کی طرف منہ پھیرا۔ دریا سے سینکڑوں مچھلیاں منہ میں دینار لئے ہوئے کنارہ پر آئیں۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس اس قدر خزانہ غیبیہ موجود ہو وہ تمہاری تھیلی کی کیا قدر کرے۔

خواجہ ابو محمد کی ہمشیرہ بھی نہایت بزرگ متقیہ تھیں ہر وقت یاد الٰہی میں مشغول رہتی تھیں۔ جس کی وجہ سے نکاح کی بھی رغبت نہیں ہوئی تھی۔ ایک مرتبہ خواجہ ابو محمد ان کے پاس آئے اور فرمایا کہ ہمشیرہ تمہارے پیٹ سے ایک لڑکے کا وجود جو ایک وقت میں قطب الاقطاب ہونے والا ہے مقدر ہو چکا ہے اور وہ بلا نکاح ممکن نہیں اس لئے تم نکاح کرلو۔

انہوں نے اس وجہ سے کہ باعث مشغولی ہوگا۔ قبول نہ فرمایا۔ حتیٰ کہ چند روز بعد اپنے والد کو خواب میں دیکھا کہ اسی قسم کا مضمون ارشاد فرمایا اور محمد سمعان جن سے نکاح کرنا تجویز تھا ان کو بھی بتایا۔ یہ ہی مضمون خواجہ ابو محمد نے بھی دیکھا بالآخر صبح کو سید محمد سمعان کو بلا کر نکاح پڑھوا دیا۔ ان سے خواجہ ابو یوسف جو شیخ کے خلیفہ ہیں اور آئندہ ان کا ذکر آنے والا ہے وہ پیدا ہوئے۔

ستر سال کی عمر میں باشارہ غیبی محمود غزنوی کے ساتھ سومنات کے جہاد میں شریک ہوئے اور اپنے چند خدام کو ساتھ لیکر خود میدان کارزار میں پہنچے۔

حضرت شیخ کی وفات چار ربیع الاول یا شروع رجب ۴۱۱ھ کو ہوئی۔ آپ کی پوری عمر اسی ۸۰ سال کی ہوئی۔ امام برحق آپ کی تاریخ وفات ہے اور چشت میں مزار ہے۔ آپ کے تین خلیفہ تھے خواجہ ابو یوسف جن کا ذکر آئندہ ہونے والا ہے خواجہ محمد کاکو۔ خواجہ استاد مروان

(۱۴)......خواجہ سید ابو یوسف بن سمعان الحسینی الچشتی

آپ کا نسب تیرہ واسطوں سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے۔ چشت ہی میں آپ کی ولادت ہوئی۔ ناصر الدین آپ کا لقب تھا۔ خرقہ اجازت اپنے ماموں خواجہ ابو محمد چشتی سے پہنا۔ ایک مرتبہ حضرت شیخ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ گرمی کے موسم میں تشریف لے جارہے تھے کہ سخت گرمی کے وقت رفقاء کو پیاس لگی۔ پانی کہیں نہیں تھا۔ حضرت شیخ نے اپنی لاٹھی ایک پتھر پر ماری۔ اس سے فوراً چشمہ ابلنے لگا۔ جس سے حضرت شیخ نے اول خود نوش فرمایا بعدہ اور رفقاء نے حضرت حافظ قرآن نہ تھے اس وجہ سے آپ کی طبیعت بے چین ہوتی تھی اور اس کا قلق ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ بہت رنج ہوا تو عالم واقعہ میں اپنے شیخ کو یہ فرماتے دیکھا کہ سو مرتبہ سورۃ فاتحہ پڑھو۔ اس قلق سے خلاصی پاؤ گے۔ سو مرتبہ پڑھنا تھا کہ تمام قرآن شریف حفظ ہوگیا اس کے بعد سے پانچ ختم روزانہ کیا کرتے تھے۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت شیخ کی خدمت میں جو شخص تین دن رہتا تھا صاحب کرامت ہو جاتا تھا۔ حضرت شیخ ایک مرتبہ سفر میں تشریف لے جارہے تھے کہ راستہ میں ایک جگہ کنگ نام پہنچے وہاں ایک درویش رہتے تھے۔ ان کے مہمان رہے۔ شب کو ان کی لڑکی نے خواب دیکھا کہ چودہویں رات کا چاند آسمان سے آیا اور آکر میری گود میں اتر آیا صبح کو والد سے خواب کہا۔ وہ حضرت شیخ سے تعبیر پوچھنے کے لئے حاضر ہوئے۔ قبل اس کے کہ وہ کچھ عرض کریں حضرت شیخ نے خود ہی خواب کا قصہ ذکر فرمایا اور تعبیر بھی فرمائی درویش نے اپنی صالحہ لڑکی کا نکاح حضرت شیخ سے کر دیا۔ ان سے مودود چشتی جن کا آئندہ ذکر آنے والا ہے وہ پیدا ہوئے۔ ایک مرتبہ عبادت میں کچھ کاہل ہو گئے تھے تو بیس ۲۰ برس تک پانی نہ پیا۔ مجاہدات میں آپ بھی اپنے بڑوں کے قدم بقدم تھے۔ مکان میں ایک چلہ خانہ بنا کر بارہ سال تک اس میں چلہ کھینچا۔ ایک مرتبہ کہیں تشریف لے جارہے تھے تو ایک مسجد پر گذر ہوا جو زیر تعمیر تھی۔ وہاں سب لوگ اس اشکال میں تھے کہ مسجد کی چھت کے لئے جو شہتیر لیا تھا

وہ چھوٹا ہوگیا تھا۔ اس کی اصلاح کی کوئی صورت نہ تھی۔ حضرت سے بھی کسی نے عرض کیا آپ گھوڑے سے اترے اور مسجد کی چھت پر تشریف لے جا کر ایک جانب سے اس کو خود اٹھایا اس جانب سے وہ مسجد سے ایک گز زیادہ ہوگیا۔ سب لوگ سخت حیرت میں رہ گئے۔

وفات:

حضرت کا وصال اکثر کے نزدیک تین رجب ۴۵۹ھ میں ہوا۔ حتیٰ کہ بعض لوگوں نے اس پر اہل تاریخ کا اتفاق لکھا ہے لیکن بعض مؤرخین نے بجائے رجب کے اوائل جمادی الاخریٰ اور بعض نے یکم جمادی الاولیٰ اور چار ربیع الاخر بھی بتائی ہے اور چشت ہی میں مزار ہے۔ عارف کامل آپ کی تاریخ وفات ہے چوراسی ۸۴ سال آپ کی عمر بتلائی جاتی ہے۔ جب آپ کی وفات قریب ہوئی تو آپ نے اپنے صاحبزادہ خواجہ مودود چشتی کو جن کا آئندہ ذکر آنے والا ہے اپنا قائم مقام فرما دیا۔ اس کے علاوہ خواجہ عبداللہ انصاری کا شمار بھی آپ کے خلفاء میں کیا گیا ہے۔

(۱۴)......خواجہ سید مودود چشتی رحمۃ اللہ علیہ

قطب الاقطاب اور قطب الدین آپ کا لقب تھا۔ شمع صوفیان و چراغ چشتیاں وغیرہ خطبات سے مخاطب کئے جاتے تھے۔ ولادت حضرت شیخ کی ۴۳۰ھ میں ہوئی۔ نسباً سید حسینی تھے۔ اپنے والد خواجہ ابو یوسف صاحب سے خرقہ اجازت حاصل کیا۔ سات سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کر چکے تھے اور سولہ سال کی عمر میں تحصیل علوم ظاہریہ فرما چکے تھے۔ بعض اہل تاریخ کی رائے ہے کہ تکمیل علوم ظاہری مشیخیت کے بعد بمشورہ شیخ احمد فرمائی ہے۔ اسی زمانہ میں منہاج العارفین وخلاصۃ الشریعت تصنیف فرمائی۔

انتیس ۲۹ سال کی عمر میں والد نے انتقال فرمایا اور آپ کو اپنی جگہ بٹھایا آپ اپنے والد کے سچے جانشین تھے اور ہدایت خلق میں والد کی نیابت کا حق ادا کیا۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ دس ہزار خلفاء آپ کے تھے اور مریدین کی تو کوئی انتہا ہی نہیں۔

آپ کوطی الارض بھی حاصل تھا۔ چنانچہ جب طواف کو دل چاہتا تھا ہوا کے ذریعے سے مکہ مکرمہ پہنچ جاتے تھے۔ خواجہ صاحب فقراء کے ساتھ زیادہ محبت رکھتے تھے۔ لباس بھی عمدہ نہیں پہنتے تھے۔ کمال تواضع اور مسکنت کے سبب ہر شخص کو خود سلام کرتے تھے اور ہر شخص کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ کشف قلب و کشف قبور آپ کو حاصل تھا۔ ایک مرتبہ کوئی شہزادہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور تبرک کی درخواست کی۔ آپ نے انکار فرمادیا وہ چند مخلصوں کو سفارشی لایا۔ ان کی سفارش پر آپ نے ایک ٹوپی مرحمت فرمائی۔ لیکن یہ فرمایا کہ اس کی رعایت رکھنا ورنہ پشیمان ہوگے۔ وہ وہاں جا کر اپنے لہولہب میں مشغول ہو گیا۔ شیخ کو معلوم ہوا۔ فرمایا کہ کیا ٹوپی نے اپنا کام نہیں کیا۔ کچھ ہی دن گذرے کہ اس کو جرم میں گرفتار کیا گیا اور آنکھیں نکلوادی گئی۔ خواجہ موصوف کے خلفاء دس ہزار تک بتائے جاتے ہیں ان کا احاطہ ناممکن ہے۔ البتہ تبرکاً مشاہیر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

خواجہ ابواحمد، خواجہ شریف زندنی، شاہ سجان، شیخ ابونصیر شیکبان، شیخ حسن تمتی، شیخ احمد بدرون، خواجہ سبز پوش، شیخ عثمان اول خواجہ ابوالحسن وغیرہ وغیرہ۔ ان میں سے اس شجرہ کے متوسل خواجہ شریف زندنی ہیں۔ جن کا آئندہ ذکر آنے والا ہے۔

وفات:

وفات حضرت شیخ کی شروع رجب ۵۲۷ھ میں ہوئی اور ستانوے سال حضرت کی عمر ہوئی۔ آپ کی نماز جنازہ اول رجال غیب نے پڑھی اس کے بعد عام آدمیوں نے، اور نماز کے بعد جنازہ خود بخود اڑنے لگا۔ خواجہ صاحب کی اس کرامت سے بیشمار لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ آپ کا مزار بھی چشت میں ہے۔

(۱۵)..... خواجہ شریف زندنی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا لقب نیر الدین تھا ۴۹۲ھ میں آپ کی ولادت مقام زندنہ میں ہوئی۔ خرقہ اجازت حضرت شیخ خواجہ مودود چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا۔ ریاضات و مجاہدات میں

کمال تھا۔ چالیس تک آبادی سے متوحش ایک جنگل میں قیام فرمایا اور درختوں کے پتوں وغیرہ پر گذر فرماتے رہے۔ فقر وفاقہ زیادہ پسند تھا۔ اکثر پرانا کپڑا پہنا کرتے تھے۔ تین دن میں افطار فرماتے لیکن محض بے نمک کی سبزی پر قناعت کرتے۔ ایک مرتبہ ایک فقیر حاضر خدمت ہوا اور آ کر نہایت عاجزی سے عرض کیا کہ سات لڑکیاں ہیں اور خرچ بالکل نہیں۔ کوئی ایسی صورت بتائیے کہ میں ان کے نکاح وغیرہ سے سبکدوش ہو جاؤں۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ کل تمہارے لئے کوئی صورت تجویز کی جائے گی۔ یہ سن کر وہ فقیر واپس ہوا۔ راستہ میں ایک شخص کافر ملا۔ اس نے حال پوچھا فقیر نے حضرت کے یہاں کی حاضری کا قصہ سنایا۔ اس نے کہا کہ حضرت شیخ خود فقیر ہیں۔ کیا نظم کر سکتے ہیں ان سے جا کر کہو کہ اگر سات سال میری خدمت قبول کریں تو سات ہزار دینار میں حق الخدمت دے سکتا ہوں۔ حضرت شیخ نے اس کو قبول فرمالیا اور اس فقیر کے ساتھ اس کافر کے یہاں تشریف لے گئے وہ دینار اس کو لا کر خود بندگی قبول فرمالی۔ بادشاہ وقت کو اطلاع ہوئی۔ اس نے فوراً سات ہزار دینار حضرت شیخ کی خدمت میں روانہ کر دیئے۔ شیخ نے یہ فرما کر میرا اقرار وعہد بندگی ہوا ہے معاوضہ کا نہیں وہ رقم بھی فقراء کو تقسیم کر دی۔ وہ کافر حضرت کا استقلال دیکھ کر متحیر رہ گیا اور حضرت شیخ کو اپنی بندگی سے آزاد کر دیا۔ حضرت نے اس کے لیے دعا فرمائی کہ تو نے مجھے اپنی قید سے آزاد کر دیا۔ حق جل شانہ تجھ کو دوزخ سے آزاد کرے۔ یہ کلمہ اس پر کچھ ایسا مؤثر ہوا کہ فوراً مسلمان ہو گیا اور حضرت شیخ کی خدمت میں رہ کر علم سلوک حاصل کیا۔

ایک مرتبہ کوئی معتقد کچھ نذرانہ لے کر حاضر ہوا۔ حضرت شیخ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ یہ سب جنگل اسی سے بھرا پڑا ہے۔ اس نے حضرت کے اشارہ کی طرف دیکھا تو سونے کی ایک نہر بہہ رہی تھی اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ حضرت کا پس خوردہ جو شخص کھا لیتا تھا مجذوب ہو جاتا تھا۔

رونے کا آپ پر غلبہ تھا۔ اکثر نعرہ مار کر روتے اور بے ہوش ہو جایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے دریافت کیا کہ آپ اسقدر کیوں روتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جب آیت

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون کاخیال آتا ہے تو تاب نہیں رہتی۔ اس خیال سے کہ پیدائش تو عبادت کے لئے ہے۔ اور میں زید عمرو میں مشغول رہتا ہوں۔

آپ کی وفات تین یا دس رجب ۶۱۲ھ میں ہوئی اور پوری عمر آپ کی ایک سوبیس سال کی تھی اور بعض قول کے موافق آپ کی وفات ۵۸۴ھ اور ۵۸۰ھ میں ہے۔ آپ کے مزار میں اختلاف ہے بعض لوگوں کے نزدیک قنوج میں ہے اور بعض لوگ زندنہ میں بتاتے ہیں اور بعض شام میں۔ آپ کے مشہور خلفاء میں عثمان ہارونی ہیں جن کا ذکر یہ ہے۔

(۱۶)......خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہ

ابوالنور یا ابوالمنصور آپ کی کنیت ہے۔ علوم شریعت وطریقت دونوں میں کمال حاصل تھا۔ کلام اللہ شریف بھی حفظ تھا۔ روزانہ کلام مجید ختم فرمایا کرتے تھے۔ مقام ہارون میں ۵۲۶ھ کو آپ کی ولادت ہوئی۔ خرقہ فقر وخلافت حضرت شیخ حاجی شریف رحمہ اللہ سے حاصل کیا۔ لیکن اپنے دادا حضرت پیر خواجہ قطب الدین سے بھی دعائیں اور برکات حاصل کیں۔ موضع ہارون جو نیشاپور کے نواح میں ہے سکونت اختیار فرمائی۔ ستر سال تک مجاہدہ فرمایا ہے اس دوران میں کبھی پیٹ بھر کر کھانا تناول نہیں فرمایا۔ کہتے ہیں کہ مجاہدہ میں آپ اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ ساتویں دن منہ بھر پانی پیتے تھے۔ حضرت کو خلافت کے وقت شیخ نے کلاہ چارترکی یعنی چارکلیوں کی ٹوپی پہنائی تھیں اور ارشاد فرمایا تھا کہ اس سے چارترکون کی طرف اشارہ ہے ترک دینا۔ ترک آخرت بجز ذات حق سبحانہ تعالیٰ ترک خواب ونوم ترک ہوا نفس۔

حضرت کا معمول اکثر سفر کا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ آتش پرستوں کے شہر میں پہنچے۔ وہاں ان لوگوں نے بہت سی آگ جلا رکھی تھی۔ حضرت نے اپنے خادم کو بھیجا کہ آگ لے آوے اور کھانا پکا دے۔ ان لوگوں نے آگ دینے سے انکار کر دیا۔ اور یہ کہا کہ یہ آگ پرستش کے لئے ہے۔ اس میں سے دینا ہمارے یہاں مذہباً جائز نہیں۔ حضرت خود تشریف لے گئے اور

ان کو بہت سی نصیحت فرمائی کہ آگ ہرگز پرستش کے قابل چیز نہیں۔ پرستش کے قابل صرف وہی ایک ذات لاشریک لہ ہے۔ آگ خود مخلوق ہے۔ اگر اس کی پرستش کروگے تو یہ تم کو خود جلائے گی ورنہ یہ تمہیں قیامت کے دن نہیں جلائیگی۔ یہ سن کر وہ سب کہنے لگے کہ اچھا آپ آگ کو نہیں پوجتے۔ اس لئے اس میں جا کر دکھلایئے کہ وہ اثر کرتی ہے یا نہیں۔ حضرت نے یہ سن کر وضو فرمائی اور دوگانہ ادا کیا۔ اس کے بعد ان کے پاس سے سردار کے ایک کم سن بچے کو گود میں لے کر اس آگ میں چلے گئے اور دو گھنٹہ اس میں رہے۔ آگ نے اس بچہ تک میں کوئی اثر نہیں کیا۔ یہ ولایۃ ابراہیمی تھی، یعنی حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزہ کا پرتو تھا۔ اس پر وہ سب مع اس سردار کے مسلمان ہو گئے۔ اس سردار کا اسلامی نام عبداللہ رکھا گیا اور اس کے لڑکے کا نام ابراہیم پھر حضرت شیخ کے خدام میں داخل ہو گئے۔

خواجہ معین الدین ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضرت شیخ کے ساتھ جار ہا تھا دریا پر گذر ہوا۔ اتفاقاً کوئی کشتی موجود نہیں تھی۔ حضرت شیخ نے ارشاد فرمایا کہ آنکھیں بند کرلو۔ میں نے آنکھیں بند کرلیں۔ تھوڑی دیر بعد ارشاد فرمایا کہ کھول دو میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا کہ دریا کے پار کھڑے ہیں۔ میں نہیں سمجھا کہ کس طرح گئے اور کیسے پہنچے۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے آ کر عرض کیا کہ میرا لڑکا ایک عرصہ سے گم ہے۔ کہیں پتہ نہیں چلتا۔ حضرت اس طرف توجہ فرمائیں اور دعا کریں۔ حضرت نے تھوڑی دیر مراقبہ کیا اور مراقبہ کے بعد فرمایا کہ تمہارا لڑکا تمہارے گھر آ گیا۔ اس کو سخت حیرت ہوئی جا کر دیکھا تو وہ موجود تھا۔ فوراً شکریہ کے لئے اس کو حضرت شیخ کی خدمت میں لایا۔ لوگوں نے اس سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ عرصہ سے ایک جزیرہ میں محبوس تھا۔ اسی وقت دفعتہً ایک بزرگ جو حضرت کی صورت کے تھے تشریف لے گئے اور فرمایا کہ چل اور میرے دونوں پاؤں اپنے پاؤں پر رکھوا کر آنکھیں بند کرادیں۔ تھوڑی دیر میں ارشاد فرمایا کہ کھولدے میں نے آنکھیں کھولیں تو اپنے گھر تھا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین کو ایک شب و روز میں واصل الی اللہ کر دیا تھا۔ حضرت شیخ کا مقولہ ہے کہ جس شخص میں تین خصلتیں ہوں وہ اپنے آپ کو حق تعالیٰ

شانہ کا دوست سمجھے۔ اول سخاوت دریا جیسی، دوسرے شفقت آفتاب جیسی، تیسرے انکساری زمین جیسی، حضرت خواجہ معین الدین صاحب سے منقول ہے کہ آپ اپنے ایک پیر بھائی کے دفن میں شریک ہوئے۔ دفن کے بعد سب لوگ متفرق ہو گئے اور آپ کچھ دیر وہاں رہے۔ قبر کا حال منکشف ہوا۔ کسی جرم میں صاحب قبر کے پاس عذاب کے فرشتے آئے۔ تو حضرت شیخ خواجہ عثمان ہارونی بھی تشریف لائے اور عرض کیا کہ میرے سے تعلق رکھنے والوں میں ہے۔ حضرت کی سفارش سے اس کا عذاب ملتوی ہو گیا۔

حضرت شیخ کا وصال پانچ شوال ۶۱۷ھ میں ہوا۔ بعض لوگوں نے ۶۰۳ھ میں ہونا بھی بتلایا ہے۔ مکہ مکرمہ میں آپ کا مزار ہے۔ سن وفات ۵۲۷ھ اور ۵۹۷ھ اور ۶۳۳ھ بھی بتلایا گیا ہے۔ حضرت کے چار خلیفہ مشہور تھے۔ خواجہ معین الدین اجمیری، خواجہ نجم الدین صغری، شیخ سوری منگوہی، خواجہ محمد ترک۔ ان میں سے ہندوستان کا منتہائے سلاسل حضرت خواجہ معین الدین ہیں وہی اس شجرہ میں بھی مذکور ہیں۔ ان کا ذکر یہ ہے۔

(خزینۃ الاولیاء، ملفوظات انوار العاشقین، سفینۃ الاولیاء تعلیم الدین)

(۱۷)...... خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہ

آپ کے والد کا اسم شریف غیاث الدین سنجری تھا۔ آپ کی پیدائش باتفاق اہل تواریخ ۵۳۷ھ ایران کے علاقہ سیستان قصبہ سنجر میں ہوئی۔ آپ ہندوستان کے امام الطریق تھے۔ آپ ہی سے ہندوستان میں علوم معرفت کا افتتاح ہوا۔ اور سلسلہ چشتیہ ہندوستان میں آپ ہی سے پھیلا اور ہندوستان میں نوے لاکھ آدمی آپ کے ہاتھ پر اسلام لائے، آپ کا نسب گیارہ پشت پر حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ آپ کے کمالات بحر لا متناہی ہیں حتیٰ کہ کہتے ہیں کہ جس پر نظر ڈالتے تھے۔ صاحب معرفت ہو جاتا تھا۔ علوم ظاہریہ و باطنیہ دونوں میں کمال حاصل تھا۔ آپ کی عمر پندرہ سال کی تھی جبکہ آپ کے والد نے انتقال فرمایا۔

سلوک کی ابتدا:

تقسیم وراثت میں آپ کے حصہ میں ایک باغ آیا۔ اس کی نگرانی آبپاشی وغیرہ خاص طور سے فرماتے تھے ایک مرتبہ اس میں مشغول تھے کہ ایک مجذوب ابراہیم قہندزری باغ میں تشریف لائے۔ حضرت شیخ نے ان کی بڑی تعظیم وتکریم کی اور ان کے لئے کچھ انگور اور کچھ پھل لے کر آئے۔ ابراہیم مجذوب نے اپنے دانتوں سے چبا کر حضرت خواجہ کو دیا۔ جس کے کھاتے ہی باغ میں ایک نور ظاہر ہوا اور حضرت خواجہ کی حالت دگرگوں ہوگئی۔ دنیا سے بالکل منقطع حق تعالیٰ جل شانہ وعم نوالہ کی طرف خاص کشش پیدا ہوگئی۔ باغ وغیرہ فروخت کر کے فقراء کو تقسیم کر دیا اور سفر کے لئے چل دیئے اول سمرقند پہنچے۔ وہاں حفظ قرآن اور تعلیم علوم ظاہری میں مشغول رہے۔ اس سے فراغت کے بعد عراق تشریف لے گئے۔ اور قصبہ ہارون میں پہونچ کر خواجہ عثمان ہارونی سے بیعت ہوئے اور ایک ہی دن میں تکمیل ہوگئی اور ساتھ ہی ساتھ حضرت شیخ کی توجہ سے سب علوم حاصل ہوئے اور اس کے بعد امتثال امر کی وجہ سے بیس سال حضرت کی خدمت میں اور رہے۔

اتباع سنت کا ایک واقعہ:

حضرت حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی صاحب اپنے ملفوظات میں تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے بزرگان سلف کے تذکرے دیکھے ہیں ان کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ان کی حالت اور طرز وہ نہ تھا جو آج کل کے اکثر مشائخ کا ہے۔ ان مشائخ کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ اتباع شریعت کو وصول الی اللہ کے لئے چنداں ضروری نہیں سمجھتے اور ان کا اعتقاد ہے کہ شریعت اور ہے طریقت اور ہے۔ بلکہ بزرگان سلف کا حال تقویٰ طہارت اور اتباع سنت میں صحابہ کا سا تھا۔ چنانچہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ لکھا ہے کہ ایک بار آپ وضو کرنے میں انگلیوں کا خلال کرنا بھول گئے تو غیب سے آواز آئی کہ محبت رسول کا دعویٰ اور سنت کا ترک؟ آپ نے فوراً توبہ کی کہ آئندہ ایسی حرکت نہیں کروں گا اور لکھا ہے کہ آپ کی یہ حالت تھی کہ جہاں آپ آگ دیکھتے تو کانپ اٹھتے کہ کہیں قیامت کے روز اس کی سزا نہ

ہو۔تو اتباع سنت میں ان حضرات کا وہی حال تھا جو حضرات صحابہ کا تھا۔

حضرت شیخ ہندوستان کی ولایت پر آپ کو مامور فرما کر حج کو تشریف لے گئے حضرت کے یہاں سے واپسی پر مشاہیر مشائخ نجم الدین کبریٰ اور حضرت غوث الاعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی وغیرہ حضرات کی زیارت وفیوض سے متمتع ہوتے ہوئے ہندوستان تشریف لائے۔

خوارق وکرامات:

حضرت شیخ کی کرامات بہت زیادہ ہیں۔ یہ مختصر رسالہ ان کا متحمل نہیں۔ از آنجملہ ایک مرتبہ حضرت اپنے دوران سفر میں ہرات تشریف لے گئے۔ وہاں ایک شیعی امیر تھا۔ وہ اس قدر متعصب واقع ہوا تھا کہ حضرات ثلثہ کے نام پر اگر کوئی شخص نام رکھتا تھا تو اس کو قتل کرا دیتا تھا۔ حضرت شیخ کا گذر اس کے خاص باغ میں کو ہوا۔ وہاں لب حوض تشریف فرما ہوئے وہ شخص باغ میں آیا اور حضرت کو لب حوض دیکھ کر غضبناک ہو کر کسی تکلیف دہی کا ارادہ کیا۔ حضرت نے اس پر ایک نگاہ ڈالی وہ بیہوش ہو کر گر گیا۔ حضرت شیخ نے تھوڑی دیر میں اس پر حوض کا پانی ڈالا۔ جس سے وہ ہوش میں آیا۔ لیکن اس حالت میں کہ سخت معتقد تھا اور مع اپنے ارا کین کے حضرت سے بیعت ہو گیا اور خلافت ظاہری و باطنی سے آپ کا نائب وامیر بنا۔

ایک بڑی رقم نذرانہ کی پیش کرنا چاہی مگر حضرت نے یہ فرما کر کہ یہ مال تمہارا نہیں۔ تمہیں حق نہیں واپس کر دیا۔ اس سفر میں اور بھی بہت سی کرامتیں حضرت سے صادر ہوئیں۔ حضرت تمام سفر سے ہر جگہ کے اکابر ومشائخ سے حصول فیوض کرتے ہوئے دس محرم ۵۶۱ھ کو اجمیر شریف رونق افروز ہوئے۔ وہاں سب سے پہلے مرید حضرت کے میر سید حسین صاحب تھے جو اول مذہب شیعہ رکھتے تھے، بعدہ اس سے تائب ہو کر حضرت سے بیعت ہوئے اور کمال حاصل کیا۔ اس کے بعد ہزار ہا خلقت داخل سلسلہ ہوئی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی بنا پر ہندوستان تشریف لائے۔ اجمیر کی تعیین حضرت (معین الدین) نے ظاہر ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے کی ہوگی۔ وہاں کے تشریف لے جانے اور قیام کا

قصہ طویل اور مشہور ہے اس لئے کہ اس کو مختصر کرتا ہوں کہ حضرت وہاں تشریف لے گئے اور آبادی سے باہر ایک جگہ تشریف فرما ہوئے کہ ساربان نے آ کر عرض کیا کہ یہ شاہی اونٹوں کی جگہ ہے اس جگہ سے تشریف لے جائیں آپ وہاں سے اٹھ کر رانا ساگر نامی تالاب کے قریب تشریف لے گئے اور جا کر تشریف فرما ہوئے۔ لیکن اونٹ اپنی جگہ کچھ ایسے سل گئے کہ اٹھ نہ سکے۔ ساربان نے راجہ پرتھوی راج سے جا کر قصہ سنایا اور شکایت کی۔ اس نے کہا کہ بغیر اس کے کوئی چارہ نہیں کہ اس درویش کے پاس جا کر پاؤں پکڑ لیے جائیں۔ راجہ خود بھی بہت سی زکیں اٹھا چکا تھا جس ساحر جادوگر کو بلاتا وہی نہ صرف ناکام بلکہ حضرت کا معتقد یا مرید ہو جاتا۔

رانا ساگر نامی نے تالاب پر ایک گائے ذبح کی کفار نے حملہ کیا مگر شکست کھائی۔ اس کے بعد وہ لوگ اپنے دیو کے پاس شکایت لے کر گئے اس نے کئی مرتبہ جادو کیا لیکن اس کا کوئی بھی اثر حضرت پر نہیں ہوا۔ یہ دیکھ کر وہ دیو بھی اسلام لے آیا بالآخر مجبور ہو کر راجہ نے مزاحمت چھوڑ دی اور حضرت شیخ نے جنگل سے آبادی میں قیام فرمایا۔ حضرت کثیر المجاہدہ تھے۔ ستر سال رات کو نہیں سوئے۔ آپ کے کمالات بیان وتحریر سے باہر ہیں۔ آپ کے کمال کی انتہا ہے کہ آپ کے شیخ آپ کی بیعت پر فخر فرماتے تھے۔

جود وسخاوت:

حضرت خواجہ قطب الدین سے نقل ہے کہ میں بیس سال حضرت کی خدمت میں رہا ہوں۔ کبھی کسی کو حضرت نے انکار نہیں فرمایا۔ جب کوئی شخص کچھ مانگنے آتا۔ حضرت مصلے کے نیچے ہاتھ ڈال کر جو اس کی قسمت کا ہوتا وہ اس کو مرحمت فرما دیتے۔ آپ کا یہ بھی بیان ہے کہ میں نے اس عرصہ میں حضرت کو غصہ ہوتے نہیں دیکھا۔

ارشادات:

آپ کا مقولہ ہے کہ معرفت حق کی علامت ہے کہ خلقت سے بھاگنے لگے فرمایا کرتے تھے کہ اہل معرفت کی عبادت پاس انفاس ہے اور شقاوت کی علامت یہ ہے کہ آدمی مبتلائے

معصیت ہو اور پھر بھی اپنے آپ کو مقبول سمجھے۔

حضرت کا مقولہ ہے کہ بیس سال میں نے حضرت شیخ کی خدمت سے نفس کو مہلت نہیں لینے دی نہ رات کی خبر ہوتی تھی نہ دن کی۔ حضرت شیخ نے جب میری خدمت کی طرف توجہ فرمائی تو وہ بے انتہا نعمت عطا فرمائی کہ اس کا بیان بھی ناممکن ہے اور یہ فرمایا کہ جو کچھ ملتا ہے خدمت سے ملتا ہے۔

کسی نے آپ سے پوچھا کہ مرید ثابت قدم کب ہوتا ہے آپ نے فرمایا کہ جب فرشتہ بیس سال تک کوئی برائی اس کے نامہ اعمال میں نہ لکھے۔

وفات:

آپ کی وفات سلطان التمش کے دور میں ہے اور تاریخ وفات بقول جمہور اہل تاریخ رجب یوم دوشنبہ ہے۔ بعض لوگوں نے تیس ذی الحجہ بھی کہی ہیں۔ مگر صحیح پہلا ہی قول ہے۔ لیکن سن وفات میں سخت اختلاف ہے۔ ۶۳۲، ۳۳، ۳۶ھ، ۱۳۷ اتنے اقوال ہیں۔ عمر میں بھی چند قول ہیں۔ بعض نے چھیانوے سال اور بعض نے ایک سو چار اور بعض نے ایک سو سات سال بتائی ہے۔ مزار اجمیر شریف میں ہے۔ آپ کے خلفاء کی تعداد بے حد ہے۔ مشاہیر بھی تیرہ، چودہ ہیں۔ اس لئے ان کے اسمائے گرامی کو بڑی کتابوں کے حوالہ کر کے اپنی غرض پر اکتفا کرتا ہوں۔

(خزینۃ الاولیاء، انوار العاشقین، تعلیم الدین، ملفوظات حضرت حکیم الامت)

(۱۸)...... حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ اکابر اولیاء مستجاب الدعوات بزرگوں میں ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے حضرت امام جعفر صادق سے ملتا ہے۔ قصبہ اوش جو ماور النہار کے قصبات میں سے ہے آپ کا مسکن ہے آپ کی ولادت قصبہ اوش میں ۵۸۲ھ میں ہوئی ولادت اگرچہ آدھی رات کو ہوئی تھی لیکن انوار کی کثرت نے دیکھنے والوں پر دن کا شبہ کر دیا تھا۔

تعلیم و تربیت:

آپ کی عمر ڈیڑھ سال کی تھی کہ آپ کے والد سید کمال الدین احمد بن موسیٰ نے انتقال فرمایا۔ آپ کو آپ کی والدہ نے پرورش کرنا شروع کیا۔ جب آپ کی عمر پانچ سال ہوئی تو آپ کی والدہ نے کسی معلم کے حوالہ کرنے کے لئے ہمسایہ کے ساتھ آپ کو بھیجا۔ راستہ میں ایک بزرگ ملے انہوں نے دریافت کیا کہ اس لڑکے کو کہاں لے جاتے ہو۔ اور یہ جواب سن کر کہ تعلیم کے لئے مکتب لے جارہا ہوں فرمایا کہ میرے حوالہ کرو۔ میں ایک معلم کے پاس بٹھادوں گا۔ ہمسایہ نے ان کے حوالہ کردیا۔ وہ بزرگ خواجہ ابوحفص اوشی قدس سرہ کے پاس لے گئے اور فرمایا کہ احکم الحاکمین کا حکم ہے کہ اس لڑکے کو توجہ سے پڑھاؤ اور یہ فرما کر چلے گئے حضرت استاد نے دست شفقت پھیر کر شاگرد سے فرمایا کہ بڑے صاحب نصیب ہو کہ حضرت خضر علیہ السلام تمہیں میرے حوالہ فرما گئے ہیں۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ جب خواجہ قطب الدین قصبہ اوش میں پہنچے تو آپ کی عمر چار سال چار ماہ کی تھی۔ آپ حضرت شیخ کی خدمت میں علم ظاہری کی تحصیل کے لئے حاضر ہوئے۔ حضرت نے تختی لے کر کچھ تحریر فرمانے کا ارادہ کیا کہ نداء غیبی سے یہ معلوم ہوا کہ خواجہ صاحب کی تحصیل ظاہری قاضی حمید الدین ناگوری کے حوالہ ہے۔ اس لئے حضرت شیخ نے وہ تختی رکھ دی۔ اس کے بعد قاضی حمید الدین صاحب سے آپ نے کلام مجید ختم فرمایا تعلیم الدین میں یہ واقعہ بہت مختصر الفاظ میں تحریر کیا گیا ہے اس میں لکھا ہے کہ ہاتف غیبی کی آواز سے قاضی حمید الدین ناگوری چشم زدن میں آنکھیں بند وہاں پہنچے تختی لے کر پوچھا اے قطب الدین کیا لکھوں؟ فرمایا لکھو سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ الایۃ قاضی صاحب نے متعجب ہوکر پوچھا۔ تو کہا کہ پندرہ پارے والدہ سے میں نے یاد کئے ہیں۔ پس چار دن میں قرآن شریف ختم کرادیا۔ حضرت نے علوم ظاہری کی بہت جلد تکمیل فرمائی۔

بیعت وارشاد:

بلوغ کے قریب ہی علوم باطنیہ کا شوق ہوا۔ اور حضرت خواجہ معین الدین صاحب سے بیعت ہوئے۔ بعض لوگوں نے پانچ رجب کو مسجد ابواللیث میں آپ کا بیعت ہونا تحریر کیا ہے

اور سترہ سال کی عمر میں خرقہ اجازت حاصل کرلیا۔ آپ حضرت خواجہ صاحب کے سب سے اول خلیفہ ہیں۔ حضرت شیخ ہی کے ارشاد سے دہلی قیام فرمایا۔ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم ارواح میں خواجہ معین الدین صاحب کو حکم فرمایا تھا کہ قطب الدین خدا کا دوست ہے اس کو خرقہ پہناؤ اور دہلی کی ولایت بھی بحکم الٰہی متعین کی گئی تھی۔ اپنی حاضری آستانہ شیخ پر اوائل رمضان ۵۸۴ھ لکھی ہے۔ اس بنا پر ممکن ہے پیدائش اس سے پہلے ہوئی جو لکھی گئی۔

آپ دہلی کے قیام میں ایک مرتبہ اجمیر حاضر ہوئے تو اہل دہلی کو آپ کی مفارقت سخت گراں ہوئی۔ حضرت شیخ کی خدمت میں التجا و اصرار کیا۔ حضرت نے جلد دہلی کو واپس کر دیا۔

حضرت اکثر اوقات غیاث پور سے حضرت خواجہ معین الدین کے مزار کی زیارت کو جاتے۔ ایک مرتبہ دل میں وسوسہ پیدا ہوا کہ میرے آنے کی نہ معلوم حضرت خواجہ صاحب کو خبر بھی ہوتی ہے یا نہیں۔ جب مزار کے قریب پہنچے اور زیارت سے مشرف ہوئے تو صراحۃً دیکھا کہ آپ کی قبر پر حاضر ہوں اور حضرت فرمارہے ہیں۔

مرا زندہ پندار چوں خویشتن
من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن

ہر شب کو علاوہ دیگر معمولات کے تین ہزار مرتبہ درود شریف بھی آپ کا معمول تھا۔ نکاح کے زمانہ میں بیوی کی ملاطفت کو مقدم سمجھ کر دو تین روز نہیں پڑھ سکے کہ انیس احمد نامی ایک خادم تھا۔ اس نے خواب دیکھا کہ ایک بڑا عالیشان محل ہے اس کے باہر ایک بڑا مجمع اکٹھا ہو رہا ہے۔ لیکن اندر کوئی نہیں جاتا۔ ایک پشتہ بزرگ ہیں جو اندر باہر آتے جاتے ہیں۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ مکان میں حضور اقدس فخر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور یہ بزرگ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ جو باہر والوں کے پیام لے جاتے ہیں۔ ان انیس احمد نے بھی تمنائے زیارت کا اظہار کیا اور درخواست اجازت کی پیش کی۔ وہاں سے حکم ہوا کہ تم میں ابھی زیارت کی اہلیت نہیں۔ البتہ قطب الدین سے سلام کہو اور یہ کہو کہ تین

دن سے تمہارا تحفہ نہیں پہنچا۔ سو رکعت روزانہ آپ کا معمول تھا آپ پر استغراق کا غلبہ رہتا تھا۔ کوئی شخص جب حاضر خدمت ہوتا تو آپ کو دیر تک اس کے آنے کا علم نہیں ہوتا، آپ کے خوارق وکرامات بہت ہیں۔

وفات:

ایک مرتبہ کسی شخص سے یہ شعر سنا۔

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زمان از غیب جانے دیگر است

یہ سن کر حضرت چار روز سکر کی حالت میں رہے اور پانچویں روز انتقال فرمایا۔

آپ کا جب وصال ہوا تو خواجہ شمس الدین التمش سلطان دہلی نے آپ کو غسل دیا۔ اس کے بعد آپ کے خلیفہ خواجہ ابوسعید تبریزی نے حضرت کی یہ وصیت سنائی کہ میرے جنازہ کی نماز وہ شخص پڑھاوے جس نے کبھی حرام کے لئے کمر بند نہ کھولا ہو۔ سنت عصر اور تکبیر اولیٰ جماعت کی کبھی فوت نہ کی ہو۔ یہ سن کر تھوڑی دیر سکتہ کا عالم رہا۔ اس کے بعد سلطان التمش الدین آگے بڑھے اور فرمایا کہ میرا دل چاہتا تھا کہ کوئی شخص میرے حال پر مطلع نہ ہو مگر حضرت شیخ نے اظہار فرما دیا۔

حضرت اقدس تھانوی نے اپنے ایک ملفوظ میں اس قصہ کو ان الفاظ سے ذکر فرمایا ہے۔ حضرت شیخ نے یہ وصیت کی تھی کہ میری نماز جنازہ وہ پڑھائے جس کی ساری عمر نامحرم پر نظر نہ پڑی ہو۔ بڑے بڑے لوگ موجود تھے۔ اور سب حیران تھے کہ ایسے شخص کو کہاں تلاش کریں۔ آخر کار جب لوگ مایوس ہو گئے تو مجبوراً سلطان التمش کو ظاہر کرنا پڑا اور فرمایا کہ صاحبو! اگر حضرت ارشاد نہ فرماتے تو کبھی میں ظاہر نہ کرتا۔ مگر جب شیخ ہی نے پردہ فاش کر دیا تو کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت مجھ کو نصیب کی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے شیخ کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ (القول الجلیل)

منقول ہے کہ آپ کا لقب کاکی اس وجہ سے مشہور ہوا کہ جب آپ دہلی میں رہنے لگے تو کسی سے کوئی چیز قبول نہیں فرماتے تھے اور مستغرق رہتے تھے۔ ان ایام میں آپ کے یہاں

کوئی غلام باندی نہیں تھی۔ ایک مسلمان دوکاندار شرف الدین نامی آپ کا ہمسایہ تھا۔ اور اس کی عورت کبھی کبھی آپ کی اہلیہ کے پاس آتی تھی۔ ایک مرتبہ حضرت کے یہاں کھانے کے لئے کوئی چیز نہیں تھی۔ ایک دو وقت کے فاقے بھی ہو چکے تھے۔ حضرت کی اہلیہ نے اس عورت سے نصف ٹکہ یا کم وبیش قرض لیا۔ ایک روز اس عورت نے اہلیہ محترمہ سے کہا کہ اگر ہم تمہیں قرض نہ دیں تو تم بھوکے مرجاؤ۔ یہ بات اہلیہ کو ناگوار ہوئی۔ اور عہد کرلیا کہ آئندہ ہرگز قرض نہیں لیں گی۔ ایک روز فرصت پاکر حضرت سے بھی یہ بات عرض کردی۔ حضرت نے تھوڑی دیر تامل کے بعد فرمایا کہ اس عورت سے کوئی چیز قرض نہ لینی چاہیئے۔ اور ایک طاق کی طرف اشارہ کرکے فرمایا ضرورت کے وقت بسم اللہ پڑھ کر اس میں سے کاک نکال لیا کرو۔ اور جس کو چاہو دیدیا کرو۔ چنانچہ اہلیہ محترمہ اس میں سے کاک نکالتی رہتیں اور بانٹ دیا کرتیں۔

حضرت شیخ کا وصال چودہ یا چوبیس ربیع الاول ۶۳۴ھ یا ۶۳۳ھ بروز دوشنبہ پچاس یا باون یا چوہتر سال کی عمر میں ہوا ہے۔ اور قصبہ مہرولی جو دہلی سے قطب صاحب کی جانب ہے۔ وہاں آپ کا مزار ہے۔ اول ایک زمانہ تک بالکل کچا رہا۔ گنبد وغیرہ بھی کچھ نہیں تھا۔ مگر ۹۴۰ھ سے وہاں کچھ عمارت گنبد وغیرہ بننا شروع ہوئی۔ حضرت شیخ کے خلفا بہت زیادہ ہیں۔ بائیس تک کے نام بھی کتابوں میں درج ہیں۔ لیکن سلسلہ صرف ان تین حضرات سے جاری ہوا۔

خواجہ فرید الدین گنج شکر، شیخ بدرالدین غزنوی، شاہ خضر قلندر راوی، ان کے علاوہ خواجہ شمس الدین التمش سلطان دہلی بھی حضرت کے مشاہیر خلفاء میں تھے۔

(خزینۃ الاولیاء، ملفوظات، تعلیم الدین، القول الجلیل، تذکرۃ المعین)

(۱۹)...... شیخ فرید الدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے والد ماجد شیخ جمال الدین سلطان محمود غزنوی کے بھانجے تھے۔ آپ کا اسم

گرامی مسعود اور لقب فرید الدین تھا۔آپ کا نسب حضرت امیر المومنین خلیفہ ثانی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے۔

توکل واستغناء:

آپ کے دادا قاضی شعیب ہلاکو کے زمانہ میں اپنے وطن مالوف کابل کو چھوڑ کر لاہور تشریف لے آئے تھے۔وہاں کے قاضی منصور نے (جنہوں نے کابل تشریف لے جاکر علم حاصل فرمایا تھا) شاہ دہلی کو خبر دی۔وہاں سے درخواست منصب آئی۔مگر آپ نے منظور نہیں فرمائی اور ملتان تشریف لے گئے۔شاہ دہلی نے صوبہ ملتان کے حاکم کو پروانہ بھیجا اور جاگیری کی درخواست واصرار کیا۔آپ نے منظور فرمالیا۔اس ہی علاقہ ملتان میں کھوٹوال کی جاگیر آپ کی خدمت میں پیش ہوئی اور آپ نے وہاں اقامت فرمائی اور وہیں حضرت شیخ کی ولادت ۵۸۴ھ یا ۵۸۵ھ یا ۵۶۹ھ میں کھوٹوال مضافات ملتان میں ہوئی اور وہیں نشوونما پایا۔علوم ظاہری کی تکمیل کچھ ملتان میں قاضی منہاج الدین صاحب کی مسجد میں فرمائی اور وہیں حضرت شیخ خواجہ قطب الدین صاحب کی بیعت کی اور باقی کی تکمیل کابل میں فرمائی۔

حضرت شیخ نظام الدین ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ کی والدہ نماز پڑھ رہی تھیں کہ اتفاقاً ایک چور چوری کرنے آیا۔جب اس کی نگاہ والدہ پر پڑھی تو فوراً اندھا ہو گیا۔اس نے آواز دی کہ میں اگرچہ چوری کی نیت سے آیا تھا اور نابینا ہو گیا۔اب میں عہد کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی چوری نہ کروں گا۔حضرت شیخ کی عمر اس وقت تقریباً چھ سال تھی۔حضرت نے دعا کی اللہ کے فضل سے وہ اچھا ہو گیا۔صبح جاکر مع اہل وعیال آیا اور مشرف باسلام ہوا۔عبداللہ نام تجویز ہوا اور آخیر تک حضرت شیخ کی خدمت میں رہا۔

گنج شکر کے ساتھ مشہور ہونے کی وجوہ

آپ کے گنج شکر کے ساتھ لقب ہونے میں چند اقوال نقل کیے جاتے ہیں۔منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ آپ نے مجاہدہ کا ارادہ کیا۔شیخ نے بھوکا رہنا بتلایا۔آپ نے روزے

شروع کر دیئے۔ تین دن بعد ایک شخص چند روٹیاں لے کر حاضر ہوا، آپ نے اس کو اشارہ غیبی سمجھ کر نوش فرمالیا۔ کھانے کے بعد تھوڑی ہی دیر میں امتلا ہوا اور سب قے کے راستہ نکل گیا۔ آپ نے اپنے شیخ سے یہ قصہ نقل کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ تین دن کے بعد تو کھایا پھر بھی شرابی کے کھانے سے کھایا۔ حق تعالیٰ کا شکر ہے کہ وہ کھانا پیٹ میں نہ رہ سکا اب تین دن اور بھوکے رہو اور جو غیب سے آوے اس کو کھاؤ۔ تین دن گذرنے کے بعد کچھ نہ آیا۔ ضعف بے حد غالب ہو گیا۔ شدت بھوک میں کچھ کنکریاں اٹھا کر منہ میں ڈال لیں وہ شکر بن گئیں۔ شیخ نے یہ سمجھ کر کہ کہیں دھوکا نہ ہوا ان کو تھوک دیا۔ تھوڑی دیر بعد پھر شدت بھوک سے مجبور ہو کر کنکریاں اٹھا کر منہ میں ڈالیں وہ بھی شکر بن گئیں۔ ایسے ہی تین مرتبہ ہوا۔ صبح کو حضرت شیخ سے عرض کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ بہتر کیا کہ وہ کھالیا۔ اسی دن سے آپ کو گنج شکر کہنے لگے۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ ساتویں دن حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہو رہے تھے کہ بھوک کی وجہ سے گر پڑے اور منہ کو مٹی لگ گئی وہ مٹی شکر بن گئی۔ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ ایک سوداگر سے شکر مانگی اس نے کہا میرے پاس تو نمک ہے۔ آپ نے فرمایا کہ نمک ہی ہوگا۔ دیکھا تو وہ شکر نمک بن گیا۔ اس پر اس سوداگر نے معذرت کی، جس پر وہ شکر میں تبدیل ہو گیا۔

اس کے علاوہ اور بھی اس لقب کی وجوہ مشہور ہیں۔ آپ نے مجاہدات ابتداء میں بہت کئے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ نے کنویں کا مجاہدہ بھی کیا۔ اور جب کوئی جانور کبوتر، کوا وغیرہ اس کی من پر آتا یا آپ کے پاؤں پر بیٹھ کر ٹھونگ مارتا تو آپ یہ شعر پڑھتے۔

کاکا سی تن کھائیو اور چن چن کھائیو ماس
دو نیناں مت کھائیو کہ پیا ملن کی آس

حضرت سلطان المشائخ فرماتے تھے کہ حضرت شیخ کی داڑھی میں ایک بال ٹوٹ گیا تھا۔ میں نے درخواست کی کہ اگر اجازت ہو تو میں استبرا کا تعویذ کے لئے اس کو لے لوں۔ حضرت نے اجازت فرمادی تو میں نے اس کو لے لیا۔ اور ایک کپڑے میں لپیٹ کر رکھ لیا۔

جب کوئی شخص بیمار ہوتا تو میں وہ تعویذ اس کو دیدیتا۔ جب وہ اچھا ہو جاتا تو واپس کر دیتا۔ اسی طرح میں نے اس کے بہت سے اثرات دیکھے۔ اتفاقاً ایک دوست زادہ بیمار ہوا۔ اس نے طلب کی۔ میں نے ہر چند اس کو تلاش کیا وہ نہ ملا۔ اس بے چارہ کا انتقال ہو گیا۔ ایک مرتبہ کسی دوسرے کے واسطے تلاش کیا تو اسی طاق میں مل گیا۔ اس وقت مجھے خیال ہوا کہ اس بے چارہ کی موت ہی مقدر تھی۔ جس وجہ سے یہ تعویذ نہ مل سکا۔

آپ کے دادا پیر حضرت خواجہ معین الدین قدس سرہ نے آپ کے بارے میں بڑے تعریفی الفاظ فرمائے ہیں۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ قطب الدین نے بڑے شہباز کو مقید کیا ہے۔ ایک مرتبہ فرمایا یہ ایک شمع ہے جو درویشوں کے گھر کو منور کرے گی اور اپنے وقت کا غوث و قطب ہو گا۔ جب حضرت خواجہ قطب الدین کا وصال ہونے لگا تو انہوں نے آپ کو بلایا اور اپنی نیابت کی وصیت فرمائی۔ آپ پر فقر غالب تھا، اہل وعیال کو بھی بارہا بھوکا رہنے کی نوبت آتی تھی۔ آپ کا مقولہ ہے کہ جب گدڑی پہنے تو اس کو سمجھ لینا چاہیے کہ کفن پہن رہا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت خواجہ قطب الدین کے یہاں ان کے شیخ خواجہ معین الدین مہمان ہوئے۔ مہمان اور میزبان دونوں کی چارپائیاں ایک ہی حجرہ میں تھیں خواجہ فرید الدین معمول کے مطابق رات کو اپنے شیخ یعنی خواجہ قطب الدین کے پاؤں دبانے کے لئے گئے۔ شیخ نے اپنے شیخ یعنی خواجہ معین الدین کے پاؤں کی طرف اشارہ کیا۔ یہ چند منٹ پاؤں دبا کر اپنے شیخ کے پاس آ گئے۔ اور فرمایا دل تو یہاں دے رکھا ہے اور کہاں جاؤں۔ اس پر معین الدین نے فرمایا میاں قطب الدین اس کو تو کچھ دے دو۔

وفات:

حضرت شیخ کی وفات پانچ محرم ۶۶۴ھ یا ۶۶۸ھ سہ شنبہ کو ہوئی اور بقول صاحب تاریخ فرشتہ ۶۶۰ھ میں ہوئی۔ پاک پٹن ضلع ملتان میں آپ کا مزار ہے جو لاہور اور ملتان کے درمیان ہے۔

حضرت شیخ کے خلفاء کی تعداد اس قدر زائد ہے کہ مطولات بھی اس کا احاطہ نہیں کرسکیں۔

ستر ہزار تک شمار بتلایا جاتا ہے۔ جواہر فریدی میں حضرت کے خلفاء کی تعداد پانچسوں چوراسی لکھی ہے۔ ان سب میں مشہور زمانہ حضرت شیخ المشائخ خواجہ علاؤالدین علی احمد صابر کلیری ہیں جن کا تذکرہ آگے آرہا ہے۔ (خزینۃ الاولیاء، انوار العاشقین، المعین، تعلیم الدین)

(۲۰)......خواجہ علاؤالدین علی احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت شیخ فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے بھانجے اور اکابر خلفاء میں سے ہیں۔ ۵۹۲ھ میں ملتان کے ایک مقام کوتوال میں آپ کی پیدائش ہوئی۔ نسبتاً سید حسنی تھے۔ آپ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔ خواجہ علاؤالدین بن شاہ عبدالرحیم عبدالسلام بن شاہ سیف الدین عبدالوہاب بن حضرت غوث الثقلین پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی۔

حضرت خواجہ فرید کے لنگر خانہ کی خدمت بارہ سال تک حضرت خواجہ صاحب کے حوالہ رہی لیکن حضرت خواجہ نے بوجہ اذن صریح نہ ہونے کے کبھی اس میں سے کچھ تناول نہیں فرمایا بلکہ ہمیشہ روزہ دار رہتے حضرت کے دریافت فرمانے پر آپ نے عرض کیا کہ غلام کی کیا مجال تھی کہ بدون ارشاد حضرت اقدس کے اس میں تصرف کرتا - حضرت نے یہ جواب سن کر آپ کو صابر کا خطاب مرحمت فرمایا۔

ایک خادم نے حضرت فریدالدین گنج شکر سے اجازت مانگی کہ آپ کے خلفاء سے ملنے کو جی چاہتا ہے وہ اجازت لے کر حضرت علاؤالدین علی احمد صابر کے پاس آیا آپ غلبہ استغراق کی وجہ سے کسی آنے جانے والے سے واقف نہیں ہوتے تھے حضرت شمس الدین ترک نے (جو خدمت میں رہتے تھے) آواز بلند ہوشیار کیا، اور عرض کیا کہ حضرت پیرومرشد کا خادم آیا ہے اور حضرت کا سلام لایا ہے آپ نے جواب دینے کے بعد فرمایا کہ میرے شیخ کیسے ہیں اور حضرت شمس الدین کو تاکید فرمائی کہ ان کی عزت کرو اور فرمایا آج گولروں میں نمک ڈال دینا (یہ گویا حق مہمانی تھا) یہ فرما کر پھر استغراق طاری ہو گیا اس کے بعد وہ خادم حضرت سلطان الاولیاء کے یہاں حاضر ہوا یہ شاہی کارخانہ تھا بہت تعظیم ہوئی حضرت نے

عمدہ عمدہ کھانے کھلائے اور بہت سے تحفے دیئے جب وہ خادم حضرت فرید الدین گنج شکر کے حضور میں پہنچا تو آپ نے دونوں صاحبوں کا حال دریافت کیا خادم نے سلطان الاولیاء کی بڑی تعریف کی اور مخدوم علاؤالدین کی شان میں عرض کیا کہ وہ تو کسی سے بولتے بھی نہیں، نہ وہاں کچھ ہے۔ حضرت نے پوچھا کہ ہمارے حق میں بھی کچھ بولے تھے کہا کچھ بھی نہیں آپ نے مکرر دریافت کیا کہ آخر کچھ تو کہا ہوگا؟ خادم نے عرض کیا کہ صرف یہ پوچھا تھا کہ میرے شیخ کیسے ہیں، آپ چشم برآب ہو کر فرمانے لگے کہ آج وہ ایسے درجے میں ہیں کہ وہاں کسی کی گنجائش نہیں ہے یہ انہی کا استقلال اور میرے ساتھ کمال محبت ہے کہ ایسی حالت میں بھی مجھے پوچھا اور یاد کیا۔

مشہور ہے کہ حضرت صابر کے وصال کے بعد کلیر پر کچھ ہنود کا غلبہ ہوگیا اس وجہ سے بعض ہنود نے مقبرہ میں بت خانہ بنالیا تھا اور ایسی ہی کچھ بے حرمتی وغیرہ کا ارادہ تھا کہ اتفاقاً ایک شیر جنگل سے آیا اور بہت سی جانوں کا نقصان کر گیا اور پسماندہ بھاگ گئے آپ پر جلال غالب تھا وصال کے بعد بھی مزار پر ایک شعلہ چمکتا تھا جس کی وجہ سے کسی شخص کی مجال مزار پر جانے کی نہیں ہوتی تھی ایک مرتبہ حضرت شاہ عبدالقدوس نوراللہ مرقدہ مزار پر حاضر ہوئے تو حضرت کی درخواست پر وہ چمک موقوف ہوئی۔

حضرت شیخ کی وفات ۱۳ ربیع الاول سنہ ۶۹۰ھ کو ہوئی لفظ مخدوم آپ کی تاریخ وفات ہے پیران کلیر متصل رڑکی ضلع سہارنپور میں آپ کا مزار ہے آپ کے مزار پر نورالدین جہانگیر رحمۃ اللہ علیہ نے گنبد تعمیر کرایا تھا۔

(خزینۃ الاولیا ملفوظات خواجگان چشت، تعلیم الدین، حیات حضرت حاجی امداداللہ صاحب)

(۲۱)......شیخ شمس الدین ترک پانی پتی قدس سرہ

آپ سادات ترکستان سے ہیں، علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد علوم باطنیہ کی طلب میں بلاد ماء وراء النہر میں گشت فرمایا لیکن کسی جگہ دل بستگی نہ ہوئی بالآخر اس ہی طلب میں

ہندوستان تشریف لائے اور کلیر میں حضرت شیخ سے بیعت ہوئے اور جب حضرت شیخ کی وفات کے دن قریب ہوئے تو حضرت نے خرقہ خلافت عطا فرمایا اور اپنے دست مبارک سے اجازت تحریر فرمائی اور اسم اعظم بتلا کر یہ ارشاد فرمایا کہ تمہارے لیے پانی پت کی ولایت مقرر ہے اس لیے میرے انتقال کے بعد پانی پت چلے جانا وہیں قیام کرنا تین دن سے زائد یہاں مت ٹھہرنا آپ حضرت خواجہ صابرؒ کے اجل خلفاء میں سے ہیں اور صاحب سیر الاقطاب کے قول کے موافق علاوہ حضرت خواجہ صابرؒ کے اپنے دادا پیر حضرت خواجہ فرید الدین شکر گنج سے بھی اجازت حاصل ہے۔

کرامت:

ان حضرات کی اگر کوئی کرامات لکھے تو کہاں تک لکھے ہر ہر فعل کرامت ہوتا ہے چھوڑیئے تو کسے چھوڑیئے تاہم نمونۃً کیف ما اتفق ایک آدھ پر قناعت کی جاتی ہے آپ نے ایک مرتبہ سلطان بلبن کے لشکر میں ملازمت کر لی تھی سخت سردی کے موسم میں آپ جس تالاب میں وضو فرمایا کرتے تھے وضو کی جگہ پانی گرم ہو جایا کرتا تھا بادشاہ کے پانی کا جو شخص منتظم تھا اتفاقاً اس کو خبر ہو گئی اور شدہ شدہ بادشاہ کو بھی علم ہوا بادشاہ سخت معتقد ہو گیا چونکہ جس قلعہ پر چڑھائی تھی اس کے فتح ہونے میں ایک عرصہ گزر گیا تھا اس لئے بادشاہ ملتجی دعا ہوا اور سخت اصرار و استدعا زاری التجا کے بعد شیخ نے نہ صرف دعا کا وعدہ فرمایا بلکہ فرمایا کہ تم حملہ کرو قلعہ کا دروازہ کھل جاوے گا چنانچہ فوراً دروازہ کھل گیا اس کے بعد بادشاہ اور بھی زیادہ معتقد ہوا مگر حضرت شیخ نے انکشاف حالت کے بعد وہاں قیام پسند نہ کیا اور تشریف لے گئے۔

وصال:

حضرت شیخ کا وصال جمہور کے قول کے موافق ۷۱۵ھ میں ہے، لیکن بعض نے ۷۱۶ھ اور ۷۱۸ھ بھی کہا ہے تاریخ میں بھی بعض نے انیس شعبان اور بعض نے دس جمادی الاولی یا جمادی الاخریٰ بتلائی ہے۔ (خزینۃ الاولیاء، انوار العاشقین، تعلیم الدین)

(۲۲)......شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا اسم گرامی محمد بن محمود یا خواجہ محمود ہے اپنے شیخ کی طرف سے جلال الدین کا لقب پایا ہے آپ کا سلسلہ نسب حضرت امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے بظاہر آپ کی ولادت ۶۹۵ھ میں ہے مجاہدات کا آپ پر بے حد غلبہ تھا آپ پر اخیر عمر میں استغراق کا غلبہ ہو گیا تھا نماز کے وقت خدام متوجہ کرتے تھے اور نماز کے بعد پھر استغراق کی حالت طاری ہو جاتی تھی کہا جاتا ہے کہ آپ کے چالیس خلفاء تھے اور ہر خلیفہ سے مستقل سلسلہ جاری ہوا حضرت شیخ بھرام جن کا مزار بڈولی میں ہے آپ ہی کے خلفاء میں سے تھے حضرت شیخ نے ان کو اول قصبہ برناوہ میں متعین کیا تھا لیکن آپ کے اجل خلفاء شیخ احمد عبدالحق نے بڈولی کی دریا بردی کی شروعات کی وجہ سے آپ کو وہاں متعین کر دیا تھا اور آپ کی برکت سے اس وقت دریائے جمن بہت پیچھے ہٹ گیا تھا شیخ شہاب الدین جھنجھانوی پیر سماء الدین کیرانوی بھی آپ ہی کے خلفاء میں سے تھے۔

زہد و استغناء:

سیر الاقطاب میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ کا دریا کے کنارے پر گزر ہوا۔ وہاں ایک ہندو جوگی آنکھیں بند کئے ہوئے بیٹھا تھا۔ تھوڑی دیر میں اس نے آنکھیں کھولیں اور حضرت شیخ کی طرف متوجہ ہو کر بڑی مبارکباد دی کہ تم بڑے اچھے وقت پر دیا پر آئے ہو۔ اس لیے کہ میرے پاس ایک پارس کی پتھری ہے اور میں نے اپنے دل میں یہ عہد کیا تھا کہ آنکھیں کھولنے کے بعد جو شخص سب سے پہلے نظر پڑے گا اس کو دوں گا اب اتفاقاً تو مل گیا یہ کہہ کر بڑے احسان رکھ کر وہ پتھری حضرت شیخ کی نظر کر دی حضرت نے لے کر اس کو دریا میں ڈال دیا وہ جوگی نہایت غصہ سے بے چین و مضطرب ہوا اور نہایت حسرت و قلق سے رو کر کہنے لگا کہ یہ کیا کیا ایسی نایاب چیز کی یہ ہی قدر تھی پس میرا پتھر مجھے واپس کرو حضرت نے فرمایا کہ تم مجھ کو دے چکے تھے آگے مجھے اختیار تھا کہ جو چاہے کروں اس کو بے چینی اور بے

تابی کی وجہ سے صبر نہ آیا اور اس کی واپسی پر اصرار کیا حضرت شیخ نے فرمایا کہ دریا میں گھس جا اور اپنا پتھر اٹھا لے مگر شرط یہ ہے کہ اپنی ہی پتھری اٹھانا وہاں گھس کر دیکھا کہ اس سے بہتر سیکڑوں پتھریاں وہاں پڑی ہیں اپنی پتھری کے ساتھ ایک اور چپکے سے اٹھالی حضرت نے آواز سے فرمایا کہ یہ بدعہدی ہے بالآخر وہ دونوں پتھریاں لایا اور لاکر حضرت کی خدمت میں سر رکھ دیا اور مسلمان ہوگیا۔

وصال:

حضرت شیخ کا وصال ستر سال کی عمر میں تیرہ ربیع الاول یا ماہ ذیقعدہ ۷۶۵ھ میں ہوا اور پانی پت میں مزار ہے حضرت شیخ کی روحانی اولاد کی تعداد اوپر گزر چکی ہے حضرت شیخ کے پانچ صاحبزادے تھے۔ خواجہ عبدالقادر، خواجہ ابراہیم، خواجہ شبلی، خواجہ کریم الدین، خواجہ عبدالاحد روحانی سلسلہ میں اگرچہ بہت سے سلسلے جاری ہیں لیکن جتنا شیخ عبدالحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ سے جاری ہوا اتنا کسی سے نہیں ہوا اور سلسلہ ہذا کا اتصال بھی آپ ہی کی ذات والاصفات سے ہے اس لیے آئندہ حضرت کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(خزینۃ الاولیاء، انوار العاشقین، تعلیم الدین)

(۲۳)...... شیخ احمد عبدالحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت کا سلسلہ خلیفہ ثانی امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے حضرت کا اصل نام احمد تھا اور عبدالحق لقب جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا آپ کی پیدائش بھی ردولی شریف ہی کی ہے ان کے دادا شیخ داؤد جو کہ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی سے نسبت رکھتے تھے ہلاکو خاں کے زمانہ ولایت بلخ سے علاؤالدین خلجی کے زمانے میں ہندوستان پہنچے تھے حضرت شیخ ابتدائی عمر سے ریاضات ومجاہدات کے شیدا وعادی تھے سات سال کی عمر سے تہجد شروع کردیا تھا۔

تعلیم ظاہری:

اولاً حضرت نے علوم ظاہری کی طرف توجہ فرمائی اور اس کے حصول کے لئے دہلی تشریف لے گئے تعلیم کے زمانہ میں ایک دلچسپ قصہ پیش آیا جو حضرت اقدس تھانوی نوراللہ مرقدہ نے ان الفاظ میں تحریر فرمایا ہے کہ شیخ احمد عبدالحق ردولوی کے بڑے بھائی دہلی میں رہتے تھے اور وہاں کے شہزادے ان کے بہت معتقد تھے شیخ نے اپنے بھائی سے جب صَرف ونحوابتداء عمر میں شروع کی تو اس مثال پر ضرب زید عمراً فرمایا کہ کیوں مارا؟ اس نے کیا خطا کی تھی؟ انہوں نے کہا یہ مثال فرضی ہے مارا اورا کچھ نہیں، کہنے لگے خیر! اگر بے خطا مارا تو ظلم کیاااور اگر نہیں مارا ویسے ہی لکھ دیا تو یہ جھوٹ ہے میں ایسی کتاب نہیں پڑھتا جس میں شروع ہی سے ظلم اور جھوٹ کی تعلیم ہو یہ آپ کے بچپن کی کیفیت تھی ان کے بھائی نے شہزادہ سے کہا انہوں نے فرمایا کہ وہ صاحب حال ہیں پڑھیں گے نہیں، انہیں مت ستاؤ۔

لیکن علوم باطنیہ کی غلبہ جذب نے اپنی طرف کشش کی اور فراغت سے قبل ہی یکسوئی اور صحرانوردی اختیار فرمائی اور کچھ دنوں بعد بالہام غیبی پانی پت حاضر ہوئے حضرت شیخ پر بھی آپ کی حاضری منکشف ہوگئی تھی اور امتحان اعتقاد کا بھی خیال پیدا ہوگیا تھا اس لئے آپ کے پہنچنے سے قبل شیخ نے خدام کو حکم فرمایا کہ دسترخان آج کا نہایت وسیع اور پرتکلف ہوگا مختلف اقسام کے کھانے اور میوے وغیرہ لائے جائیں حتی کہ منہیات بھی دسترخان کے قریب رکھ لی جاویں اور چند عمدہ گھوڑے زرّین زینوں کے ساتھ آراستہ کر کے خانقاہ کے دروازہ پر باندھ لئے جاویں حضرت حاضر ہوئے اور اول دروازہ ہی پر دنیاوی وجاہت دیکھ کر ٹھٹکے اس کے بعد دسترخوان کی حالت دیکھ کر صبر نہ ہوسکا - اور منہیات کے بعد وہاں نہ ٹھہر سکے اور چلے گئے لیکن حقیقت میں وہ محض امتحان تھا ورنہ حضرت شیخ ایسے لاڈلے روحانی بیٹے کو جس سے خاندان کی روز افزوں ترقی کی توقع تھی کیسے چھوڑ دیتے بالآخر وہاں سے چل کر تمام دن چلے اور شام کو ایک شہر کے کنارہ پر پہنچ کر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ پانی پت ہے سخت متحیر ہوئے اور راستہ بھولنے کی بھی کوئی صورت سمجھ میں نہ آئی مگر اس کے بغیر کوئی اور

احتمال بھی نہیں تھا اس لئے یہ ہی تجویز کیا لیکن جب دوسرے اور تیسرے دن بھی یہی صورت پیش آئی کہ دن بھر چلیں اور شام کو پھر وہی پانی پت تو سخت پریشان ہوئے اتفاقاً ایک سفید پوش نظر پڑا اس سے راستہ دریافت کیا اس نے جواب دیا سیدھا راستہ شیخ جلال الدین کے یہاں گم کر آئے ہو متحیر ہوئے آگے چل کر دو شخص اور ملے ان سے بھی راستہ دریافت کیا انہوں نے بھی یہی جواب دیا تو حقیقۃ الامر سے واقف ہوئے اور پختگی اعتقاد کے ساتھ پھر حاضری خانقاہ کا ارادہ کیا اور شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر قدم چومے اور بیعت ہوئے اور تھوڑے ہی دنوں کی ریاضت کے بعد خرقہ خلافت حاصل ہوا۔

متفرق واقعات:

حضرت کے مزاج میں سادگی اور بھولا پن بہت تھا آپ کے بھائیوں نے ادولی میں آپ کی نسبت کی۔ اول تو آپ نے بھائی بھاوج سے منع فرمایا اور کہا کہ مجھے اس جھگڑے سے چھڑاؤ، جب وہ نہ مانے تو آخر کار خود ایک دن سسرال گئے اور دروازے میں جا کر کہ دیا کہ میں نامرد ہوں، تمہاری لڑکی کی عمر ظاہر ہو گی چنانچہ آپ کے اس عمل سے اس وقت شادی موقوف ہو گئی پھر ایک زمانہ میں آپ نے شادی کی، اولاد بھی ہوئی مگر اولاد زندہ نہیں رہتی تھی۔ جو بچہ پیدا ہوتا تھا وہ تین مرتبہ حق حق کہہ کر مر جاتا تھا۔

ایک مرتبہ آپ کی اہلیہ محترمہ اس رنج کی وجہ سے کہ اولاد نہیں جیتی آپ کے سامنے روئیں آپ نے فرمایا کہ اچھا اب بچہ پیدا ہوگا وہ زندہ رہے گا چنانچہ پھر جو بچہ پیدا ہوا اس نے حق حق نہیں کہا اور وہ زندہ رہا۔

ایک مرتبہ حضرت نے ایک دیگ کھانے کی تیار کرا کے راستے میں رکھوا دی اور یہ ارشاد فرمایا کہ ان شاء اللہ آنے جانے والے اس میں سے کھانا کھائیں گے اور کھانا کم نہیں ہوگا چنانچہ تین روز تک ایسا ہی رہا کہ آنے جانے والے اس میں سے کھاتے رہے کچھ کمی نہیں ہوتی تھی آخر شیخ العالم کے دل میں خطرہ گذرا کہ اس سے شہرت ہو گی اور شہرت کا ہونا موجب نقصان ہے خدا رازق مطلق ہے وہ جانے اور اس کی مخلوق، غرض یہ خیال پختہ ہونے

پر دیگ کوز مین پر مارااور توڑ ڈالا حضرت شیخ المشائخ شاہ عبد القدوس گنگوہی نوراللہ مرقدہ نے اپنے رسالہ انوار العیون میں حضرت شیخ کی بہت سی کرامات لکھی ہیں فن اول قریب قریب تمام آپ ہی کے کمالات میں ہے جس کو تفصیل کا شوق ہو وہاں دیکھ لے۔

حضرت کی عادت شریف اول وقت میں مسجد تشریف لے جانے کی تھی اور تشریف لے جا کر اپنے ہاتھ سے مسجد میں جھاڑو دیا کرتے تھے کہتے ہیں کہ چالیس پچاس سال تک اس جامع مسجد میں آپ نے جھاڑو دی لیکن استغراق کا غلبہ اس قدر تھا کہ اکثر راستہ میں خدام کو حق حق سے راستہ پر متوجہ کرنے کی ضرورت ہوتی۔

اس ہی وجہ سے حضرت شیخ کا لقب عبد الحق ہو گیا تھا اور اس کی وجہ سے اس کلمہ کا تکرار حضرت کے خدام میں زیادہ ہو گیا تھا حتیٰ کہ سلام و جواب میں اور نیز ابتدائے مکاتیب میں بھی بعض سلسلوں میں جاری ہو گیا تھا لیکن متاخرین مشائخ نے خلاف سنت ہونے کی وجہ سے اس کو باقی نہیں رکھا۔

وصال:

شیخ کا وصال ۱۵ جمادی الاخری ۸۳۶ھ یا ۸۳۷ھ میں ہوا قصبہ ردولی ضلع بارہ بنکی میں آپ کا مزار ہے آپ کی نسبی اولاد میں چند لڑکے پیدا ہوئے اور پیدائش کے وقت ہر ایک صاحب کرامات ہوتا تھا لیکن حیات مقدر نہ تھی صرف شیخ محمد عارف زندہ رہے آپ ہی سے آگے روحانی سلسلہ بھی جاری ہوا آپ کے علاوہ میاں فرید شیخ بختیار وغیرہ حضرات بھی آپ کے خلفاء میں ہیں۔ (خزینۃ الاولیاء، انوار العاشقین، حسن العزیز جلد دوم، تعلیم الدین)

(۲۴)......شیخ عارف قدس سرہ

آپ حضرت شیخ احمد عبد الحق کے نسبی اور روحانی دونوں طرح کی اولاد ہیں اور اجل خلفاء میں سے ہیں اپنے والد شیخ احمد عبد الحق کے وصال کے بعد مسندِ ہدایت پر تشریف فرما ہوئے اور خلق اللہ کو سیراب کیا علم شریعت و طریقت کے جامع تھے آپ کے اوصاف جمیلہ میں ایک

خاص بات یہ تھی کہ جو شخص آپ سے ملتا تھا وہ یہ سمجھتا تھا کہ سب سے زیادہ کرم آپ کا مجھ ہی پر ہے دوسرے پر نہیں حضرت شیخ عبدالحق صاحب کی ہر اولاد صاحب کمالات پیدا ہوتی تھی اور پیدائش ہی سے صاحب کرامات ہوتی تھی حتیٰ کہ کہا جاتا ہے کہ اس ہی وجہ سے زندہ نہیں رہتی تھی۔ اس لئے آپ کی کرامات کا ذکر ہی کیا ہے۔ پیدائش کے ساتھ ہی ساتھ ذاکر بھی ہوتے تھے۔ جیسا کہ اوپر ان کے والد صاحب کے احوال میں گذر چکا ہے کہ ہر اولاد پیدائش کے وقت حق حق کہا کرتی تھی اور اس کے بعد انتقال کر جاتی۔ اہلیہ محترمہ کی شکایت کرنے پر آپ نے فرمایا کہ اب جو بچہ پیدا ہوگا وہ زندہ رہیگا۔ چنانچہ شیخ عارف پیدا ہوئے۔

آپ کا اسم گرامی بعض لوگوں نے شیخ احمدؒ اور آپ کے والد کا نام شیخ عبدالحق لکھا ہے۔ آپ کی وفات ۸۵۹ھ میں ہے کل عمر چالیس سال ہوئی اس حساب سے آپ کی عمر والد کے وصال کے وقت سترہ سال کی تھی جس میں آپ شیخ کامل ہو چکے تھے۔ بعض مؤرخین نے آپ کی وفات ۸۸۲ھ بھی لکھی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ اپنے والد کی جگہ مسند ہدایت پر پچاس سال رہے اس کے بعد آبائی امانت اپنے بیٹے شیخ محمد کے سپرد کی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی عمر پچاس سال سے بہت زائد ہے۔

وفات:

آپ کی وفات کی تاریخ بھی محقق طور سے نہیں معلوم ہو سکی۔ البتہ سنا جاتا ہے کہ ردولی شریف میں آپ کا عرس سترہ صفر کو ہوتا ہے جو بظاہر تاریخ وصال ہے بعض شجرات میں بھی آپ کی تاریخ یہ ہی لکھی ہے۔ آپ کے خلفاء میں صرف حضرت کے صاحبزادہ شیخ محمد کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ممکن ہے اور بھی خلفاء ہوں۔ (خزینۃ الاولیاء، انوار العاشقین، تعلیم الدین)

(۲۵)......شیخ محمد بن شیخ عارف رحمۃ اللہ علیہ

آپ کے والد بزرگوار حضرت شیخ عارف کے سچے جانشین تھے۔ حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی جو مشاہیر بزرگوں میں ہیں۔ آپ ہی سے بیعت ہوئے تھے۔ ان کا ارادہ اول کسی

اور جگہ بیعت کا تھا مگر حضرت شیخ احمد عبدالحق نے اپنے نسبی اور روحانی پوتے شیخ محمد کی طرف بیعت ہونے کی تلقین فرمائی۔

آپ کو مشاہدہ مطلق میں کمال استغراق حاصل تھا۔ حضرت کا جب وصال قریب ہوا تو حضرت کے صاحبزادے شیخ الاولیاء معروف بہ شیخ بدہ شاہ آباد میں حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی کے پاس مقیم تھے۔ تصرف باطنی سے حضرت نے حضرت شیخ گنگوہی کو معہ صاحبزادہ کے بلوایا۔ ہر دو حضرات ایسے وقت میں پہنچے کہ نزع قریب تھا۔ اس وقت حضرت کے اوپر استغراق وسکر کا غلبہ تھا اور بار بار جب ہوش آتا تھا تو فرماتے تھے الحمدللہ سمجھ گیا۔ حضرت شیخ گنگوہی نے دریافت کیا کہ کیا چیز سمجھ گئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ توحید مطلق کو سمجھ گیا آپ نے اپنی تمام امانات معارف اور اسم اعظم وغیرہ جو مشائخ سے ملتی آ رہی تھیں حضرت قطب عالم شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے سپرد فرمادیں۔ حضرت نے عرض کیا کہ میں آپ کی غیبت میں مفارقت کے رنج کی وجہ سے یہاں نہیں رہ سکوں گا۔ مجھے کسی دوسری جگہ جانے کی اجازت فرمادیں۔ حضرت نے اجازت فرمادیں اور یہ بھی فرمادیا کہ اپنے بیٹے بدہ کو آپ کے حوالے کرتا ہوں۔ اس کی تکمیل کے بعد اس کو یہاں چھوڑ دینا۔

چنانچہ حضرت شیخ نے ایسا ہی کیا۔ بعض لوگوں کی رائے ہے کہ حضرت شیخ بدہ کو اجازت خلافت اپنے والد سے ہی حاصل ہے۔

وفات:

آپ کی وفات کا صحیح حال معلوم نہیں ہوا۔ مگر شجرات میں ۸۹۸ھ لکھا ہے۔ بعض شجرات میں آپ کا وصال بھی سترہ صفر کو ہونا لکھا ہے۔ آپ کے خلفاء میں بجز حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی نوراللہ مرقدہ کے اور کسی کا حال معلوم نہیں۔

(۲۶)......شیخ المشائخ شاہ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا سلسلہ نسب صاحب نزہ نے یہ لکھا ہے شاہ عبدالقدوس ابن اسمٰعیل بن صفی بن

نصیر الحنفی الردولوی الکنگوہی۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ آپ کا اسم گرامی اسمٰعیل اور لقب شاہ عبدالقدوس تھا۔ اپنے لقب ہی سے آپ مشہور ہیں۔

بظاہر آپ کی ولادت ۸۶۰ھ میں ہوئی۔ علوم ظاہریہ اور باطنیہ دونوں میں آپ کو کمال حاصل تھا۔ اتباع سنت میں کمال درجہ حاصل تھا۔ آپ اگر چہ حضرت شیخ محمد بن شیخ عارف کے خلفاء میں سے ہیں مگر آپ کے کمالات کی تکمیل حضرت شیخ عبدالحق قدس سرہ سے بلاواسطہ بفیض روحانی ہے۔ چنانچہ حضرت نے اپنی کتاب انوار اللعیون میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت احمد عبدالحق کے من جملہ اور تصرفات کے ایک یہ بھی ہے کہ اپنے وصال سے پچاس سال بعد اس ناچیز کو اپنے روحانی فیض سے تربیت فرمائی۔

بیعت وارادات:

آپ کے صاحبزادہ نے لکھا ہے کہ میرے والد کا ارادہ کسی اور جگہ بیعت کا تھا۔ حضرت شیخ احمد عبدالحق نے عالم کشف میں فرمایا کہ تم کسی دوسری جگہ بیعت کا ارادہ مت کرو۔ میں تمہاری تکمیل کروں گا۔ لیکن چونکہ حضرت والا کو ظاہری بیعت کا خیال پیدا ہوا اس لیے حضرت شیخ نے اپنے پوتے شیخ محمد بن شیخ عارف کی طرف متوجہ فرمایا اس لیے حضرت شیخ بظاہر دو واسطوں سے اور بباطن خود حضرت شیخ عبدالحق ردولوی سے بیعت ہیں۔ اپنے شیخ کے علاوہ شیخ قاسم اودھی جو سلسلہ سہروردیہ کے اکابر میں ہیں آپ کو ان سے بھی خلافت حاصل ہے۔ آپ مادرزاد ولی تھے بچپن ہی میں صاحب کرامات ہو گئے تھے۔ ابتداً آپ نے کچھ سلسلہ زراعت کا بھی رکھا ہے اور کھیتی کی پیداوار کے بعد اول فقراء کو تقسیم فرماتے۔ اس کے بعد اپنے کام میں لاتے۔ آپ کو سماع کا بھی ذوق تھا مجلس میں بڑے شوق سے شرکت فرماتے۔

(فائدہ) مجلس سماع کے منعقد کرنے کے لئے علماء نے دس شرطیں لکھی ہیں ان شرائط کے پائے جانے کے بعد غالباً اہل افتا بھی اس کی زیادہ مخالفت نہ کریں وہ شرائط اکابر سلسلہ کے کلام میں بڑی تفصیل سے مذکور ہیں۔ لیکن حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہ نے ایک

مستقل رسالہ حق السماع کے نام سے تحریر فرمایا ہے اور اس میں امام غزالیؒ کی کتاب احیاء العلوم سے پانچ شرائط اور پانچ موانع تحریر فرمائے ہیں۔ چنانچہ فصل سابع کے عنوان سے تحریر فرماتے ہیں۔

فصل سابع:

اس کے بیان میں کہ درصورت اباحت اس کے لئے کچھ شرائط و موانع ہیں یا نہیں اور ہمارے زمانہ میں آیا وہ شرائط پائے جاتے ہیں یا موانع موجود ہیں۔ سو امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں پانچ شرطیں اور پانچ مانع لکھے ہیں۔ شرطیں یہ ہیں اول رعایت زمان و مکان و اخوان کی۔ حضرت جنید نے فرمایا کہ سماع تین چیز کا محتاج ہے۔ اگرچہ یہ چیزیں نہ ہو تو مت سنو۔ زمان و مکان و اخوان، زمان سے مراد یہ ہے کہ ایسا وقت ہو کہ اس میں کوئی ضروری کام شرعی یا طبعی نہ ہو جیسے کھانا کھانا، کسی سے قصہ و تکرار کرنا، نماز پڑھنا اور کوئی ایسا شغل جس سے دل بٹ جائے۔ مکان سے مراد یہ ہے کہ سماع کا مقام ایسا ہو کہ وہاں آمد و رفت کا راستہ نہ ہو۔ ایسا کوئی ہنگامہ نہ ہو جس سے دل بٹ جائے، اخوان سے مراد شرکاء مجلس اس شرط کی وجہ یہ ہے کہ جب مجلس میں کوئی ناجنس جو دولت باطن سے بے بہرہ ہو آ جاتا ہے اس کا آنا ناگوار اور گراں معلوم ہوتا ہے اور دل ادھر لگ جاتا ہے۔

اسی طرح جب کوئی مغرور دنیادار آ جاتا ہے اس کی آؤ بھگت اور دلجوئی کی ضرورت ہوتی ہے یا کوئی بناوٹ والا ریاکار صوفی شامل ہو جاتا ہے جو ریاکاری سے وجد کرتا ہے کپڑے پھاڑتا ہے ایسے لوگوں کی شرکت سے لطف برباد ہو جاتا ہے۔ اب ملاحظہ فرمائیے ہمارے زمانہ میں اس شرط کی کہاں تک احتیاط کی جائے۔ اکثر نمازوں کے وقت سماع ہوتا رہتا ہے۔ گاہ گاہ نماز بھی فوت ہو جاتی ہے اور جماعت کا فوت ہو جانا اور وقت کا تنگ ہو جانا تو معمولی بات ہے پھر نماز یا جماعت کے فوت ہو جانے سے قلق بھی نہیں بمقابلہ سماع کے سنن اور فرائض کی کچھ زیادہ وقعت نہیں سمجھی جاتی بلکہ بعضے تو کہہ اٹھتے ہیں کہ میاں حقیقی عبادت تو یہی ہے اور نماز سے بڑھ کر ہے نعوذ باللہ منہ۔ اکثر ایسے موقعوں پر سماع ہوتا ہے جہاں کسی کی بھی

روک ٹوک نہیں ہوتی۔ حتیٰ کہ اکثر فواحش و بازاری و عوام الناس تماشہ دیکھنے جمع ہو جاتے ہیں تخلیہ کا کہیں بھی اہتمام نہیں ہوتا۔ اکثر امراء و اہل ثروت حاضر رہتے ہیں۔ عین مجلس میں ان کی نشست و برخاست میں امتیاز کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ ریا کار بھی کثرت سے شریک رہتے ہیں بلکہ زیادہ حصہ انہی لوگوں کا ہوتا ہے۔ بعض مجالس میں اہل انکار بھی ہوتے ہیں جو اہل حال پر ہنستے ہیں ان پر طعن و اعتراض کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض موقعوں پر نوبت فوجداری و مناقشہ کی بھی ہو جاتی ہے۔ غرض شرط مذکور کا ایک جزو بھی نہیں پایا جاتا۔

اب دوسری شرط کی نسبت امام صاحب فرماتے ہیں۔ دوسرا ادب یہ ہے کہ حاضرین کی حالت میں غور کرے، جن مریدوں کو سماع سے ضرر ہوتا ہے۔ شیخ کو چاہیئے کہ ان کے روبرو سماع نہ سنے جن لوگوں کو سماع مضر ہوتا ہے وہ تین قسم کے ہیں۔

اول وہ شخص جو ابھی طریقت سے واقف نہیں ہوا صرف ظاہری اعمال کو جانتا ہے۔ دوسرا وہ شخص جس کو بوجہ مناسبت باطن کے سماع سے ذوق تو ہے مگر ابھی اس میں حظوظ اور شہوات باقی ہیں۔ نفس کی قوت اچھی طرح شکستہ نہیں ہوئی ایسے شخص کو سماع سننے سے شہوت کا ہیجان ہوگا اور بیچارے غریب کا راہ مارا جاوے گا اور تکمیل سے رہ جاوے گا۔ تیسرا وہ شخص کہ اس کی شہوت بھی شکستہ ہوگئی ہو اور کسی خرابی کا بھی اندیشہ نہ ہو اور اس کی چشم بصیرت بھی کشادہ ہوگئی ہو اور اللہ تعالیٰ کی محبت بھی اس کے قلب پر غالب ہو۔ مگر ظاہری علوم میں کمال اور پختگی حاصل نہ ہوئی ہو اور اسماء و صفات کے مسائل سے اچھی طرح واقف نہ ہو جس سے یہ سمجھ سکے کہ جناب باری تعالیٰ میں کس امر کو نسبت کرنا جائز ہے اور کس کو منسوب کرنا باطل جب ایسا شخص سننا شروع کرے گا اور سب مضامین اللہ تعالیٰ کی طرف لے دوڑے گا، خواہ اس کا منسوب ہونا باری تعالےٰ کی طرف صحیح ہو یا غلط۔

پس ان خیالات کفریہ سے جس قدر ضرر ہوگا سماع سے اتنا نفع بھی نہ ہوا ہوگا۔ سو ایسے شخص کو سماع لائق نہیں جس کا قلب ہنوز حب دنیا حب جاہ میں آلودہ ہو ایسے شخص کو بھی مناسب نہیں جو محض لذت اور طبیعت خوش کرنے کو سنتا ہے پھر شدہ شدہ اس کی عادت ہو

جائے اور ضروری عبادات اور مراعات قلب سے اس کو باز رکھے اور طریق سلوک اس کا منقطع ہو جاوے۔ الغرض سماع بڑی لغزش کی چیز ہے ضعیف الحال لوگوں کا بچنا اس سے واجب ہے۔

آہ! اب اپنے زمانہ میں ملاحظہ فرمالیجئے۔ اکثر سماع میں ایسے ہی ہوتے ہیں جن کے حق میں سماع مضر ہو۔ باطن کی تو کہاں نوبت آتی ہے ان لوگوں کے ظاہری اعمال تک درست نہیں ہوتے کثرت سے بے نماز داڑھی منڈے رشوت خور، ظالم آوارہ، مزاج بدوضع نوعمر، پرشہوت، حسن پرست اس قسم کے لوگ شریک ہوتے ہیں اور اگر ان میں کوئی شخص مرتاض عابد زاہد ذوق شوق والا بھی ہوا مگر ظاہری علم بقدر کفایت نہیں ہوتا نہ شریعت سے آگاہ جس سے یہ سمجھے کہ کون مضمون کا اعتقاد کرنا جناب باری میں جائز ہے، نہ علم کی حقیقت میں ماہر کہ مسائل غامضہ صحیح صحیح سمجھ سکے۔ نہ عارفین کے اصطلاحات اور رموز سے واقف جس سے اشعار مسموعہ کی تاویل کر سکے اور شریعت وحقیقت میں تطبیق دے سکے غرض بے علمی سے خدا جانے کیا واہی تباہی اپنے خیال فاسد و وہم کاسد سے جو جی میں آیا سمجھ بیٹھا اور اس سے مزہ لینا شروع کیا خواہ وہ خیال بدعت وہو کفر ہو ان کو اس سے کچھ بحث نہیں اپنے مزہ سے کام اب خیال فرمائیے کہ جب یہ شعر ناقص العلم کے کان میں پہونچتا ہوگا۔

زدریا موج گوناگوں برآمد زبیچونی برنگ چوں برآمد
گہے درکسوت لیلے فروشد گہے درصورت مجنون برآمد

تو بجز اس کے اور کیا خاک سمجھتا ہوگا کہ اللہ میاں مختلف شکلوں میں سیر کرتے پھرتے ہیں اور یہ اعتقاد صریحاً کفر ہے اور ہزاروں اس میں مبتلا ہیں۔ ایسے اشعار کے صحیح صحیح سمجھنے کے لئے دو امر کی ضرورت ہے، اول بزرگوں کی اصطلاحات معلوم ہوں۔ مثلاً دریا کس کو کہتے ہیں، موج سے کیا مراد، ظہور کیا چیز ہے، مختلف اکوان میں نزول کے کیا معنے۔ دوسرے یہ جاننا ہو کہ ان معانی اصطلاحیہ کا اعتقاد جناب باری میں جائز ہے یا نہیں، سو یہ دونوں امر موقوف ہیں علم کافی پر۔

اب دیکھ لیجئے کہ اس وقت کے اہل سماع میں سے ایسا تقویٰ ایسا مجاہدہ ایسا علم کتنے شخصوں میں پایا جاتا ہے اور اگر کسی ایک آدھ میں سب اوصاف بھی ہوئے تو تمام اہل مجلس میں تو نہیں پھر نااہل روبرو اہل کو سننے کی بھی تو اجازت نہیں پھر ایسی دوسری شرط کہاں ملحوظ رہی۔

اب تیسری شرط سنئے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ تیسرا ادب یہ ہے کہ خوب کان لگا کر مضمون سنے۔ ادھر ادھر نہ دیکھے، حاضرین مجلس کے چہروں پر نظر نہ کرے ان کے وجد و حال کی طرف التفات نہ کرے، اپنے دھیان میں لگا رہے اپنے قلب پر نظر رکھے اس کے باطن میں جو منجانب اللہ کشود ہو اس پر نگاہ رکھے۔ کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے دوسروں کے دل بٹ جائیں بلکہ بالکل بے حس اور بے حرکت ہوا بیٹھا رہے، نہ کھنکارے، نہ جمائی لے، سر جھکائے ہوئے جیسے کسی سوچ میں بیٹھا ہو، نہ تالیاں بجاوے نہ کودے نہ اچھلے نہ کوئی حرکت بناوٹ اور نمائش کی کرے۔ بلکہ بلا ضرورت شدید منہ سے کوئی بات نہ نکالے، ہاں اگر بے اختیار کوئی کیفیت غالب آجاوے اس میں معذور ہے کوئی ملامت نہیں۔ پھر جب اپنے اختیار میں آجاوے فوراً ہی ساکت و ساکن ہو جاوے، پھر یہ شایاں نہیں کہ وہی حالت بنائے رکھے محض اس شرم سے کہ لوگ یوں کہیں گے فلاں شخص کا وجد جلدی ختم ہو گیا۔ قصداً وجد نہ کرے صرف اس خوف سے کہ لوگ کہیں گے کہ بڑا سنگدل ہے اس کے قلب میں کچھ صفائی اور رقت نہیں۔ آہ! اب اہل زمانہ کی حالت قابل غور ہے کہ اس شرط کی کہاں تک رعایت کرتے ہیں۔ اول تو مضمون سمجھنے والے ہی بہت کم ہیں۔ جب سمجھ میں نہ آوے گا تو اس کی طرف کان ہی کیا لگا دیں گے، دوسرے گانے والے چونکہ بعض جگہ خوش رو جوان ہوتے ہیں بعض جگہ یہ ظلم ہے کہ بازاری عورتیں ہوتی ہیں۔ اہل مجلس ان کو خوب گھورتے ہیں۔ ایسی حالت میں کشود باطن کا ذکر ہی کیا جس کی طرف متوجہ رہنے کا ان کو موقع ملے ان کو اپنی شہوت پرستی ہی سے فرصت نہیں۔ پھر بعض لوگوں میں تو یہ غضب ہے کہ ایسی نظر کو عبادت اور نعوذ باللہ موجب قرب الٰہی سمجھتے ہیں۔ بھلا ایسے عقیدے کے ساتھ ایمان کا سالم رہنا کس

طرح ممکن ہے اور اگر کسی نے دیکھنے بھالنے سے احتیاط بھی کی اور سر جھکائے آنکھیں بند کئے بیٹھا رہا اور کوئی کیفیت بھی ہوگئی اول تو ایسی بے ادبیوں کے ساتھ وہ روحانی نہ ہوگی اور اگر اس سے بھی قطع نظر کی جاوے تو یہ مصیبت ہے کہ اگر ذرہ ہوگی تو اس کو پہاڑ کر کے ظاہر کر ڈالیں گے۔ کہیں نعرے لگا رہے ہیں، کہیں لوگوں پر گر گر پڑتے ہیں، غرض تمام مجلس میں ایک طوفان برپا کر دیتے ہیں۔ اگر کوئی صاحب دل اتفاقاً پھنس گیا تو ان بیہودہ حرکتوں سے اس کا تمام تر لطف برباد ہو جاتا ہے۔ غرض تصنع وریا وایذاء اہل مجلس کا پورا پورا حق ادا کرتے ہیں پھر کیفیت فرو ہونے کے بعد لوگوں کی نظر میں صاحب حال بنے رہنے کے خیال سے بہت دیر تک جھوٹا نشہ چڑھائے رکھتے ہیں اور ہوحق کے نعرے لگاتے رہتے ہیں، غرض یہ شرط بھی گذری۔

اب چوتھی شرط ملاحظہ ہو۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ چوتھا ادب یہ ہے کہ کھڑا نہ ہو اور نہ بلند آواز سے چلاوے۔ جب تک اپنے کو ضبط کرنے پر قادر ہو۔

آہ! اس شرط کو بھی اہل عصر نے مہمل کر رکھا ہے۔ اچھے خاصے ہوش وحواس درست اگر اپنی حالت وکیفیت کو پوشیدہ رکھنا چاہیں تو ممکن ہے مگر اس طرح عوام کیونکر معتقد ہوں اور مجلس کس طرح ہو اس لئے اس قدر غل غپاڑہ کرتے اور جامے سے باہر نکلے جاتے ہیں کہ گویا تمام اہل حال کے قبلہ وکعبہ حضرت ہی ہیں۔

پانچویں ادب کے باب میں فرماتے ہیں اگر کوئی صادق الحال کھڑا ہو جاوے تو سب کو اس کی موافقت کرنا چاہیے اور وجہ اس کی یہ ہے اپنے احباب واصحاب کی رعایت ضروری ہے یہ خلاصہ ان کی تقریر کا۔ اس ادب کو سنکر بعضے لوگ خوش ہوں گے کہ اس پر تو ہمارا عمل ہے سو حضرت من اول ایک شرط بجالانے سے کیا کام چلتا ہے جب تک کہ سب پر عمل نہ ہو اس کی ایسی مثال ہے کہ کوئی شخص وضو میں صرف منہ دھوئے اور ہاتھ نہ دھوئے اور نہ مسح کرے اور نہ پاؤں دھوئے اور یہ کہہ کر ایک جزو تو میں نے پورا کر لیا نماز شروع کرے، ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایسی نماز بالکل باطل ہوگی۔ دوسرے اگر معنی فہمی سے کام لیا جاوے تو معلوم ہوگا اس

شرط پر بھی عمل نہیں ہے کیونکہ مدار اس شرط کا مراعات احباب کی ہے اور موافقت فی القیام اس کی ایک ظاہری صورت ہے اور مراعات جانبین سے واجب اللحاظ ہوتی ہے۔ مثلاً جس طرح مقتدیوں کو حکم ہے موافقت امام کا اسی طرح معنیٰ امام پر بھی لازم ہے موافقت قوم کی یعنی نماز میں ان کی راحت وسہولت کا لحاظ رکھے اسی طرح یہاں سمجھئے کہ جس طرح اہل مجلس کو صاحب حال کی موافقت چاہیے۔ اسی طرح اس شخص کو بھی قوم کی رعایت چاہیے۔ بعض لوگ حال فرو ہونے کے بعد بھی اس قدر قیام طویل کرتے ہیں کہ حضار مجلس کو قیام میدان قیامت کا نظر آتا ہے جس کی مقدار ایک ہزار پچاس ہزار سال کی ہوگی۔ علی اختلاف الاقوال، تمام اہل مجلس تنگ اور دق ہو جاتے ہیں اور ان کا زور نہیں گھٹتا۔ غرض یہ شرط بھی رخصت ہوئی۔

یہاں تک تو شرائط کا حال معلوم ہوا کہ کیا کیا ہو رہا ہے۔ اب موانع کا حال سنیئے جن کے ہونے سے سماع ممنوع ہو جاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی دیکھتے جائیے کہ ہمارے زمانہ کی اکثر مجالس ان موانع سے مزین ہوتی ہیں۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دریافت کرے کہ آیا سماع کسی حالت میں حرام بھی ہو جاتا ہے، تو ہم جواب دیں گے کہ ہاں پانچ امر ایسے ہیں کہ ان میں سے ایک بھی پیش آ جاوے تو سماع حرام ہو جاتا ہے ایک امر شعر بنانے والے کے متعلق ہے، دوسرے امر آلہ سماع کے متعلق، تیسرے خود شعر منظوم کے متعلق اور چوتھے سننے والے اور اس کی عادت ڈال لینے کے متعلق اور پانچویں سننے والے کے عوام الناس میں سے ہونے کے متعلق، کیونکہ سماع کے ارکان یہی ہیں، سنانے والا، سننے والا آلہ سماع سو پہلا امر ان عوارض وموانع سے یہ ہے کہ گانے والی عورت ہو جس پر نگاہ کرنا حرام ہے اور اس کی آواز سے خرابی پیدا ہونے کا امکان ہے۔

اور اسی حکم میں ہے نوجوان لڑکا جس سے خرابی کا احتمال ہو اور یہ بالکل حرام ہے اس لئے کہ اس میں خرابی پیدا ہونے کا خوف ہے۔ آہ! حضرات آپ نے بزرگوں کے مزارات پر دیکھا ہوگا کہ بازاری عورتیں جن کو دلربائی اور دلفریبی میں خاص ملکہ ہے بے محابا گاتی ہیں اور

ہزاروں کے زہد اور تقویٰ کو برباد کرتی ہیں۔ اگر بعض جگہ اس کی احتیاط ہے تو خوبصورت خوش وضع لڑکے عمدہ لباس پہن کر مانگ پٹی جما کر تماشائیوں کے نظارہ گاہ میں گاتے ہیں یہ اس سے بڑھ کر بلا ہے اس کے بعد فرماتے ہیں کہ دوسرا امر جو آلہ سماع کے متعلق ہے، یہ ہے کہ وہ آلہ شرابیوں یا مخنثوں کا شعار ہو اور وہ تمام مزامیر ہیں اور جتنے اقسام تار کے ہیں اور طبل جو ڈھول نما ہو۔ آہ ! زمانہ میں دیکھ لیجئے اکثر مجالس میں یہی آلات ضرور ہوا کرتے ہیں۔

آگے فرماتے ہیں کہ تیسرا امر نظم کے متعلق وہ یہ ہے کہ مثلاً اس شعر میں خط وخال وقد و قامت واوصاف ومحاسن محبوبان مجازی کا ذکر ہو۔ سو اگر چہ ایسا شعر کہنا یا پڑھنا یا سننا فی ذاتہ حرام نہیں مگر یہ امر ضرور واجب ہے کہ اس کو ایسے شخص پر نہ ڈھالے جو اس کے لئے حلال نہیں اگر ایسا کرے تو اس ڈھالنے سے اور اس میں خیال دوڑانے سے گنہگار ہوگا اور جس شخص کا ایسا گندہ خیال ہو اس کو سماع سے بالکل علیحدہ رہنا چاہیے۔ آہ! اس عارض کے اعتبار سے بھی اپنے زمانہ کی حالت مخفی نہیں۔ اکثر مجالس میں ایسے اشعار بھی پڑے جاتے ہیں اور اہل مجلس میں سے بہترے نو جوان ہوسناک جو نامحرم عورتوں اور مردوں کے عشق میں مبتلا ہوتے ہیں ایسے اشعار کو ان کی طرف لے جاتے ہیں جن سے ان کے قلب میں درخت فساد کو زیادہ نشو نما ہوتا ہے۔

آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ چوتھا امر سننے والے کے متعلق، وہ یہ ہے کہ اس شخص میں ابھی قوت شہویہ غالب ہے اور جوانی کا جوش ہے اور یہ صفت اس کی دوسری محمود صفات پر غالب ہے ایسے شخص کے لئے سماع مطلقاً حرام ہے خواہ اس کے دل میں کسی محبوب مجازی کی محبت غالب ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ ہر حال میں جب یہ شخص ایسے مضامین خط وخال وفراق ووصال کے سنے گا اسکی شہوت کو جنبش ہوگی اور شیطان اس کے دل میں پھونک مار کر کوئی معشوق تراش کر اس کی طرف متوجہ کر دے گا پس اس کے دل میں آتش شہوت مشتعل ہوگی اور خبیث قوتیں تیز ہوگی اور اس میں شیطانی گروہ کو قوت دینا اور لشکر خداوندی یعنی عقل کو کمزور کر دیتا ہے۔ پس واجب ہے کہ ایسے شخص کو مجلس سماع سے باہر کر دیا جائے۔

اب ملاحظہ فرمائیے کہ محض جوانی کو موجب مضرت بتلا رہے ہیں گو اس کا دل کسی جگہ پھنسا نہ ہو بلکہ ایسے شخص کو مجلس سے نکال دینے کو فرما رہے ہیں اور جہاں اور اسباب فساد بھی جمع ہوں تو اس کا تو کچھ پوچھنا نہیں اب اپنے زمانہ کی مجالس ملاحظہ ہوں کہ ان میں اکثر نو جوان ہی زیادہ ہوتے ہیں اور نکالنے کی تو ہمت کیا ہوگی خود رقعہ لکھ لکھ کر بلایا جاتا ہے۔ ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا۔

پانچویں امر کی نسبت فرماتے ہیں، وہ یہ ہے کہ وہ شخص عوام الناس سے ہو نہ اللہ کی محبت اس پر غالب نہ کوئی شہوت ہی اس پر غالب، ہے اس کے لئے فی نفسہ مباح ہے مگر جب اس کی عادت مقرر کرلے اور اکثر اوقات اس میں لگا رہے تو یہ شخص مردود الشہادۃ ہو جاوے گا۔ آہ! اب اپنے زمانہ کا حال دیکھ لیجئے کہ جو لوگ اس میں مبتلا ہیں انہوں نے اس کو بالکل دال روٹی کر رکھا ہے اور ذرا سا بہانہ مجلس منعقد کرنے کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ شرائط و عوارض کی تفصیل اور اپنے زمانہ کی حالت ہم نے دکھلا دی ہے اب جواز ناجواز کا فیصلہ خود ناظرین کرلیں، ہمارے عرض کرنے کی ضرورت نہیں۔

آپ کے وصال کے بعد شیخ رکن الدین نے غسل سے فارغ ہو کر حضرت کے سینہ مبارک پر ہاتھ رکھا تو دل پر ذکر قلبی کی حرکت محسوس ہوئی تھی۔ حضرت کے مکتوبات مشہور ہیں جو نہایت عوارف و معارف سے لبریز ہیں چونکہ وہ فارسی میں ہیں اس لئے ان اوراق میں نقل نہیں کر سکا اور ترجمہ میں وہ حقائق جو اصل عبارت میں ہیں میں ظاہر کرنے پر قادر نہیں تھا اس لئے مجبور رہا تاہم جو لوگ فارسی داں ہیں وہ انوار العارفین وغیرہ رسائل میں ضرور مطالعہ کریں ان کو بے حد مفید ہوں گے۔

حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے سلوک میں جو بھی اشکال پیش آتا وہ مکتوبات کے دیکھنے سے حل ہو جاتا تھا۔

تالیفات:

آپ کی مؤلفات میں ایک کتاب انوار العیون ہے۔ جس کے سات فن ہیں جن میں

حقائق ودقائق تصوف کو جمع فرمایا ہے۔ فن اول کا زیادہ حصہ حضرت شیخ عبدالحق کے کمالات میں ہے اس کے علاوہ آپ کی تصانیف یہ بھی ہیں۔ تعلیقات علی شرح الصحائف علم کلام میں، عوارف المعارف کی ایک بسیط شرح حاشیہ التعرف آپ کے حالات لطائف قدوسی میں جو حضرت کے نسبی اور روحانی فرزند شیخ رکن الدین کی تصنیف ہے زیادہ پائے جاتے ہیں اس کے علاوہ مراۃ الاسرار، اقتباس الانوار، انوار العارفین بھی پائے جاتے ہیں۔ اس مختصر رسالہ میں ان کی گنجائش نہیں تھی تاہم نمونہ کے طور پر ایک دو واقعات پر اکتفا کرتا ہوں۔

متفرق واقعات:

حضرت شیخ کے ایک مرید تھے ان کو وسوسہ ہوا کہ یہاں کی تعلیم تو معلوم کر لی اور بھی تو مشہور مشائخ ہیں اور اللہ کا نام کسی سے پوچھنے میں حرج نہیں ہے۔ لہٰذا اور جگہوں کا بھی رنگ ڈھنگ چل کر دیکھنا چاہیئے مگر اس خیال کو پیر سے ظاہر کرتے ہوئے حجاب مانع تھا۔ شیخ نے یا تو کشف سے یا قرائن سے معلوم کر لیا اور ایک موقع پر ان سے فرمایا۔ کہ بھائی حق تعالیٰ کا ارشاد ہے سیر وافی الارض۔ لہٰذا تم اگر کچھ عرصہ ادھر ادھر پھر آ ؤ تو تفریح بھی ہو جائے گی اور مختلف مشائخ کی زیارت و برکات سے بھی مشرف ہو جاؤ گے اور اس وقت میں اگر کسی سے اللہ کا نام بھی پوچھ لو تو کوئی حرج نہیں۔ یہ مرید دل میں خوش ہو گئے کہ اچھا ہوا۔ شیخ سے حجاب بھی نہ ٹوٹا اور کام بھی بن گیا رخصت ہو کر روانہ ہوئے جہاں جس شیخ کے پاس بھی گئے سب نے وہی پاس انفاس کا شغل بتایا جو کہ ابتداء میں شروع کرایا جاتا ہے، بہت گھبرائے کہ جس کے پاس جاتا ہوں وہ ابتداء الف، با، تا سے ہی کراتا ہے اور پچھلا کیا کرایا سب بیکار ہو جاتا ہے آخر شرمندہ ہو کر پھر حضرت شیخ گنگوہی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور توبہ کی۔ شیخ نے فرمایا کہ کیوں بھائی اب تو تسلی ہوئی۔ بس دور کے ڈھول ہی سہانے معلوم ہوتے ہیں۔ اب ایک طرف گوشہ میں بیٹھ کر اللہ کا نام لو اور طبیعت کو یکسو رکھو۔

(۲) محمد غوث گوالیاری جو کتاب جواہر خمسہ کے مصنف ہیں عامل تھے اور غالباً شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے ہم عصر ہیں۔ حضرت شیخ کے لانے کے لئے انہوں نے ایک مرتبہ

جنوں کو بھیجا، شیخ مسجد میں مشغول تھے۔ جن پہنچے مگر پاس جانے کی ہمت نہ ہوئی شیخ نے خود ہی سر اٹھا کر دیکھا پوچھا کون؟ جنوں نے جواب دیا کہ محمد غوث نے بھیجا ہے وہ زیارت کا مشتاق ہے۔ اگر اجازت ہو تو ہم اس طرح لے چلیں کہ تکلیف نہ ہو۔ حضرت نے فرمایا کہ میں حکم دیتا ہو کہ محمد غوث کو لے آؤ۔ چنانچہ جنات پہنچے اور ان کو لے کر چلے۔ انہوں نے جنات سے دریافت کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے تم میرے مطیع تھے اب سرکشی کیسی؟ جنوں نے جواب دیا کہ سب کے مقابلہ میں تو تمہارے مطیع مگر شیخ کے مقابلہ میں تمہاری اطاعت نہیں۔ غرض کہ ان کو لے کر شیخ کی خدمت میں پہنچے۔ دیکھ کر حضرت نے فرمایا کہ تمہیں شرم نہیں آتی اور بہت ڈانٹا۔ آخر کار وہ بیعت ہو کر صاحب نسبت ہو گئے گوالیار میں ان کا مزار ہے۔

(۳) ایک مرتبہ حضرت کے ایک خادم نے جو امیر کبیر آدمی تھے۔ اپنے بیٹے کے ولیمہ میں شہر کے امراء و غرباء کی دعوت کی اور ان کو کھانا کھلایا تو حضرت شیخ بھی امتحاناً وہاں تشریف لے گئے اس طرح سے کہ کسی کو اس تشریف لے جانے کی اطلاع نہ ہو لباس بدل کر اور شب کے وقت تشریف لے گئے وہاں پہونچ کر غرباء کی مجلس میں جا کر بیٹھ گئے تو دیکھا کہ وہ خادم اس موقعہ پر موجود ہیں اور دیکھا کہ جس طرح امراء کی خاطر و مدارت کی جا رہی ہے اسی طرح غرباء کا بھی اعزاز و اکرام کیا جا رہا ہے۔ بس حضرت شیخ وہاں بیٹھے رہے مگر اس خادم کو چونکہ اس کا احتمال بھی نہ تھا کہ حضرت شیخ بھی میرے یہاں تشریف لائے ہیں اور یہاں موجود ہیں۔ اور پھر حضرت شیخ اپنا لباس بھی تبدیل فرمائے ہوئے تھے اس لئے اس خادم نے حضرت شیخ کو بالکل نہ پہچانا۔ یہاں تک کہ جب سب لوگ فارغ ہو کر رخصت ہوئے تو حضرت شیخ بھی وہاں تشریف لے آئے اس کے بعد وہ خادم جب حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت ان سے ناراض تھے۔ انہوں نے ناراضگی کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ ہم تمہارے جلسہ دعوت میں گئے مگر تم نے ہم کو پہچانا نہیں اس نے عذر کیا کہ جب سب اسباب عدم معرفت کے جمع تھے تو کسطرح پہنچانتا۔ فرمایا کہ ہمارے اندر سے خوشبو کیوں نہیں آئی۔ اگر تم کو ہمارے اندر سے خوشبو آتی تو گو ہم لباس تبدیل کئے ہوئے تھے مگر تم

ہمکو ضرور پہچان لیتے اور جب خوشبو نہیں آئی تو معلوم ہوا کہ تم کو ہم سے محبت نہیں۔

حضرت اقدس تھانوی نے اپنی تالیف السنتہ الجلیلتہ فی الچشتیہ العلیہ میں چند واقعات حضرت کے تحریر کیئے ہیں جن میں سے دو قصے یہاں نقل کرتا ہوں۔

(۱) ایک مرتبہ حضرت شیخ عبدالقدوس دہلی آئے ہوئے تھے۔ شیخ حاجی عبدالوہاب بخاری جو کہ سید جلال الدین بخاری کی اولاد میں سے تھے عالم اور صاحب حال تھے۔ انہوں نے اپنی لکھی ہوئی تفسیر کو شیخ کے پاس بھیج دیا۔ شیخ نے اس کو کھولا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل بیعت کی طہارت کے متعلق جو آیت ہے وہ نظری پڑی۔ اس مقام پر شیخ عبدالوہاب نے لکھا تھا کہ نبی کی تمام اولاد خاتمہ سے بیخوف ہے اور ان کا خاتمہ یقیناً بالخیر اور اچھا ہوتا ہے۔ شیخ عبدالقدوس نے اس کے حاشیہ پر لکھا کہ یہ مضمون مذہب اہل سنت والجماعت کے خلاف ہے اور کتاب کو واپس کر دیا۔ وہاں اس مسئلہ میں بہت دنوں تک علماء میں گفتگو ہوتی رہی۔ بالآخر جو کچھ شیخ عبدالقدوس نے فرمایا تھا اس کو سب نے برقرار رکھا۔

ایک مرتبہ امام مسجد وقت پر نہ آئے ان کے بھتیجے شیخ عبدالغنی آگے بڑھے اور امامت کی۔ الذین اور انعمت کے درمیان کچھ ان سے وقفہ ہو گیا۔ شیخ نے دوبارہ نماز پڑھی اور بہت غصہ سے فرمایا کہ نوعمروں کو منع کرنا چاہیے کہ امامت نہ کریں اور لوگوں کی نماز فاسد نہ کریں۔ کیا اتنی بات بھی نہیں جانتے کہ موصول صلہ سے مل کر منزلہ ایک کلمہ کے ہوتا ہے کہ اس کے درمیان میں قطع کرنا درست نہیں ہے اور وقفہ اس کے درمیان میں جائز نہیں۔

صلبی اولاد:

آپ کی روحانی اولاد کے ساتھ ساتھ نسبی اولاد بھی کامل واکمل تھی۔ سات صاحبزادے تھے جو باکمال واہل فضل تھے۔ یہ حضرات دہلی میں تعلیم پاتے تھے اور جب والد کی زیارت کے اشتیاق میں حاضری کی اجازت چاہتے تو حضرت شیخ اس خیال سے کہ طالب علمی میں حرج ہوگا خود ہی دہلی تشریف لے جایا کرتے تھے۔

وفات:

شیخ رکن الدین صاحب نے لطائف قدوسی میں لکھا ہے کہ گیارہ جمادی الاخری ۹۴۴ھ دو شنبہ کو حضرت کوتپ ولزرہ شروع ہوا جمعہ کے دن کم ہوگیا جس کی وجہ سے نماز اطمینان سے پڑھی اس کے بعد پھر شروع ہوگیا۔

مرض الموت کی حالت میں عبادت میں کسی قسم کا تفاوت پیدا نہیں ہوا۔ باوجود اس کے کہ محویت کامل طور پر تھی۔ ایک رات سترہ بار تازہ وضو کر کے تحیۃ الوضو پڑھی۔ آخیر میں وضو کے لیے اشارہ کیا اور دو رکعت نماز کی نیت باندھی، رکوع وسجدہ اشارہ سے کیا اور نویں دن سہ شنبہ کے روز نماز کی حالت میں رحلت فرمائی شیخ اجل۔

آپ کا سال وفات ہے۔ بعض لوگوں نے ۹۴۵ھ بھی لکھا ہے۔ حضرت کی عمر چوراسی سال کی ہے جس میں پینتیس سال ردولی شریف قیام رہا، ۸۹۶ھ میں عمر خان کاشی جو سلطان سکندر لودھی کے امراء میں سے ہے اس کی استدعا واصرار کی درخواست پر شاہ آباد میں تشریف لائے اور پینتیس ہی سال وہاں بھی مقیم رہے۔ ۹۳۲ھ میں ظہیر الدین بابر کے زمانہ میں گنگوہ قدم رنجہ فرمایا اور چودہ سال وہاں قیام فرمایا۔

گنگوہ اس وقت دو حصوں میں منقسم ہے ایک شہر کے نام سے مشہور ہے، دوسرا حصہ سرائے کے نام سے شہر کی غربی جانب میں ہے۔ یہ حصہ اس وقت بالکل جنگل تھا جہاں شیخ نے آکر قیام فرمایا اور اس ہی وقت یعنی غالباً ۹۳۰ھ سے اس حصہ سرائے کی ابتدائی آبادی ہے۔ اس ہی سرائے میں سلسلہ چشتیہ کے ارکان ثلثہ یعنی حضرت قطب عالم اور حضرت شاہ ابوسعید گنگوہی، حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی آرام فرمارہے ہیں۔ حضرت کے وصال میں اور بھی اقوال ہیں بعض تئیس جمادی الثانی ۹۴۴ھ اور بعض نے ۹۴۰ھ یا ۴۵ھ یا ۹۲۵ھ بھی لکھا ہے۔ مگر راجح قول ۹۴۴ھ ہی کا ہے۔

خلفاء:

حضرت کے خلفاء کی مقدار بہت زیادہ بتائی جاتی ہے۔ مشاہیران میں سے یہ ہیں۔ شیخ

بھورو، شیخ عمر، شیخ عبدالغفور اعظم پوری، شیخ رکن الدین، شیخ عبدالکبیر مشہور بہ بالا پیر۔ یہ ہر دو حضرات حضرت کے نسبی اور روحانی دونوں طرح کے فرزند ہیں۔ حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری جن کا ذکر آئندہ آنیوالا ہے۔

(خزینۃ الاولیاء، انوار الوالعاشقین، تعلیم الدین، افاضات یومیہ، السنۃ الجلیلۃ، حق السماع)

(۲۷)......شیخ جلال الدین بن محمود عمری تھانیسری رحمۃ علیہ اللہ

آپ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے اکابر خلفاء میں سے ہیں فاروقی النسب ہیں وطن آپ کا بلخ تھا آپ کے والد قاضی محمود علماء میں تھے صاحب نزہۃ الخواطر نے آپ کے والد محترم کا نام ''محمد'' تحریر کیا ہے آپ کی ولادت بظاہر ۸۹۴ھ ہے سات سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ فرمالیا تھا اور سترہ سال کی عمر میں علوم ظاہریہ کی تکمیل فرما کر تدریس وافتاء میں مشغول ہو گئے تھے تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی جاری کیا طاعت عبادت نوافل اوراد و وظائف اور پابندی اوقات آپ میں خاص طور سے پائی جاتی تھی۔

اتباع سنت میں بھی آپ کا وہی حال تھا جو مشائخ چشت کے لئے بمنزلہ عادت ثانیہ کے ہوتا ہے ایک مرتبہ بیمار ہوئے دوا پیش کی گئی اس وقت آپ صاحب فراش تھے بیٹھنا مشکل تھا لیکن جوں توں بیٹھنے پر خادموں سے فرمایا مجھے اٹھا کر زمین پر بٹھا دو خدام نے حکم کی تعمیل کی جب زمین پر بیٹھ گئے اس وقت دوا نوش فرمائی اور فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت نہیں کہ آپ نے تخت وسریر پر کوئی چیز کھائی ہو۔

ریاضت ومجاہدات کی کثرت نے لاغر کر دیا تھا لیتے رہتے تھے مگر عجیب بات یہ تھی کہ اذان کے وقت قوت اور بشاشت لوٹ آتی تھی اور بڑے اطمینان سے نماز ادا کرتے تھے حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے اکثر مکاتیب آپ کے نام بڑے پر حقائق ہیں۔

بیعت وارادت:

آپ کی ابتدائی بیعت کا واقعہ بھی پُرلطف ہے آپ چونکہ علوم ظاہریہ کے امام تھے اس لئے ایک مدرسہ میں تعلیم فرماتے تھے طلباء کا مجمع رہتا تھا کچھ لوگ حضرت شیخ گنگوہی سے بیعت تھے، حضرت وہاں تشریف لے گئے مولانا جلال کو بھی علم ہوا ان مریدین سے کہا کہ سنا ہے تمہارے پیر آئے ہیں اور وہ ناچتے بھی ہیں (غلبہ حال کو ناچنے سے تعبیر کیا) ان سے ہمارا سلام کہہ دینا کسی وقت موقع ہوا تو میں خود بھی آؤں گا خدام نے سلام پہنچا دیا حضرت شیخ نے جواب سے سرفراز فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ کہہ دینا کہ وہ پیر خود بھی ناچتے ہیں دوسروں کو بھی نچاتے ہیں اتفاقاً ایک روز نداء غیبی نے حضرت شیخ مژدہ سنایا کہ مولانا جلال کو تمہیں بخش دیا ان کو اپنے حلقے میں لے آؤ اس کے امتثال کے لئے حضرت شیخ مدرسہ تشریف لے گئے وہاں طلبہ کا مجمع مولانا کو احاطہ کیے ہوئے تھا جب درس سے فراغت ہوئی تو حضرت شیخ کی طرف متوجہ ہوکر مولانا نے دریافت کیا کہ آپ کون بزرگ ہیں حضرت نے فرمایا کہ میں وہی ناچتا پیر ہوں یہ فرما کر حضرت نے ایک تیز نظر سے توجہ ڈالی جس کی بناء پر مولانا کے علوم سب زائل ہو گئے اس پر مولانا نے بڑی التجا و معذرت کی تو حضرت نے تشفی اور علوم حقیقی کا اظہار فرمایا اسی طرح چند توجہات کے بعد حضرت کو اشغال کی تعلیم فرمائی اور خلوت و مجاہدہ کا امر فرمایا کچھ دنوں بعد مولانا پر بے خودی کا عالم طاری ہونے لگا اور اپنے احوال کی حضرت کو اطلاع کرتے رہتے حضرت شیخ اس کی اصلاح فرماتے رہتے تھے استغراق کا غلبہ آپ پر بہت تھا۔

کرامات:

صاحب کرامات تھے ایک مرتبہ ایک مرید کے دل میں یہ خطرہ گذرا کہ پہلے زمانے میں ایسے لوگ ہوتے تھے کہ جس پر نظر کرتے تھے وہی صاحب کمال ہو جاتا تھا ادھر شیخ اس خطرہ پر مطلع ہو گئے اور فرمایا کہ اب بھی ایسے شخص موجود ہیں یہ فرما کر ایک تیز نگاہ سے دیکھا وہ مرید تین دن تک بے ہوش رہے اور اس کے چند روز بعد انتقال ہو گیا حضرت شیخ تک جب ان کی وفات کی خبر پہنچی تو فرمایا کہ ہر شخص کو اس بار کے اٹھانے کی طاقت نہیں ہوتی یہ بے چارہ

بھی اس کی طاقت نہ رکھ سکا۔ تھانیسر میں ایک میلہ ہوتا تھا جس میں لاکھوں ہندو جمع ہوتے ہیں۔ حضرت نے ایک روز اپنے خدام سے فرمایا کہ یہ کیا بات ہے یہاں اتنے ہندو کیوں جمع ہیں؟ عرض کیا کہ حضرت یوں تو ان کا یہ ایک مذہبی میلہ ہے لیکن اس میں ایک عجیب بات ہے جو زیادہ ہجوم کا باعث ہے وہ یہ کہ ایک جوگی آتا ہے جو بہت مرتاض ہے اس میں یہ تصرف ہے کہ وہ زمین زمین میں غوطہ لگاتا ہے، یہاں غوطہ لگاتا ہے اور وہاں نکلتا ہے اندر ہی اندر یہاں سے وہاں پہنچ جاتا ہے یہ سن کر فرمایا کہ بھائی اس تماشہ کو تو ہم بھی دیکھیں گے لوگوں کو تعجب ہوا کہ کیا شیخ بھی اس تماشہ کو دیکھیں گے مگر کون بول سکتا تھا حضرت نے فرمایا مجھے وہاں لے چلو جہاں اس کا مرکز ہے چنانچہ لوگوں نے حضرت کو لے جا کر اس کے مرکز کے پاس کھڑا کر دیا جہاں سے وہ غوطہ لگاتا تھا جب وقت آیا تو اس نے حسب معمول غوطہ لگایا، غوطہ لگاتے ہی زمین پھٹ گئی اور وہ غائب ہو گیا آپ نے جھٹ اپنا قدم مبارک اس موقع پر رکھ دیا اب جوگی صاحب نہیں نکلتے وہ وہیں زمین کے اندر دھنس گیا اور مر گیا اور حضرت اپنا کام کر کے چلے آئے۔

ارشاد الطالبین آپ کی تصنیف ہے اس میں ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں عاشق لوگ کشف و کرامات کے درپے نہیں ہوتے، بلکہ ان کا سارا اہتمام عبادت، زہد، تقویٰ کے لیے ہوتا ہے اور وہ لوگ ان چیزوں کو کسی حال میں نہیں چھوڑتے بلکہ وہ اپنے نفسوں کو ہلاک کر دیتے ہیں اور مرنے سے پہلے مر جاتے ہیں۔ (یہ ایک حدیث پاک کی طرف اشارہ ہے، جس میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے موتو قبل أن تموتو)

ایک دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ جاہل صوفیاء راستہ سے پھسل کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اور مشائخ صوفیاء کے کلام سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے ان کا کہنا ہے کہ یہ جاہل صوفیاء وصول الی اللہ سے اس لئے محروم ہوتے ہیں کہ اصول چھوڑ بیٹھتے اور اصول یہ ہے کہ شریعت مطہرہ کی رعایت کرے۔

وفات:

حضرت شیخ نے چودہ یا بائیس یا پچیس ذی الحجہ ۹۸۰ھ یا ۹۸۹ھ بروز جمعہ پچانوے یا چھیانوے سال کی عمر میں وصال فرمایا - اور صاحب نزہۃ الخواطر کے قول کے مطابق ان کی وفات ۹۶۹ھ میں ہے۔

(خزینۃ الاولیاء، ملفوظات، انوار العاشقین، سفینۃ الاولیاء، افاضات یومیہ، نزہۃ الخواطر جلد رابع)

(۲۸)......شیخ نظام الدین العمری التھانیسری رحمۃ اللہ علیہ

ابن شیخ عبد الشکور علوم ظاہریہ و باطنیہ کے جامع تھے - علوم معرفت و اسرار و رموز کے علاوہ کیمیا وغیرہ کے علوم بھی حاصل تھے اس ہی وجہ سے حاسدین کو آپ کے ساتھ بغض وعداوت زیادہ تھا اور اکبر بادشاہ کے یہاں بار بار آپ کی طرف سے شکایات پہنچائی جاتی تھیں اکبر نے دو مرتبہ آپ کو ہندوستان سے باہر بھیج دیا تھا۔ اول مرتبہ حرمین شریفین کی طرف روانہ کیا حضرت شیخ اس سے فراغت کے بعد ہندوستان واپس لے آئے تو دوبارہ ماوراء النہر کی طرف روانہ کر دیا وہاں پہنچ کر حاسدین پیدا ہوئے اور والی بلخ سے لوگوں نے شکایات شروع کیں اس نے بھی شیخ کے اخراج کا ارادہ کیا لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں منع فرما دیا خواب کا دیکھنا تھا کہ حد درجہ معتقد ہو کر مرید بن گیا آپ کو خرقہ اجازت حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری سے ہے آپ حضرت کے بھتیجے اور داماد بھی تھے آپ کے والد شاہ عبد الشکور بھی حضرت شیخ سے مجاز تھے علوم اسرار و حقائق اکثر بیان فرمایا کرتے تھے آپ کے ملفوظات اکثر خدام تحریر کر لیا کرتے تھے بعض نے کہا ہے کہ علوم ظاہری آپ نے پڑھا نہیں تھا بلا تحصیل ہی کمال حاصل تھا - نفی اثبات اور ذکر بالجہر آپ نے شب و روز کیا ہے ایک مہینے تک اس قدر سخت مجاہدہ کیا ہے کہ بعض کے قول کے موافق حجرہ کے دروازے پر دیوار کھینچ لی تھی اور اندر ہی مہینے بھر تک رہے۔

شیخ کی کرامت سے نماز کے وقت ملائکہ بصورت جسمیہ حاضر ہوتے تھے ان کے ساتھ امام بن کر با جماعت نماز ادا فرماتے تھے حضرت سے چھ ماہ کی اجازت لی تھی کہ یا مطلوب ہو گا یا اگر مقدر میں نہیں وہیں مر جاؤں گا حضرت نے فرمایا کہ اسم ذات ایک سانس میں نوے مرتبہ سے ابتداء کر کے روزانہ حسب تحمل ترقی کرتے رہو چنانچہ ایک سانس میں تین سو اور بعض کے نزدیک چار سو تک کے آپ عادی ہو گئے تھے ابھی ایک ہی مہینہ گزرا تھا کہ تجلیات خاصہ کا ظہور ہوا زیادہ تخلیہ کی ضرورت نہیں رہی تھی اس لئے حضرت شیخ نے منع فرما دیا اور ارشاد و تلقین خلق اللہ کا امر فرمایا چنانچہ مشہور ہے کہ حضرت شیخ جلال الدینؒ نے اپنے تمام خلفاء مریدین کو اپنی حیات ہی میں حضرت شیخ نظام الدین کے حوالہ فرما دیا تھا حضرت شیخ نے ان کی تعلیم و تلقین فرمائی اور ہندوستان میں اپنی نیابت کے لیے شیخ ابو سعید گنگوہی کی تکمیل فرمائی جس شخص پر نظر فرماتے تھے ایک ہی وہلہ میں صاحب شہود ہو جاتا تھا اس ہی وجہ سے بعض لوگوں نے ولی تراش نام رکھ لیا تھا۔

آپ صاحب اولاد تھے سب سے بڑے صاحبزادہ شیخ محمد سعید بلخ پھر دوبارہ ہندوستان آئے اور اپنے وطن مالوف قصبہ تھانیسری میں قیام اختیار فرمایا ان کے چھوٹے بھائی شیخ عبدالحق کرنال میں مقیم ہوئے اور باقی صاحبزادگان بلخ ہی میں مقیم رہے۔

تصانیف:

حضرت شیخ صاحب تصانیف بھی تھے شرح سوانح غزالی المعات کی دو شرحیں مکی و مدنی، ریاض قدسی، تفسیر نظامی، رسالہ حقیقت اور رسالہ بلخیہ وغیرہ، آپ کی تصانیف سے ہیں۔

وفات:

حضرت شیخ کی وفات آٹھ رجب ۱۰۲۴ھ یا ۳۵ھ یا ۳۶ھ میں ہے اور مزار بلخ میں ہے آپ کے مشاہیر خلفاء میں صاحبزادہ شیخ عبدالکریم اور سید علی غواص جو بلخ میں قائم مقام ہوئے اور حضرت شاہ ابو سعید جنہوں نے گنگوہ میں نیابت فرمائی اور شیخ اللہ داد قاضی سالم ہیں۔ (خزینۃ الاولیاء انوار العاشقین تعلیم الدین)

(۲۹)......شاہ ابوسعید نعمانی النوشیروانی گنگوہی قدس سرہ

آپ نسبتاً نعمانی ہیں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ تک آپ کا سلسلہ نسب پہنچتا ہے آپ کے والد کا اسم گرامی شیخ نور تھا، آپ کی والدہ حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی تھیں اولاً کچھ دنوں سپہ گری میں آپ نے ملازمت کرلی تھی لیکن ابتدا ہی سے غلبہ عشق الٰہی حاصل تھا کچھ دنوں اخفاء کرتے رہے اس کے بعد حضرت شیخ جلال الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے چونکہ حضرت شیخ اپنے ضعف و پیری کی وجہ سے اپنے خدام وغیرہ کو حضرت شیخ نظام الدین کے حوالہ فرما چکے تھے اس لئے شیخ ابوسعید کو بھی شیخ نظام الدین کے حوالے فرمادیا لیکن حضرت شیخ چونکہ بلخ تشریف لے گئے تھے اس لئے آپ تنہا صدمہ مفارقت سے بے حد رنجیدہ رہتے تھے اور طول مفارقت کے رنج میں اشتغال وغیرہ بھی سب چھوٹ گئے۔

بلخ کے لئے روانگی:

اتفاقاً ایک مرتبہ اپنے جدامجد حضرت شاہ عبدالقدوس کے روضہ مبارک پر حاضر تھے، کہ شیخ کی خدمت میں بلخ حاضری کی ترغیبی ندا سنی اور اسی طرح تین دن تک سنتے رہے بالآخر حضرت شیخ المشائخ قدس سرہ کی امداد واعانت سے پا پیادہ (پیدل) بلخ حاضر ہوئے وہاں شیخ پر ان کی حاضری وغیرہ منکشف ہو چکی تھی اور اپنے دادا پیر شیخ عبدالقدوس قدس سرہ کی طرف سے بعض ہدایات بھی آپ کے متعلق منکشف ہو چکی تھی اس لئے وہ امتثالاً للامر استقبال کے لئے تشریف لے گئے کہ سلطان بلخ بھی ہمراہ تھے اس لئے کہ وہ خود شیخ کے معتقد تھے جیسا کہ تحریر کیا جا چکا۔

واپسی پر احترام واکرام کیا اور اس پر متنبہ فرمایا کہ وہ ندا اور یہ سب امداد تمہارے جدامجد کی تھی، شیخ نے حسب ہدایت کشف تین دن تک خوب خاطریں کی اور حق ضیافت ادا فرمایا جب کئی دن ہو گئے تو شاہ ابوسعید نے عرض کیا کہ حضرت میں گنگوہ سے بلخ تک پیادہ چل کر

دعوتوں کے لیے نہیں آیا فرمایا صاحبزادے پھر جو خاص مطلب ہو وہ بیان فرمائیے کہا میں تو وہ دولت لینے آیا ہوں جو آپ میرے گھر سے لائے ہیں بس یہ سنتے ہی شیخ کا رنگ بدل گیا اور فرمایا صاحبزادے اگر وہ دولت لینا چاہتے ہو تو پھر یہ شان وشوکت رخصت کرو اور آج سے حمام کی خدمت تمہارے سپرد ہے جا کر حمام جھونکو اور نقیب خانقاہ سے فرمایا کہ ان کو لنگر کی روٹی صبح، شام دے دیا کرو اور فرمایا کہ جب تک ہم اجازت نہ دیں اس وقت تک ہمارے سامنے نہ آؤ نہ ذکر بتلایا نہ شغل بس نماز روزہ کرتے اور حمام جھونکتے رہے اسی حالت میں ایک عرصہ گزر گیا اس کے بعد حضرت شیخ نے بھنگن سے فرمایا کہ آج کوڑا ابو سعید کے سر پر ڈال دینا بھنگن نے ایسا ہی کیا تو شاہ ابو سعید نے غصہ سے فرمایا کہ نہ ہوا گنگوہ جو آج تجھے حقیقت معلوم ہو جاتی بھنگن نے عرض کر دیا کہ ابو سعید نے یہ کہا تھا فرمایا ارے ابھی تو خناس دماغ میں گھسا ہوا ہے گنگوہ کی بوئے ریاست نہیں نکلی ابھی اور حمام جھونکیں چنانچہ اور عرصہ گزر گیا پھر دوبارہ بھنگن کو وہی حکم دیا -چنانچہ اس نے پھر ایسا ہی کیا اس دفعہ شاہ ابو سعید نے زبان سے کچھ نہیں کہا۔

مگر تیز نظروں سے گھور کر دیکھا شیخ نے یہ حال سن کر فرمایا کہ ابھی تو کسر باقی ہے چنانچہ ایک عرصہ تک اور وہی خدمت جاری رہی اس کے بعد پھر وہی حکم ہوا بھنگن نے پھر ایسا ہی کیا کہ سارا کوڑا کرکٹ شاہ ابو سعید کے سر پر ڈال دیا، اس وقت شاہ ابو سعید کا نفس بالکل مل دَل گیا تھا کوڑا جو گر گیا تھا وہ اپنے اوپر ڈالنے لگے بھنگن نے جا کر شیخ سے یہ حال عرض کیا تو فرمایا الحمدللہ اول قدم تو طے ہوا۔ واقعی یہ تکبر ہی راستے میں حائل ہوتا ہے یہ نکل جائے تو پھر بہت جلد طریق طے ہو جاتا ہے۔

اس ریاضت کے بعد شاہ ابو سعید کو اتنی اجازت ملی کہ شیخ کی مجلس میں آ جایا کریں اور باتیں سنا کریں پھر کچھ عرصے بعد ذکر تعلیم کیا گیا ذکر شروع کرنے کے بعد کچھ حالات و کیفیات طاری ہوئی تو شیخ کو معلوم ہوا کہ ابو سعید میں عجب پیدا ہو گیا تو فوراً سب ذکر و شغل چھڑا دیئے اور کتوں کی خدمت سپرد کی وہ شکاری کتے تھے ایک دن شاہ ابو سعید ان کو جنگل

لے گئے راستے میں کوئی شکار نظر آیا جس کو دیکھ کر کتے اس کے پیچھے دوڑے شاہ ابوسعید بھی کچھ دور تک زنجیر کو تھامے ہوئے ان کے ساتھ دوڑتے رہے آخر کہاں تک دوڑتے تھک گئے اور شکاری کتے مضبوط اور قوی ان کے قابو سے باہر ہو گئے ان کو اندیشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو میرے ہاتھ سے زنجیر چھوٹ جائے اور کتے بھاگ جائیں تو شیخ ناراض ہوں گے اپنے زنجیر کو اپنی کمر سے باندھ لیا اور کچھ دیر تک اس طرح دوڑے آخر کار تھک کر گر گئے اب یہ حال ہے کہ کتے بھاگے جار ہے ہیں اور یہاں ساتھ ساتھ گھسٹتے ہوئے جار ہے ہیں کہیں ڈھیلوں میں سر لگتا ہے کہیں کانٹوں سے بدن زخمی ہوتا ہے اسی حالت میں ان پر غیبی فضل ہوا کہ ایک تجلی خاص ان کے اوپر ہوئی جس کی لذت نے تمام تکلیف کو بھلا دیا ادھر حضرت شیخ کو یہ حالت منکشف ہوئی اور انہوں نے خدام سے فرمایا کہ اس وقت ابوسعید پر فضل ہو گیا، اور ایک خاص تجلی سے حق تعالیٰ نے ان کو مشرف فرمایا جاؤ جنگل سے انھیں اٹھالاؤ خدام تو ادھر دوڑے اور ادھر سلطان نظام الدین اولیاء پر شیخ المشائخ حضرت شاہ عبدالقدوس کی روحانیت منکشف ہوئی اور فرمایا نظام الدین تم کو اس سے زیادہ مشقت لینے کا بھی حق تھا مگر ہم نے تو تم سے اتنی مشقت نہیں لی تھی یہ ایک محبت آمیز عتاب تھا جس سے سلطان نظام الدین کے دل پر بڑا اثر ہوا چنانچہ اب جو شاہ ابوسعید سامنے آئے ہیں تو سلطان جی نے ان کو محبت سے سینہ سے لگایا اور پھر ذکر و شغل میں لگا دیا اور خاطر مدارات ہونے لگی۔

شاہ ابوسعید کو اس روز کی تجلی کا بہت اشتیاق تھا کہ وہی تجلی پھر ہو روزانہ ذکر کر کے اس کے مشتاق رہتے جب کئی روز تک نہ ہوئی تو ایک دن حبس دم کر کے بیٹھ گئے اور پختہ ارادہ کر لیا کہ جب تک وہ تجلی نہ ہوگی سانس نہ چھوڑوں گا چاہے دم نکل جائے کیونکہ ایسی زندگی سے مر جانا ہی اچھا ہے چنانچہ کئی گھنٹہ تک سانس روکے بیٹھے رہے بالآخر وہ تجلی ہوئی اور اس کی مسرت میں سانس اس زور سے چھوٹا کہ پسلی پر ضرب پہنچی اور ٹوٹ گئی اسی وقت غیب سے ایک ہاتھ نمودار ہوا جس میں چمچہ کے اندر کوئی دوا تھی وہ ان کے منہ میں لگادی گئی اس کے کھاتے ہی پسلی فوراً جڑ گئی اور اسی کے ساتھ یہ بھی ارشاد ہوا کہ چوزہ کا شوربہ چند روز تک پینا

انہوں نے یہ حالت دور ہو جانے کے بعد شیخ سے یہ قصہ عرض کیا شیخ نے فوراً چوزہ کا انتظام کر دیا اور کئی روز تک چوزے کھلائے گئے۔

بالآخر شیخ نے تکمیل کے بعد اپنا نائب بنا کر گنگوہ واپس کیا آپ واپسی کے بعد گمنامی میں ایک عرصہ تک رہے لیکن شیخ محمد صادق کی بیعت کے بعد سے آپ کی طرف رجوعات زیادہ ہو گئیں۔

وفات:

۲ ربیع الاول یا ربیع الثانی ۱۰۴۰ھ میں آپ کا وصال ہوا اور گنگوہ میں آپ کا مزار ہے آپ کے مشاہیر خلفاء یہ حضرات ہیں شیخ محمد صادق گنگوہی شیخ ابراہیم رامپوری شیخ خواجہ محبّ اللہ الہ آبادی (جن کا ذکر ہمارے شجرہ میں ہے) شیخ ابراہیم سہارنپوری، شیخ خواجہ پانی پتی رحمہم اللہ اجمعین۔ (ملفوظات انوار العاشقین تعلیم الدین البدائع)

(۳۰)......مولانا الشیخ خواجہ محبّ اللہ الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کا وطن اصلی صدر پور تھا علوم ظاہریہ کی تکمیل کے بعد جب علوم حقیقت کے مشتاق ہوئے تو دہلی حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار پر حاضر ہو کر مراقب ہوئے، حضرت نے ارشاد فرمایا کہ سلسلہ صابریہ میں آج کل شیخ ابوسعید گنگوہی کے یہاں بازار تکمیل گرم ہے وہاں جاؤں اس بنا پر گنگوہ حاضر ہوئے اور بیعت ہوئے۔

مقصود کی تکمیل:

آپ حضرت شیخ کے ممتاز خلفاء میں ہیں بیعت کو چند ہی روز گزرے تھے کہ حضرت شیخ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ محبّ اللہ آؤ تمہیں مقصود تک پہنچاؤں یہ فرمایا اور فوراً تکمیل فرمادی بعض خدام نے جو ایک زمانہ سے پڑے ہوئے تھے عرض کیا کہ حضرت یہ خدام ایک عرصہ سے پڑے ہوئے ہیں ان کی طرف حضرت نے التفات نہیں فرمایا یہ نو وارد جن کی حاضری کو کچھ بھی زمانہ نہیں ہوا آپ نے ان کی تکمیل فرمادی۔ حضرت شیخ نے فرمایا۔ ذلك فضل اللہ

یؤتیہ من یشاء اس کے بعد ان کو نصیحت فرمائی کہ ہر شخص کا یکساں حال نہیں ہوتا۔ بعض لوگ محتاج بڑے مجاہدوں کے ہوتے ہیں اور بعض کو تھوڑی سی مشقت میں تجلیات حاصل ہو جاتی ہیں۔ اجازت پر خود مولانا کو یہ خیال ہوا کہ میں اس کا اہل نہیں ہوا ہوں۔ لیکن اجازت کے ساتھ وہ توجہ شیخ کی ہوئی کہ خود مولانا نے فورا ؟ عرض کیا کہ حضرت اس سے زائد کا مجھ میں تحمل نہیں۔ بس کیجئے، بس کیجئے۔

خلافت کے سات طریق:

کہا جاتا ہے کہ خلافت کے طرق (اصالہ بامر الٰہی شخصے را خلیفہ کنید و لیسمی خلافت الٰہی، اجازہ برضاء و رغبت خود کند وایں متداول است و لیسمی رضائی، واجماعا قوم بعد فوات شیخ وارثی یا مریدی را خلافت دہندہ لیسمی قرائی ولا یعتبر عند المشائخ، وارثا آنکہ شیخ بمرد وارثی کہ قابل ایں او نہ بود بگذاشت ولا یعتبر الا بان یامرہ فی الباطن وحکما بامر الحاکم کہ کسی را قائم مقام شیخ کند بآیۃ اطیعوا اللہ الآیۃ معتبر است تکلفا بہ سفارش جماعت باشد واویسیہ آنکہ تربیت بروح غیر باشد) سبعہ یعنی اصالہ، اجازۃ، اجماعا، وارثا، حکما، تکلفا، اویسیہ میں سے اس اخیر طریقہ سے حضرت مولانا کو خلافت عطا ہوئی۔ اجازت کے بعد آپ دہلی اور اس کے بعد اپنے اصلی مکان صدر پور تشریف لے گئے۔ لیکن وہاں کچھ دنوں قیام کے بعد آپ نے اپنے لئے الہ آباد کا قیام پسند فرمایا۔ وہاں حضرت سے عام فیض خلق اللہ کو ہوا آپ کے سلسلہ میں علماء زیادہ تر داخل ہوئے ہیں۔

الہ آباد میں بیس سال فیض رسانی کے بعد نو رجب سنہ ۱۰۵۴ھ یا سنہ ۱۰۵۸ھ بروز پنجشنبہ غروب آفتاب کے وقت یہ آفتاب ہدایت بھی غروب ہوا۔ اور الہ آباد ہی میں مزار ہے۔

(انوار العاشقین، تعلیم الدین وغیرہ)

(۱۳۱)......مولانا الشیخ سید محمدی اکبرآبادی رحمۃ اللہ علیہ

چودہ شوال ۱۰۲۱ھ میں آپ کی پیدائش ہے، آپ کی تاریخ کسی نے لکھی ہے۔

قطعہ

درجہاں آفتاب پیدا شد ذرہا در ہواش شیدا شد
سال تاریخ جلوہ اش بوجود قدوۃ الکاملین ہویدا شد

آپ نسباً سید تھے آپ کا ابتدائی زمانہ آزادی کے ساتھ گذرا ہے۔ آپ کے والد شیخ عیسیٰ ہرگامی اکثر تنبیہ فرماتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ نہایت زیادہ تنبیہ فرمائی تو کچھ ایسی کارگر ہوئی کہ اسی وقت سے علوم کا شوق پیدا ہوا اور علوم ظاہریہ کی تکمیل کے بعد علومِ باطنیہ کا شوق پیدا ہوا اور خواجہ محبّ اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر تحصیل معارف شروع کی، چودہ سال شیخ کی خدمت میں رہے اور ہر طرح کی خدمت انجام دی۔ حضرت شیخ کی آپ کے بارے میں نہایت مبارک کلمات بشارات کے ہیں جو ایک مرید کے لئے نہایت خوش قسمتی ہے۔ اس دوران میں صرف ایک مرتبہ والد صاحب کی زیارت کے لئے اپنے وطن ہرگام ضلع سیتاپور تشریف لے گئے۔

آپ سیاحت کے شوقین تھے اکثر سفر کرتے تھے۔ اکبرآباد کے بعد اہل امروہہ کی درخواست واصرار پر کچھ دنوں وہاں قیام کیا اس کے کچھ دن اکبرآباد اور کچھ دن امروہہ قیام فرمانے کا معمول بن گیا تھا اور اخیر میں امروہہ ہی کو وطن بنالیا تھا۔ اہل کمال کے لئے حاسدین اکثر پیدا ہو ہی جاتے ہیں۔ عالمگیر کے دربار میں حاسدین نے کچھ شکایات مولانا کی پہنچائیں اور ان کو وقیع اور خطرناک ثابت کیا۔ عالمگیر نے زیارت حرمین کا حکم فرمادیا۔ ۱۰۹۰ھ میں آپ وہاں تشریف لے گئے اور پانچ سال بعد ۱۰۹۵ھ میں واپسی ہوئی۔ اس سفر میں اہلیہ محترمہ بھی ہمراہ تھیں اسی سفر میں شاہ محمد مکی اور شاہ محمد مدنی پیدا ہوئے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ لیکن اس سے فراغت کے بعد جب واپسی ہوگئی تو پھر حاسدین کو تاب نہ ہوئی، اور دوبارہ ایسی ہی خطرناک خبریں پہونچائیں کہ عالمگیر نے آپ کو اورنگ آباد کے قید خانہ میں محبوس کیا اور اسی حبس کی حالت میں تین رجب سنہ ۱۱۰۷ھ کو آپ نے اس دار المحن کو الوداع

کہا۔ آپ کا تابوت اکبرآباد (آگرہ) پہونچایا گیا اور وہیں محلہ موتی کٹھرہ میں مزار ہے
''ع''قطب زمان رفت سوئے لامکان۔ یہی مصرعہ تاریخ وفات ہے۔
(انوارالعاشقین، تعلیم الدین)

(۳۲)......شاہ محمد مکی جعفری رحمۃ اللہ علیہ

آپ نسبا سید اور اپنے مرشد شاہ محمدی کے صاحبزادہ ہیں۔ آپ کی پیدائش چونکہ مکہ میں ہوئی اس لئے محمد مکی کے نام سے مشہور ہیں۔ شجرات میں شاہ عضدالدین اور شاہ محمدی کے درمیان آپ کا واسطہ ملتا ہے۔ لیکن مقاصد الصادقین جو خود شاہ عضدالدین ہی کی تصنیف ہے اس میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایں بندہ جرعہ نوش جام آں ساقی خاص وعام پیر مرشد حقیقی شیخ محمدی است۔ ایسے ہی اور بھی کتب تواریخ سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ شاہ عضدالدین کو بلا واسطہ شاہ محمدی سے اجازت حاصل ہے جیسا کہ تعلیم الدین میں بھی حضرت تھانوی نے لکھا ہے چنانچہ تحریر فرماتے ہیں۔

اس مقام پر ہمارے خاندان کے شجروں میں کچھ اختلاف ہے۔ بعض میں شیخ محمد حامد شاہ اور عضدالدین کے درمیان محمد مکی بھی مندرج ہے اور بعض میں صرف شاہ حامد کا نام ہے اور تاریخ سے ثبوت ملتا ہے کہ شاہ عضدالدین کو خلافت شاہ محمد سے بلا واسطہ حاصل ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان دونوں بزرگوں کے درمیان کوئی حد فاصل نہیں ہے۔ کیونکہ لازم پکڑی ہوئی ترتیب فوت ہوجاتی ہے مقصود کی تحقیق نخبۃ التواریخ امروہہ سے نکالی ہے کہ شاہ محمدی اور شاہ محمد حامد دونوں بھائی ہیں۔ شاہ محمد حامد کو ارادت اور خلافت اپنے بھائی سے حاصل ہے اور شاہ محمدی کے حرمین میں شریفین میں دولڑکے پیدا ہوئے تھے۔ شاہ محمد مکی جن کا ذکر اس خانہ میں مقصود ہے، اور دوسرے روشن محمد مدنی دونوں نے ارادت اور خلافت اپنے باپ سے حاصل کی اور شاہ حامد سے ایک لڑکا عضدالدین پیدا ہوا۔ جن کا ذکر ابھی اس کے بعد کے خانہ میں آرہا ہے۔ انھوں نے بھی خلافت اپنے چچا شاہ محمدی سے حاصل کی اور اپنے باپ

سے بھی فیوض حاصل کیئے۔شاہ محمدی اور شاہ عضدالدین کے درمیان فصل کے نہ ہونے کی توجیہ ظاہر ہے اور وہ خلافت کا بلاواسطہ حاصل ہونا ہے اور فصل کی توجیہ یہ ہے کہ شاہ حامد سے فیض پہنچا شاہ عضدالدین کو اور ان کو چھوٹے بھائی شاہ سے حاصل توجیہ یہ ہے کہ ان کا فیض حاصل کرنا ہے اپنے باپ شاہ محمدی سے جن کا ذکر منقول ہوا۔اور شاہ عضدالدین نے فائدہ حاصل کیا ہے اپنے بھائی اور اپنے چچا شاہ محمد مکی سے جیسا کہ خیال کیا گیا ہے۔لہذا روایات اور شجرات سب موافق اور مطابق ہو گئے۔واللہ اعلم

اس لئے احتمالا یہ توجیہ ممکن ہے کہ شاہ عضدالدین کو اجازت بلاواسطہ حاصل ہے۔لیکن تکمیل فیوضات کچھ اپنے چچازاد بھائی شیخ محمد مکی سے بھی ہوئی ہو آپ کے دوسرے بھائی مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے ان کا نام روشن محمد مدنی ہے۔آپ کا اسم گرامی بعض جگہ سعد محمد مکی بھی نظر پڑا ہے۔آپ کی تاریخ وسنِ وفات عامہ کتب تاریخ میں نہیں ملتا البتہ بعض شجرات میں گیارہ رجب لکھی ہے مزار بھی شجرات میں امروہہ لکھا ہے۔(تذکرہ۔تعلیم الدین)

(۳۳)......شاہ عضدالدین رحمۃ اللہ علیہ

ابن شیخ حامد بن شیخ عیسیٰ ہرگامی۔آپ کا جدی وطن ہرگام ہے۔لیکن آپ کے والد حضرت شاہ محمد حامد ۱۰۷۳ھ میں امروہہ آ گئے تھے اور یہیں عقد کر کے مستقل قیام فرمالیا تھا اور یہیں پر شاہ عضدالدین چوبیس رجب ۱۰۷۷ھ میں پیدا ہوئے اس لئے امروہی مشہور ہیں۔

آپ حسب تحریر خود اپنے مُرشد شیخ محمدی کے حقیقی بھتیجے ہیں۔آپ کا ن امروہہ ہے۔ آپ کو علوم ظاہر اور فنون عربیہ میں کمال درجہ حاصل تھا۔اتقاوزہد وغیرہ کے اول ہی سے عادی تھے۔حکام کے اصرار کے باوجود وظیفہ قبول نہیں فرمایا۔ایک جوگی کا قصہ مشہور ہے کہ وہ آپ کے محاسن اور کمالات دیکھ کر آپ پر فریفتہ ہو گیا اور کیمیا آپ کے سامنے بنا کر آپ کی خدمت میں پیش کی۔پہلے تو آپ نے اس کے قبول کرنے سے انکار فرمایا بعد میں اس کے شدید اصرار پر قبول کر لیا اور اس بیل کو جس میں وہ رکھی ہوئی تھی خانقاہ کے ایک طاق میں

رکھوادیا۔ کئی سال بعد وہ جوگی دوبارہ آیا تو دیکھا کہ وہ اسی طرح طاق میں رکھی ہے اور بہت سا گردوغبار اس پر پڑا ہے اس نے عرض کیا کہ حضرت اس کو کام میں نہیں لایا گیا۔ فرمایا کہ ضرورت ہی پیش نہ آئی اس کے بعد فرمایا کہ ہمارے پاس اس سے بھی بڑھ کر اکسیر موجود ہے۔ اس کے دریافت کرنے پر فرمایا وہ قناعت ہے۔

نسباً سید تھے آپ کا مشہور اسم گرامی سید عزالدین ہے۔ مگر بعض لوگوں نے تحقیق کیا کہ آپ کا اصل نام عضدالدین ہے اس لئے اب وہی مشہو ہو گیا۔ عربی، فارسی کی تکمیل کے بعد آپ کو سنسکرت سیکھنے کا خیال پیدا ہوا اور باوجودیکہ اس زبان کو ہر شخص بالخصوص مسلمانوں کو سکھانے میں شدید بخل سے کام لیا جاتا تھا مگر پھر بھی بڑی مشکلات سے مختلف پنڈتوں سے اس کو سیکھا، اجودھیا اور بنارس وغیرہ کے اسفار اس کے لئے اختیار کئے اور اس میں مہارت حاصل کر کے ایک رسالہ سنسکرت زبان میں تالیف فرمایا۔

آپ کو تعبیر رویا میں بھی کمال حاصل تھا۔ کشوف بھی آپ کو اکثر ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے علم تعبیر رویا آپ سے حاصل کرنے کی درخواست کی آپ نے فرمایا کہ علم کا سیکھنا مشکل ہے اس لئے کہ ہر نوع کا احاطہ دُشوار ہے کشف کا واقعات سے تعلق ہے۔ اس کے بعد یہ خود حاصل ہو جاتا ہے۔ مقاصد العارفین آپ کی تصنیفہ ہے جو علم عقائد وسلوک میں بہترین رسالہ ہے اس کتاب کی تالیف ۱۱۲۴ھ میں مکمل ہوئی۔ لیکن یہ رسالہ طبع نہیں ہو سکا۔

ستائیس رجب ۱۱۷۰ھ یا ۱۱۷۲ھ میں تقریباً سو سال کی عمر میں آپ کا وصال ہوا۔ امروہہ میں جامع مسجد کے قریب مزار ہے۔

(انوار العاشقین، تعلیم الدین، رسالہ دارالعلوم دیوبند بابتہ جمادی الاول ۱۳۷۲ھ تذکرۃ الکرام)

(۳۴)......شیخ عبدالہادی رحمۃ اللہ علیہ

ابن الشیخ محمد حافظ نسباً شیخ صدیقی ہیں اور مسلکاً شاہ عضدالدین کے خلفاء میں ہیں۔ امروہہ محلّہ قریشیان میں چودہ رجب ۱۰۸۴ھ چہار شنبہ کو پیدا ہوئے۔

آپ کی چار سال کی عمر تھی کہ کسی تقریب میں آپ کے گھر شاہ محمدی تشریف فرما ہوئے وہاں نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو ضعف بصارت کی وجہ سے قبلہ کا رُخ صحیح نہیں معلوم کر سکے کسی قدر دوسری جانب رُخ ہوگیا آپ نے اپنی چار سالہ عمر میں شیخ کو قبلہ رُخ کیا۔ حضرت نے نماز سے فارغ ہو کر آپ کی والدہ کو بشارت دی کہ یہ لڑکا کسی وقت میں مقتدائے قوم ہوگا اور ایک قوم کی دستگیری (کہتے ہیں کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نور اللہ مرقدہ کے شجرہ میں یہ شعر کہ

بعبد الہادی ہادی پیراں
امیر دستگیر و دستگیر دستگیراں

اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔)

کرے گا۔ دادا پیر کے یہ الفاظ کچھ ایسے قبولیت سے وابستہ تھے کہ اسی وقت سے اس کے اثرات آپ میں ظاہر ہونے لگے۔

تعلیم و تربیت:

آپ کے والد نے تھوڑے دنوں میں مکتب میں بٹھا دیا۔ وہاں ابتدائی فارسی، مفرّح القلب اور گلستان کے دو باب تک پڑھی تھی ایک دن اتفاق سے حافظ جی کسی کام کو گئے تھے کہ ایک سائل پہنچا۔ سب بچے اس سے خائف ہوگئے اس نے اپنے مُنہ سے کوئی چیز چبا کر آپ کو کھلائی آپ نے خوف کی وجہ سے اس کو کھالیا اس کا گلے سے اُترنا تھا کہ ایک وحشت طبیعت پر چھا گئی۔ آدمیوں سے نفرت آبادی سے گھبراہٹ ہوگئی۔ جنگل کو نکل گئے۔ اور اسی طرح صحرانوردی میں رہا کرتے۔ امروہہ کے نواح میں یتیم شاہ نام کے ایک مجذوب رہتے تھے۔ اتفاقاً ان سے ملاقات ہوئی۔ اُنہوں نے کہا کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ تمہیں ساتھ رکھوں چنانچہ ایک مدت ان کے پاس رہے اس کے بعد اُنھوں نے کہا کہ میرا سلسلہ پانچ واسطوں سے شیخ نظام الدین بلخی تک پہنچتا ہے اس لئے تم شاہ عضد الدین سے بیعت ہو کر کمالات حاصل کرو۔ ان کی ہدایت کے موافق آپ امروہہ جا کر حضرت شیخ سے بیعت ہوئے۔ ایک

مرتبہ آدھی رات کے قریب شیخ کے پاؤں دبا رہے تھے۔ اسی حالت میں عرض کیا کہ حضرت دُعا فرمادیں کہ جاویہ رحمت مجھے قیدِ خودی سے نجات دے دے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ علائق تو لگا رکھے ہیں اور ہم جیسے بننے کی حرص کرتے ہو۔ عرض کیا کہ حضرت میری تو تمنا یہ ہے کہ حضرت کی گلی کے کتوں جیسا ہی بن جاؤں۔ یہ الفاظ حضرت کو پسند آ گئے اور کچھ دنوں بعد اجازت و خلافت سے سرفراز ہو کر حضرت شیخ کی نیابت فرمائی۔ آپ صاحب کشف تھے۔ لوگوں کے خطرات پر اکثر مطلع ہوتے تھے اور فوراً جواب دیا کرتے تھے۔

تنہائی پسند ہونے کی وجہ سے زیادہ تر صحرا میں رہتے۔ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں فرمایا کہ آبادی میں رہ کر خلق اللہ کو نفع پہنچاؤ۔ اس حکم کی تعمیل میں آبادی میں تشریف لائے اور موضع براہی میں رہنا شروع کیا۔ گاہ بگاہ دوسرے مقامات پر بھی تشریف لے جاتے رہے جس کی وجہ سے امروہہ کا قیام بہت کم ہو گیا تھا۔ خدام اور مُریدین کی نہایت کثرت تھی ان کے اصرار سے مختلف مواقع پر تشریف لے جاتے اور کثرت سے لوگ بیعت ہوتے اور استفادہ کرتے۔ آخیر میں قاضی شیخ الاسلام وغیرہ اکابر شہر بریلی کے اصرار پر بریلی تشریف لائے اور موضع کھائی کھیڑہ (متصل بریلی) قیام فرمایا۔ اسی عرصہ میں طبیعت ناساز ہوگئی اور مورخہ چار رمضان المبارک ۱۱۹۰ھ بروز جمعہ کو انتقال فرمایا۔ تدفین بریلی میں عمل میں آئی۔ لیکن بعد رمضان آپ کی نعشِ مبارک کو لوگوں نے وہاں سے امروہہ منتقل کر دیا اور اب امروہہ میں شیخ ظہور اللہ صدیقی کے باغ میں مزار ہے۔

(انوار العاشقین، تعلیم الدین)

(۳۵)......شاہ عبد الباری صدیقی رحمۃ اللہ علیہ

ابن شیخ ظہور اللہ، اپنے جد بزرگوار حضرت شاہ عبد الہادی سے مجاز ہیں۔ یہ دو بھائی تھے چونکہ حضرت شیخ نازک المزاج تھے اور دوسرے بھائی متحمل المزاج تھے۔ اس لئے حضرت شیخ شاہ عبد الباری سے مجاہدات کم کرایا کرتے تھے اور دوسرے بھائی سے زیادہ مجاہدہ کراتے

تھے بارہ سال کی عمر سے حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ حضرت شیخ آپ کو لباس بھی عمدہ پہننے کو ارشاد فرماتے تھے لیکن آپ کا ظاہر گو فقراء کا سا نہیں ہوتا تھا لیکن قلب عشق حقیقی سے ہر وقت لبریز رہتا تھا۔ ہمیشہ روزے رکھا کرتے تھے۔ حضرت شیخ کے وصال کے بعد آپ کی نیابت فرمائی اور تشنگان سلسلہ چشتیہ کو سیراب فرمایا۔ درود کے وقت اکثر ہنسی کا غلبہ ہو جاتا۔

وصال:

اٹھائیس محرم یا گیارہ شعبان ۱۲۲۶ھ بروز جمعہ آپ کا وصال ہوا۔ اپنی دادی کے مزار کے قریب ہی مزار ہے۔ ایک صاحبزادہ شیخ رحمان بخش نسبی سلسلہ میں اور سات خلفاء شاہ عبد الرحیم، سیّد حاتم علی، شاہ حاجی خیر الدین، حافظ کلن شاہ، شیخ محمد منیر، شیخ امین اللہ، حافظ عبد الکریم، روحانی سلسلہ میں چھوڑے۔

(۳۶)...... حضرت الشیخ سید عبد الرحیم ولایتی رحمۃ اللہ علیہ

آپ سادات افغانستان سے ہیں، طلب معرفت ہی میں ہندوستان تشریف لائے تھے، اول سلسلہ قادریہ میں شاہ رحم علی صاحب ساڈھوروی سے (جن کا مزار پنجلاسہ میں ہے) نسبت و کمالات حاصل کئے، اس کے بعد سلسلہ چشتیہ میں حضرت شاہ عبد الباریؒ کے دربار میں تکمیل نسبت فرمائی، حضرت کے وصال کے بعد حضرت غازی فی اللہ مولانا سید احمد صاحب شہید مجدد ساکن رائے بریلی کے دست مبارک پر بیعت جہاد فرمائی، گاہ بگاہ حضرت سید صاحب و حضرت حاجی صاحب ہر دو حضرات باہم مراقب ہوتے تو ایک کی نسبت کا اثر دوسرے پر محسوس ہوتا، حضرت حاجی صاحب سکر کی حالت میں اور حضرت سید صاحب خندہ ہوتے، کسی شخص نے شاہ عبد الرحیم صاحب سے دریافت کیا کہ آپ تو بڑے کمال کے آدمی ہیں اور کمال باطن میں سید صاحب سے گھٹے ہوئے نہیں ہیں بلکہ بڑھے ہوئے ہیں، پھر آپ سید صاحب پر اس درجہ کیوں مٹ گئے کہ آپ بھی مرید ہوئے اور اپنے مریدوں کو بھی ان

سے مرید کرادیا اس کے جواب میں فرمایا کہ یہ سب کچھ ہے مگر ہم کو نماز پڑھنی اور روزہ رکھنا نہیں آتا تھا، سید صاحب کی برکت سے نماز پڑھنی بھی آ گئی اور روزہ رکھنا بھی آ گیا۔

۲۷ ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ میں حضرت سید صاحب اور مولانا اسماعیل صاحب نور اللہ مرقدہما کے ساتھ سکھوں کے جہاد میں شہید ہوئے، پنجتار ملک ولایت میں آپ کا مزار بتایا جاتا ہے۔

(۳۷)......حضرت اقدس میانجی نور محمد جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی پیدائش ۱۲۰۱ھ میں اپنے وطن قصبہ جھنجھانہ ہی میں ہے۔ والد محترم کا نام سید جمال محمد علوی تھا۔ حضرت شاہ عبدالرزاق صاحب جھنجھانویؒ کی اولاد میں ہیں۔ نسباً آپ علوی ہیں۔ حضرت میانجی صاحب کا سلسلہ نسب نویں پشت پر شاہ عبدالرزاق سے جا ملتا ہے۔ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ سے نسبت طریقت حاصل فرمائی۔ اپنی حالت کا نہایت اخفاء فرماتے تھے۔ قصبہ لوہاری جو تھانہ بھون کے قریب ہے وہاں ایک مکتب میں لڑکوں کو قرآن شریف پڑھایا کرتے تھے۔ اتباع سنت میں کمال درجہ حاصل تھا۔ حتیٰ کہ تیس سال تک تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی۔ آپ کے غایت اخفاء نے کسی پر کمال ظاہر نہیں ہونے دیا کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے خواب نے حضرت کے حال کو ظاہر کر دیا۔ اس کی صورت یہ پیش آئی کہ حضرت حاجی صاحبؒ اپنے اس کمال اشتیاق واضطراب کی وجہ سے جس کی تفصیل خود اُن کے بیان میں آنے والی ہے اس قدر بے چین تھے کہ تاب نہیں رہی تھی۔

ایک خواب:

اسی دوران میں حضور اقدس سیّد الکائنات فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت ہوئی لیکن اس حالت میں کہ غایت رُعب سے قدم آگے نہیں بڑھتا تھا کہ حضرت کے جد امجد ملا بلاقی صاحب آئے اور حضرت کا ہاتھ پکڑ کر حضور میں پیش کر دیا۔ حضور اقدس نے حضرت کا ہاتھ شیخ المشائخ قدوۃ السالکین حضرت میانجی صاحبؒ کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ اس وقت تک

حضرت میانجی صاحب سے کسی قسم کا تعارف نہیں تھا اس لئے خواب کے بعد سے ایک سخت حیرت تھی کہ یہ بزرگ کون ہیں اور ان کو کہاں تلاش کروں اس لئے اضطراب وحیرت میں کئی سال گزر گئے کہ حضرت مولانا قلندر صاحب جو حضرت کے استاذ بھی تھے انھوں نے یہ اضطراب دیکھ کر کہا کہ تم قصبہ لوہاری میں جاؤ اور حضرت میانجی صاحب کی خدمت میں حاضر ہو شاید تمہارا اضطراب کم ہو، استاذ کی اس رہنمائی کے بعد حضرت نے سواری وغیرہ کسی چیز کے انتظار میں تاخیر کو گوارا نہ فرمایا اور فوراً ہی لوہاری کا راستہ اختیار فرمایا، شوق و جذب اس زور سے لے جاتا تھا کہ پاؤں میں آبلے بھی پڑ گئے بالآخر آستانہ پر حاضر ہوئے اور جیسے ہی نظر اقدس روحانی باپ پر پڑی تو وہ خوابی چہرہ جس کی ایک زمانہ سے تلاش وفکر تھی ملا، اور ان امیدوں کے جن پر گویا مایوسی چھا گئی پورا ہونے کا دور آ گیا، حضرت شیخ کی زیارت کرتے ہی فوراً قدموں پر گرے، حضرت شیخ نے فوراً قدموں سے سر اٹھایا اور سینہ مبارک سے لگا کر فرمایا کہ تمہیں اپنے خواب پر کامل وثوق ہے، یہ حضرت شیخ کی پہلی کرامت تھی جس نے حضرت کے قلب کو اور بھی زیادہ مائل کر دیا۔

حضرت میانجی صاحب نور اللہ مرقدہ کے پیر ومرشد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتی نے حضرت سید احمد شہید نور اللہ مرقدہ کے دست حق پرست پر بیعت جہاد فرمائی تھی اور حضرت میاں جی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی قاصد کے ذریعہ جھنجھانہ سے بلوا کر حضرت سید صاحب سے بیعت کرایا، کہتے ہیں کہ جس وقت قاصد پیغام لے کر جھنجھانہ پہنچا ہے تو حضرت میانجی صاحب اپنی گھوڑی کا رسہ ہاتھ میں لئے ہوئے اسے پانی پلا رہے تھے، یہ پیغام سنتے ہی حضرت پر ایک کیفیت طاری ہوگئی اور گھوڑی بھی اس کیفیت سے متاثر ہو کر لوٹ پوٹ ہونے لگی اور اس کا برا حال ہو گیا، قاصد کا پیغام سن کر آپ سہارنپور تشریف لے آئے اور حضرت سید صاحب کے قافلہ میں شامل ہو گئے، پنجاب بالاکوٹ پہنچ کر حضرت سید صاحب اور شاہ عبدالرحیم صاحب نے آپ کو وطن لوٹ جانے کا حکم فرمایا چنانچہ آپ لوہاری واپس تشریف لے آئے اور پھر مستقل لوہاری میں قیام فرمایا۔

آخری ایام:

اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نے بیان فرمایا کہ ایک دن بعد نماز جمعہ میرے حضرت لوگوں کو وصیتیں فرمانے لگے لوگوں نے سمجھا کہ حضرت سفر آخرت کرنے والے ہیں نہایت رنج وغم کا اظہار کیا، حضرت سے عرض کیا کہ ہم تو سمجھتے تھے کہ ہمارے گھر میں دولت ہے جب چاہیں گے مستفیض ہو جائیں گے، ارشاد فرمایا کہ گھروں میں میرے بہت سے احباب تمہارے پاس موجود ہیں ان کو میرا قائم مقام سمجھو، حافظ محمد ضامن صاحب شہید کو تو حضرت نے مجمع عام میں اپنا خلیفہ بنایا اور ضمناً ہم لوگوں کو بھی مجاز کیا اس کے بعد حضرت بیمار ہوئے آپ نے فرمایا کہ مجھے میرے وطن جھنجھانہ لے چلو، جب لوہاری سے آپ کا میانہ (پالکی) تھانہ بھون پہنچا تو میانہ مسجد کے پاس ٹھہرا یا میں بھی حاضر خدمت ہوا، حضرت نے فرمایا تم مجرد تھے اور حافظ ضامن صاحب و شیخ محمد صاحب عیالدار میرا ارادہ تھا کہ تم سے مجاہدہ و مشقت لوں گا، مشیت باری سے چارہ نہیں، پیام سفر آخرت آ گیا ہے، جب حضرت نے یہ کلمات فرمائے تو میں پالکی کی پٹی پکڑ کر رونے لگا، حضرت نے تسلی دی اور فرمایا کہ فقیر مرتا نہیں بلکہ ایک مکان سے دوسرے مکان میں انتقال کرتا ہے فقیر کی قبر سے وہی فائدہ ہوگا جو ظاہری زندگی میں ہوتا تھا۔

بالآخر اٹھاون سال کی عمر میں چار رمضان المبارک ۱۲۵۹ھ کو جمعہ کے روز آپ نے انتقال فرمایا، (رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ)

اور حسب وصیت امام ناصر الدین محمود شہید سبز داری کے احاطہ میں آپ کو دفن کر دیا گیا۔ جھنجھانہ میں ایک صاحب کشف آئے اور حضرت میانجیوں کے مزار پر حاضر ہوئے، بعد میں انہوں نے کہا کہ افسوس کسی ظالم نے انہیں امام سید محمود کے پاس دفن کر دیا، یہ ادب کی وجہ سے اپنے انوار روکے ہوئے ہیں، اگر کسی ویرانے میں ہوتے تو دنیا ان کے انوار سے جگمگا جاتی۔ اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ان کی ہڈیاں نکال کر دوسری جگہ دفن کرتا اور پھر ان کے انوار و برکات کا مشاہدہ ہوتا۔ مزار کے سرہانے اعلیٰ حضرت اقدس حاجی امداد اللہ صاحب

نے مندرجہ ذیل اشعار کا کتبہ نصب کرایا تھا جواب بھی وہاں موجود ہے۔

شہرِ جھنجھانہ ہے اک جائے ہدیٰ ۔۔۔ مسکن و ماویٰ ہے جس جا آپ کا
مولد پاک آپ کا ہے اور مزار ۔۔۔ اس جگہ تو جان لے اے ہوشیار
متصل اس شہر کے اے نیک نام ۔۔۔ ہے عجب دلچسپ درگاہِ امام
سید محمود ہے نام شریف ۔۔۔ ہے مکانِ بس عجیب و بس لطیف
پاس اس مرقد کے قبلہ رخ نبی ۔۔۔ ہے زیارت گاہ میرے پیر کی
اس جگہ ہے مرقدِ پاکِ جناب ۔۔۔ سر جھکاتے ہیں جہاں سب شیخ وشاب
جس کو ہوئے شوق دیدارِ خدا ۔۔۔ ان کے مرقد کی زیارت کو جا
یعنی پیر و مرشد و مولا مرے ۔۔۔ حضرت نور محمد نیک پے
اعتقادِ دل سے جو جائے وہاں ۔۔۔ اس پہ سب اسرارِ باطن ہوں عیاں
دیکھتے ہی اس کے مجھکو ہے ۔۔۔ یقین اس کو ہو دیدار رب العالمین
کرتے ہی زیارت مزار پاک کی ۔۔۔ ہو ویں ظاہر اس پہ اسرار خفی

حضرت میانجی صاحب کا مزار خام ہے، البتہ اس کا حلقہ پختہ ہے، بعض لوگوں نے چاہا تھا کہ اس کو ایک ہاتھ سے بھی اونچا کردیں مگر آپ نے کسی کو خواب میں ارشاد فرمایا کہ یہ خلاف سنت ہے ایسا نہ کرو۔ ایک ہی ہاتھ اونچا رہنے دو۔

کشف وکرامات اور متفرق واقعات

(۱) حضرت میانجی نور محمد صاحب کسی بات پر لوہاری کے پٹھانوں سے ناراض ہو کر جھنجھانہ تشریف لے گئے، حضرت کے لوہاری سے تشریف لے جانے کے بعد لوہاری کے اکثر محلوں میں آگ لگ جاتی تھی جس سے وہاں کے پٹھانوں کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ یہ آگ کا لگنا حضرت میانجیو کی خفگی کا باعث ہے، چنانچہ وہ لوگ جھنجھانہ پہنچے، حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خوشامد کے بعد آپ کو واپس لوہاری لے آئے، حضرت کی

مراجعت کے بعد پھر کبھی آگ نہیں لگی، کچھ عرصہ کے بعد پٹھانوں نے آکر عرض کیا کہ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد آگ کیوں لگتی تھی؟ فرمایا مجھے اور تو کچھ معلوم نہیں ہاں کبھی کبھی لوہاری سے محبت کے باعث اس کا ماحول اور محلے یاد آتے تھے۔

(۲) ایک مرتبہ کسی کے کھیت میں آگ لگ گئی، کھیت والا دوڑا ہوا حضرت کے پاس آیا اور واقعہ بیان کیا آپ نے اپنی ٹوپی اتار کر اس کو دیدی کہ جلد ہی سے جا کر اسے آگ میں ڈالدو، اس نے جا کر وہ ٹوپی آگ میں ڈالدی اور آگ فوراً بجھ گئی۔

(۳) ایک مرتبہ بارش کی سخت ضرورت تھی چند حضرات حضرت میانجیو کی خدمت میں بغرض دعا حاضر ہوئے، حضرت اس وقت گنا چوس رہے تھے جب انھوں نے حضرت سے بارش نہ ہونے کی شکایت اور دعا کی درخواست کی، ان آنے والوں میں سے جو صاحب حضرت سے انتہائی بے تکلف تھے آپ نے ان سے فرمایا کہ اگر تم میرے چوسے ہوئے یہ چھلکے چوس لو تو انشا اللہ بارش ہو جائے گی، ان صاحب کو پہلے تو گنے کے چھلکے چوسنے میں کچھ پس و پیش سی ہوئی مگر ان آنے والے دوسرے لوگوں کے اصرار پر ان صاحب نے حضرت کے چوسے ہوئے چھلکوں کو جوں ہی چوسا فوراً ابر رحمت اٹھا اور خوب زور شور سے بارش ہوئی۔

(۴) حضرت میانجی صاحب کے بازار تشریف لے جانے پر تمام دوکاندار تعظیماً کھڑے ہو جایا کرتے تھے اور سلام کرتے، ایک دفعہ ایک غیر مسلم نے اس پر اعتراض کر دیا کہ تم لوگ کیوں کھڑے ہوتے ہو ہرگز مت کھڑے ہوا کرو ان دوکانداروں نے کہا اچھا آئندہ سے ہم ادب و تعظیم کے طور پر کھڑے نہ ہوا کریں گے، ایک مرتبہ اتفاقاً حضرت میانجیو بازار کی طرف تشریف لے گئے وہ شخص بھی آیا ہوا تھا، سب سے پہلے وہ معترض شخص ہی حضرت کی تعظیم کے لئے کھڑا ہوا اور اس کے ساتھ ہی سب دوکاندار حسب قاعدہ کھڑے ہو گئے، حضرت کے گزر جانے کے بعد ان دوکانداروں نے پوچھا کہ تم تو اعتراض کیا کرتے تھے اور حضرت کی آمد پر سب سے پہلے تم ہی کھڑے ہو گئے وہ شخص کہنے لگا کہ میں مجبور تھا کیوں کہ

جس وقت حضرت تشریف لائے تو مجھے محسوس ہوا جیسے کوئی شخص میرا کان پکڑ کر مجھ سے کہہ رہا ہے کہ کھڑے ہو جاؤ۔

(۵) ایک دن کرنال کے ایک عالم نے حضرت اقدس گنگوہی نور اللہ مرقدہ سے عرض کیا کہ حضرت بزرگوں کے قصے سنتے ہیں کہ لوگوں نے انکے ہاتھ پاؤں، سر، دھڑ کو الگ الگ ٹکڑے ہوئے دیکھا، فرمایا میرے ماموں صاحب تذکرہ کر رہے تھے کہ میں حضرت میاں صاحب کی خدمت میں ایک دن دوپہر کے وقت گیا، حجرہ شریف بند تھا مگر کواڑ اچھی طرح لگے ہوئے نہیں تھے، کواڑ جو کھولا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت میاں صاحب کا دھڑ سارا الگ الگ ہے، مجھے دیکھتے ہی سب اعضا باہم مل گئے اور حضرت میانجیو اٹھ بیٹھے اور فرمانے لگے کہ کسی سے نہ کہنا۔

(۶) ایک دفعہ حضرت کی خدمت میں ایک بڑا سادھو حاضر ہوا اور حضرت کا مہمان بنا جب جانے لگا تو بولا میاں ہماری زنبیل میں تھوڑی سی اکسیر ہے یہ لیلیے تیرے پاس روپے پیسے کی کمی معلوم ہوتی ہے اپنے کام میں لے آنا، حضرت نے فرمایا مجھے اس کی ضرورت نہیں اپنے پاس ہی رہنے دو، اس نے پھر کہا حضرت نے اس بار بھی انکار فرما دیا، جب اس نے تیسری بار یہی کہا تو حضرت نے ایک ڈھیلا اٹھا کر سامنے دیوار پر مارا اور فرمایا یہ دیکھو، سادھو نے اس طرف دیکھا تو ساری دیوار سونے کی ہوگئی تھی، یہ دیکھ کر وہ بولا تب تو میاں جی تجھے اس کی ضرورت نہیں۔

(۷) حضرت اقدس شیخ الاسلام مولانا مدنی کا ارشاد ہے کہ جو حالت منصور پر کچھ مدت کے لئے آئی تھی جس میں وہ انا الحق کہہ اٹھے تھے یہی کیفیت حضرت میانجی نور محمد صاحب پر چھ ماہ تک مسلسل رہی لیکن کسی کو خبر تک نہ ہونے دی۔ برابر بچوں کی تعلیم میں مشغول رہے۔

(۸) ایک مرتبہ حضرت کے پاس کچھ لوگ آئے اور اصلاح کے طالب ہوئے۔ اس وقت حضرت بچوں کو پڑھا رہے تھے ان کو یہ کہہ کر فرمایا کہ "پڑھتے رہو" ان لوگوں کو ساتھ لے کر اپنے حجرہ میں تشریف لے گئے اور اندر سے کواڑ لگا لیے اور توجہ دینی شروع کی۔ ایک

بچہ نے جوان پڑھنے والوں میں سب سے بڑا تھا کواڑ کے جھروکہ میں سے دیکھا کہ حضرت آنکھیں بند کر کے خدام کی طرف منہ کئے ہوئے بیٹھے ہیں اس نے آکر بچوں سے کہا کہ میانجی صاحب تو اس تو اس طرح کر رہے ہیں۔ یہ کہہ کر اس لڑکے نے اپنی مجلس منعقد کی اور پیر بنا اور بقیہ سب بچے آنکھیں بند کر کے بیٹھ گئے۔ حضرت میانجی صاحب کو جب اطلاع ہوئی تو انہوں نے اس لڑکے کو بٹھا کر آنکھیں بند کرنے کا حکم دیا۔ لڑکے نے تعمیل ارشاد کی مگر بہت جلد گھبرا کر بے تاب ہو گیا اور چلا گیا وہ لڑکا جب انتہاء عمر کو پہنچا تو اس نے بتلایا کہ جب میں میانجی کے سامنے آنکھیں بند کر کے بیٹھا تھا تو مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ میرے دل پر چنگاری رکھ دی گئی جس کو میں برداشت نہ کر سکا اس کے فوراً بعد وہ چنگاری اٹھالی گئی مگر اب تک یہ حال ہے کہ اندھیری رات میں مکان کے اندر سردی کے زمانہ میں لحاف کے اندر منہ رکھنے کے باوجود باہر جو نیم کا درخت ہے اس کے پتوں کی حرکت تک معلوم ہوتی ہے۔

(روایۃً حضرت مولانا الحاج مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی)

(۹) حضرت اقدس گنگوہی یا حضرت اقدس نانوتوی نور اللہ مرقدہما سے روایۃً ہے کہ ایک شخص نہایت خوش گلو تھے اور نعت وغیرہ پڑھا کرتے تھے کسی نے میانجی نور محمد صاحب سے عرض کیا کہ حضرت یہ شخص خوش گلو ہے اور نعت پڑھتا ہے آپ بھی سن لیجئے فرمایا کہ لوگ مجھے کبھی کبھی امام بنا دیتے ہیں اور غنا بلا مزامیہ میں بھی علماء کا اختلاف ہے اور اس لئے اس کا سننا خلاف احتیاط ہے لہٰذا میں اس کے سننے سے معذور ہوں۔ حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہ اس قصہ کے بعد تحریر فرما۔ تے ہیں کہ کس قدر ادب ہے منصب امامت کا کہ اختلاف سے بھی احتیاط کی، یہ تھے صوفی صافی کہ شریعت کا اس قدر پاس فرماتے تھے۔

(۱۰) حضرت [illegible] صاحب نور اللہ مرقدہ نے جس وقت تھانہ بھون کی پیر محمد والی مسجد میں قیام فرمایا اس وقت وہاں سہ دری نہیں تھی کچھ قبریں تھیں کچھ درخت تھے اور اس جگہ ایک بزرگ بیٹھا کرتے تھے جن کا نام حسن علی شاہ تھا۔ صاحب سماع تھے مگر دنیادار نہ تھے۔ سچے تھے، جب یہاں حضرت تشریف لائے تو انہوں نے اتنا ادب کیا کہ خود اٹھ کر شاہ ولایت

صاحب میں چلے گئے۔ حالانکہ اس وقت حضرت جوان تھے اور یہ بوڑھے ان کے چلے جانے کے بعد حضرت یہاں رہنے لگے۔ حضرت میانجی نور محمد صاحب بھی یہاں تشریف لایا کرتے تھے۔ یہاں ایک خاندان تھا ان کی زمین ضبط ہوگئی تھی اور وہ لوگ کوشش کر رہے تھے۔ حضرت میانجی کے پاس بھی وہ لوگ دعا کے واسطے حاضر ہوئے۔ حضرت میانجیو صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے حاجی کو بیٹھنے کی تکلیف ہے یہاں ان کے لئے ایک سہ دری بنادو۔ میں دعا کروں گا۔ انہوں نے سہ دری بنانے کا وعدہ کرلیا وہ مقدمہ الہ آباد میں جا کر موافق ہوگیا جس کی اطلاع ایک خاص خط کے ذریعہ سے ہوئی انہوں نے حضرت میانجی صاحب سے تذکرہ کیا تو حضرت نے فرمایا وعدہ بھی یاد ہے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت پوری سہ دری بنانے کی تو قوت نہیں آدھی بنادیں گے۔ حضرت نے فرمایا بہت اچھا آدھی سہی پھر الہ آباد سے باضابطہ حکم آیا کہ تاحیات تو معاف تمہارے بعد پھر ضبط۔ پھر انہوں نے حضرت سے آکر عرض کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ تمہیں نے تو آدھا کیا ہے میں کیا کروں۔

خلفاء ومجازین:

حضرت میانجی صاحب نور اللہ مرقدہ کی شان تربیت اور سرچشمہ فیضان وعرفان ہونے کا اندازہ صرف اسی چیز سے ہوسکتا ہے کہ آپ کے خلفاء کا عرفانی وروحانی مقام اتنا بلند تھا کہ ہر ایک اپنے وقت کا آفتاب وماہتاب تھا اور وہ حضرات یہ ہیں۔

اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی، حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید، حضرت مولانا شیخ محمد صاحب فاروقی تھانوی، حضرت شیر محمد خاں لوہاروی، حضرت سید محمد امیر جھنجھانوی، حضرت برکت علی شاہ صاحب، حضرت حافظ ضامن صاحب۔ چوبیس محرم الحرام ۱۲۷۴ھ/ ۱۸۵۷ء میں پیر کے روز ظہر کے وقت انگریزوں سے شاملی میں شہید ہوئے۔ تدفین تھانہ بھون میں ہوئی۔ مادہ تاریخ شہادت اس شعر سے نکلتا ہے۔

حوریں سب مل کر کہہ بولیں واہ واہ — پیر کے دن خلد میں پیر آگئے

مولانا شیخ محمد تھانوی نے سات ربیع الثانی ۱۲۹۶ھ بروز منگل بوقت دس بجے دن کے

انتقال فرمایا اور وہیں عیدگاہ تھانہ بھون کے قریب سپرد خاک کردیئے گئے۔ ہمارے شجرہ میں اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کا اسم سامی ہے۔ اس لئے اب انہی کا تذکرہ شروع کیا جاتا ہے۔

(انوار العاشقین، صحائف معرفت، بیس • بڑے مسلمان، ارواح ثلاثہ، امداد المشتاق)

(۳۸)......حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ

اعلیٰ حضرت فخر مشائخ شیخ العرب والعجم منبع الفیوض والحکم، مخزن الحقائق مجمع الدقائق حضرت حاجی صاحب کا اصل اسم گرامی جو آپ کے والد ماجد نے رکھا تھا وہ امداد حسین تھا اور تاریخی نام ظفر احمد رکھا گیا تھا۔ لیکن مسند وقت شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب نے اپنی کرامت و فراست سے ہونہار لاڈلے کو خلقت کے لئے امداد الٰہی تجویز کرلیا تھا۔ اس لئے اسم بامسمیٰ ہونے کی مناسبت سے امداد اللہ کے ساتھ ملقب فرمایا۔ حضرت شاہ صاحب کی یہ کرامت تھی کہ اسی لقب نے شہرت پائی، حضرت کے والد کا نام حافظ محمد امین بن شیخ حافظ بڈھا بن شیخ حافظ بلاقی بن شیخ عبداللہ بن شیخ محمد بن شیخ عبدالکریم ہے۔

آپ کا نسب پچپن واسطوں سے حضرت ابراہیم بن ادہم پر جاکر ملتا ہے جو روحانی سلسلہ میں بھی آپ کے اجداد میں ہیں اور آخر سلسلہ میں ان کا ذکر شریف آئے گا۔ یہ عام طور پر سے مشہور ہے لیکن حضرت تھانوی نے ترجیح الراجح میں یہ ثابت کیا ہے کہ فرخ شاہ فاروقی تو ہیں لیکن ان کے نسب میں حضرت ابراہیم بن ادہم نہیں ہیں۔ النور بابتہ رمضان وشوال ۱۳۴۳ھ میں ان کے نسب کی تحقیق ہے۔

حضرت فاروقی النسب اور حنفی المذہب طریقت ومعرفت کے امام تھے۔ حضرت کی ولادت بائیس صفر المظفر ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۸۱۷ء بروز شنبہ بمقام قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور میں ہوئی۔ یہ قصبہ سہارنپور سے تقریباً بیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہ قصبہ حضرت کی نانہال کا وطن ہے۔ حضرت کے دو بڑے بھائی ہے۔ ذوالفقار علی سب سے بڑے اور فدا حسین ان

سے چھوٹے اور ایک آپ سے چھوٹے بہادر علی شاہ تھے اور ایک چھوٹی ہمشیرہ بی بی وزیر النساء تھیں۔

حضرت کی عمر تین سال کی تھی کہ حضرت سید احمد شہید کے آغوش میں دے دیے گئے اور حضرت نے بیعت تبرک سے نوازا۔ حضرت کی عمر ابھی سات ہی برس کی تھی کہ حضرت کی والدہ بی بی حسینی بنت حضرت شیخ علی محمد صدیقی نانوتوی نے انتقال فرمایا حضرت کی والدہ کو چونکہ حضرت سے اس درجہ شفقت ومحبت تھی کہ کسی کا بری نگاہ سے دیکھنا بھی گوارہ نہ تھا۔ اس لئے اس لاڈلے کے لئے یہ وصیت فرمائی کہ میری اس وصیت کا لحاظ رکھتے ہوئے میرے اس بچہ کو کوئی شخص ہاتھ نہ لگاوے۔ اس وصیت کا پسماندگان نے اس درجہ لحاظ فرمایا کہ تعلیم وغیرہ کی طرف بھی کسی نے خاص اہتمام نہیں کیا۔ لیکن چونکہ حضرت کو ایک زمانہ میں مرجع الخلائق اور علوم باطنیہ کا سردار بننا تھا۔ اس لئے ابتداء ہی سے حضرت کے قلب میں حفظ قرآن کا ایک شوق اور ولولہ تھا اس لئے باوجود کسی دوسرے کے زور اور تنبیہ وغیرہ نہ ہونے کے خود اپنے شوق سے حضرت نے کلام مجید حفظ فرمایا۔ اگر چہ موانع وعوارض کچھ ایسے پیش آتے رہے کہ اس کی تکمیل میں روکاوٹ ہوتی رہی۔ مگر یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ ایک شخص جو گنجینہ معرفت بننے والا تھا وہ کلام اللہ جیسی اصل اصول اور چشمہ علوم حقائق علوم حقائق ودقائق سے اکتا جاتا۔ اس لئے رغبت اور اشتیاق بدستور بڑھتا رہا اور امداد الٰہی شامل ہوئی تو بہت تھوڑے ہی عرصہ میں اس کی تکمیل ہوگئی ۱۲۴۹ھ میں جبکہ حضرت کی عمر سولہ سال کی تھی۔ مولانا مملوک علی صاحب کے ہمراہ دہلی کے سفر کا اتفاق ہوا، وہاں مشائخ وقت سے علوم ظاہری کی تحصیل شروع فرمائی اور کچھ ابتدائی کتب فارسی وعربی صرف ونحو ہونے پائی تھیں کہ علوم باطنیہ کی طرف کشش ہوئی۔ حق تعالیٰ شانہ کا معاملہ ہر بندے سے جدا ہے جس شخص سے جو کام لینا ہوتا ہے اسی کے اسباب مہیا ہوتے ہیں اور ہر شخص کے لئے اس کے مناسب توفیق ہوتی ہے۔

بلبل کو دیا نالہ تو پروانہ کو جلنا الخ

اس لئے قبل اس کے کہ علوم ظاہری سے فراغت ہو دوسرے علوم کی طرف انجذاب ہوا اور اٹھارہ سال کی عمر میں حضرت نے شیخ وقت مولانا نصیر الدین صاحب نقشبندی کے دست مبارک پر بیعت کی اور اذکار نقشبندیہ اخذ فرمائے حضرت شیخ شیخ المشائخ شاہ محمد آفاق صاحب کے خلیفہ اور مسند وقت شیخ الحدیث شاہ محمد اسحاق صاحب کے شاگرد اور داماد تھے۔ نیز حافظ الحدیث، حاکم وقت شاہ عبدالعزیز صاحب سے بھی تلمذ کا فخر حاصل تھا۔ حضرت حاجی صاحب کو چند روز ہی شیخ کی خدمت میں رہنے کی نوبت آئی تھی کہ شیخ کی طرف سے خرقہ اجازت سے مشرف ہوئے اب چونکہ صفاء قلب اور انوار کی کثرت ہوگئی تھی اس لئے یہ کیسے ممکن تھا کہ حضور اقدس فخر عالم سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کا جذب نہ ہوتا۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف حضرت مولانا محمد قلندر صاحب محدث جلال آبادی سے شروع فرمائی اور حصن حصین اور فقہ اکبر حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نانوتوی سے حاصل فرمائی۔

یہ ہر دو حضرات حضرت اقدس مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی مؤلف دفتر ہفتم مثنوی معنوی کے ارشد تلامذہ سے تھے۔ نیز مثنوی معنوی کو جس کے مخزن علوم معرفت ہونے سے کوئی اہل دل بے خبر نہیں۔ حضرت شاہ عبدالرزاق صاحب سے اور انہوں نے مولانا ابوالحسن صاحب کاندھلوی سے اور انہوں نے اپنے والد حضرت مفتی صاحب مذکور الصدر سے اخذ فرمایا۔ حضرت مفتی صاحب نے عالم رویا میں خود حضرت مؤلف سے اخذ کی تھی اور دفتر ششم کے ختم کے مامور ہوئے تھے۔ مثنوی مولانا روم اول تو سب ہی کچھ ہے اور پھر اس قلب کے لئے جو پہلے ہی سے سب کچھ ہو چکا ہو اور پھر ظاہری سلسلہ تلمذ بھی ایسا ہی ملا ہو تو پھر حضرت حاجی صاحب کو مثنوی میں جس قدر حظ حاصل ہو اس کا کیا پوچھنا۔

مرغ دل کیوں نہ پھنسے دانہ بھی ہے دام بھی ہے

حضرت نے مثنوی کا مطالعہ اپنا معمول قرار دے لیا تھا جس کی وجہ سے شوق واضطراب روزانہ جوش پر رہتا تھا اور ولولہ زور پر کہ اسی دوران میں حضور اکرم فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے تشرف حاصل ہوا جس کا قصہ حضرت میانجی صاحب کے حال میں مذکور ہو چکا۔

اسی خواب کی بنا پر حضرت سے بیعت ہوئے۔ کچھ ہی دن حضرت شیخ کی خدمت میں حلقہ نشین رہے تھے کہ خرقہ خلافت سے مشرف ہوئے۔ حضرت نے اجازت کے بعد ایک آخری امتحان فرمایا اور مجاز و خلیفہ سے دریافت فرمایا کہ کیا چاہتے ہو تسخیر یا کیمیا؟ حضرت یہ سخت امتحانی فقرہ سن کر رونے لگے۔ اور عرض کیا کہ محض محبوب حقیقی کی خواہش ہے۔ دنیا کی کوئی چیز نہیں چاہیے روحانی باپ نے یہ فقرہ سنا اور لاڈلے بیٹے کی اس علو ہمتی پر آفرین فرمائی، اور بغل گیر فرما کر بے حد دعائیں دیں۔ یہ وہی سلسلہ فیض چلتا رہا کہ ۱۲۶۹ھ میں روحانی باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔

اس کے بعد حضرت پر ایک جذب کا اثر ہوا اور اس میں ایک تاثیر ایسی بڑھی کہ آبادی سے نفرت و وحشت ہونے لگی اور آبادی سے ویرانے کو چلے گئے۔ مخلوق سے نفرت ہوگئی اور پنجاب کے صحرا کو مسکن قرار دیا۔ سنت نبوی کے اتباع کے اشتیاق نے عادات میں فاقہ کردی شعار کر دیا تھا۔ آٹھ آٹھ دن فاقہ کی حالت میں ایسے گذرتے تھے کہ ایک حبہ برابر چیز بھی حلق میں نہیں جاتی تھی۔ فرماتے تھے کہ میں نے ایک دفعہ سخت مجبوری میں ایک شخص سے کچھ قرض مانگا اس نے باوجود اس کے پاس ہونے کا انکار کر دیا۔ اس وقت طبعی اثر کچھ حضرت پر ہوا مگر جب تھوڑی دیر بعد یہ محسوس ہوا کہ یہ تکون فاعل حقیقی کا تھا تو وہ تکدر مبدل بہ لطف ہو گیا۔ اس کے کچھ دنوں بعد مبشرات کا نمبر شروع ہوا اور ایک مرتبہ حضرت نے ایک خواب میں حضرت جبرئیل اور حضرت میکائیل کو دیکھا جو درحقیقت بشارت عطا علم و ہدایت اور رزق وعطا کے تھے۔ چنانچہ حضرت اقدس مولانا نانوتوی کا مقولہ کہ حضرت حاجی صاحب تو عالم گر ہیں اسی کی دلیل ہے اور آبحیات کی پیشکش کرنے کا قصہ جو اس میں درج فرمایا ہے وہ شاہد عدل ہے۔ بالآخر چھ ماہ تک یہ ہی صحرا نوردی رہی کہ ۱۲۶۰ھ میں حضور اقدس فخر الموجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے تشرف حاصل ہوا اور حضور کی طرف سے ''تم میرے پاس آؤ'' مژدہ ملا، یہ سننا تھا کہ مدینہ منورہ کے اشتیاق نے غلبہ پکڑا اور بالآخر آٹھ ذی الحجہ ۱۲۶۱ھ کو بندر لیس جو جدہ کے قریب کا بندرگاہ ہے وہاں اترے اور براہ راست عرفات پر

تشریف لے گئے اور فراغت حج کے بعد حضرت شاہ اسحاق صاحب مہاجر مکی وغیرہ حضرات کے فیوضات سے متمتع ہوتے رہے۔ حضرت شاہ صاحب نے چند وصایا فرمائیں کہ اپنے کو کمترین مخلوقات سمجھنا اور قوت حرام ومشتبہ سے بچنا اشد ضروری ہے لقمہ حرام ومشتبہ ضرور نقصان پہونچاتا ہے۔ نیز الم تعلم بان الله یری کا مراقبہ بھی تعلیم فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ مدینہ پاک کی زیارت کے بعد ابھی واپسی ہند ضروری ہے۔ انشاءاللہ پھر انقطاع تعلقات کے بعد دوبارہ آنا اس وقت ٹھہرنا۔ حضرت سید قدرت اللہ صاحب بناری ثم المکی نے جو کرامات وخرق عادات میں مشہور تھے اپنے چند مریدوں کو ہمراہ فرمادیا کہ حضرت کو بحفاظت لے جاویں اور پھر ہمراہ ہی واپس لادیں۔ بالآخر اشتیاق دیرینہ پورا ہوا۔ قبہ خضراء کی زیارت کے بعد وہاں کے فیوض سے متمتع ہوئے۔ اسی دوران میں روضة من ریاض الجنة یعنی درمیان روضہ اطہر اور منبر شریف کے مراقبہ کی حالت میں زیارت اقدس سے منور ہوئے اور عمامہ سر پر رکھا گیا۔ مدینہ منورہ میں حضرت شاہ غلام مرتضیٰ صاحب جھنجھانوی ثم المدنی سے بھی اپنے اشتیاق قیام مدینہ منورہ کا تذکرہ کیا، شاہ صاحب کا بھی یہ ہی مشورہ ہوا کہ ابھی چندے اور صبر کرو پھر انشاءاللہ واپسی ہوگی۔ بالآخر وہاں سے واپسی ہوئی اور چند روز مکہ مکرمہ قیام کے بعد ہند کو مراجعت فرمائی ۱۲۶۲ھ (مطابق ۱۸۴۶ء) میں ہند کی مراجعت کے بعد طالبین کا اصرار بیعت پر شروع ہوا۔ لیکن ادھر سے اپنے انکسار اور تواضع کے ساتھ انکار، کہ ارشادات غیبی نے ادھر مجبور کیا تو مجبوراً حضرت نے اخذ بیعت شروع فرمائی۔

ابھی چند ہی آدمی حضرت کے ہاتھ پر بیعت ہوئے تھے کہ حضرت کے بھاوجہ کے اس خواب کی تعبیر کا وقت آیا کہ انہوں نے آنحضرت فخر الموجودات صلی اللہ تبارک وتعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں یہ ارشاد فرماتے دیکھا تھا کہ اٹھ امداداللہ کے مہمانوں کا کھانا میں پکاؤں گا، ان کے مہمان علماء ہیں، علماء کی جماعت میں سب سے اول حضرت اقدس فخر المحدثین مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ العزیز نے غالباً ۱۲۶۳ھ میں بیعت کی اور اس کے کچھ

دنوں بعد حضرت اقدس فخر المتکلمین مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دار العلوم دیوبند نور اللہ مرقدہ نے بیعت کی۔

تعجب کی بات ہے کہ حضرت نانوتوی اعلیٰ حضرت کے پہلے سے معتقد تھے اور اس وقت تک حضرت گنگوہی کا حضرت حاجی صاحب سے کوئی تعلق بھی نہیں تھا جیسا کہ خود حضرت گنگوہی کے تذکرہ میں آرہا ہے کہ مسلم کے سبق کے ناغہ ہونے پر امام ربانی کا مقولہ کہ اچھے حاجی آگئے ہمارا سبق ہی بند ہو گیا اور اس پر حضرت نانوتوی کا یہ فرمانا کہ ہاہا ایسا مت کہو یہ بزرگ ہیں اور چناں چیں ہیں۔ نیز اعلیٰحضرت کی طرف سے بیعت کی اجازت بھی حضرت گنگوہی کو پہلے ہے جو تھانہ بھون کے قیام میں ۱۲۶۶ھ میں اور حضرت نانوتوی کی اجازت اعلیٰ حضرت کے قیام مکہ کے دوران غالباً ۱۲۸۲ھ میں ہے۔

ان دونوں حضرات کا بیعت ہونا تھا کہ علماء کا رجوع شروع ہوا۔ اور حضرات ذیل مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاندھلوی، مولوی محمد حسن صاحب پانی پتی، حضرت مولوی محمد یعقوب صاحب نانوتوی مدرس اول مدرسہ دیوبند، حافظ محمد یوسف صاحب ابن حافظ محمد ضامن صاحب تھانوی، مولانا حکیم ضیاء الدین صاحب رامپوری، مولانا فیض الحسن صاحب ادیب سہارنپوری وغیرہ وغیرہ اکابر حضرات داخل سلسلہ ہوئے۔ حضرت اقدس کے قلب میں جو کیفیات شوقیہ روز افزوں ترقی پذیر ہوتی رہتی تھیں، انہوں نے ہجرت کا ولولہ حضرت کے ذہن میں پیدا کیا لیکن اکابر کا نقل و حرکت چونکہ تابع حکم ہوتا ہے اس لئے یہ اشتیاق دل ہی دل میں رہا کہ اتفاقاً ۱۲۷۶ھ میں غدر کا کریہہ منظر پیش آیا اور مفسدین نے اپنی برأت اس میں سمجھی کہ دوسروں کا نام بتلاؤ تا کہ ہم لوگ خیر خواہ سرکار شمار ہوں اور یہ گروہ چونکہ سرکاری درباری قصوں سے متنفر اور مسجد کے کونوں کا خوگر تھا نہ لسانیت کا عادی نہ قوانین سے واقف، نہ رشوت کی بھینٹ نہ فضول روپیہ پاس جس کے ذریعے سے اپنی برأت ثابت کرے اور دوسروں کا جھوٹ جتلائے اس لئے اپنے کو چھپانے کی کوشش کی اور اسی ذیل میں حضرت حاجی صاحب نے بزبان حال یہ مصرعہ فرماتے ہوئے۔

جاتے ہیں تیرے کوچہ سے ظالم خفا نہ ہو

ہند کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہا۔

حضرت اقدس سے اس زمانہ میں کیا کیا کرامات صادر ہوئیں۔ان کا یہ مختصر رسالہ نہ احاطہ کرسکتا ہے نہ اور نہ وہ کچھ اعجوبہ ہیں۔اہل اللہ کے یہاں کرامات کوئی مخصوص چیز ہوتی ہی نہیں ان کا ہر فعل کرامت ہی ہوتا ہے۔اس لئے ان کو ترک کرتا ہوں اگر کوئی شخص متمنی ہو تو کرآمات امدادیہ، کمالات امدادیہ مصنفہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب مدظلہ العالی دیکھیے اس میں اگرچہ دریا کو کوزہ میں بند کیا گیا ہے ایک قطرہ ہے، لیکن مولانا کی تصنیف ہونے کی وجہ سے معتبر ضرور ہے۔ایسے ہی شمائم امدادیہ جس سے زیادہ تر یہ مضمون لیا گیا ہے اس میں بھی بعض کرامات و واقعات درج ہیں۔ایک شخص نے خواب دیکھا کہ حضور اقدس سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جبہ مبارک حضرت حاجی صاحبؒ پہنے ہوئے ہیں۔حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے فرمایا کہ خواب ظاہر ہے تعبیر کا محتاج نہیں کہ آپ لباس شریعت و طریقت میں مستور ہیں۔الغرض حضرت حاجی صاحبؒ براہ پنجاب روانہ ہوئے درمیان سفر میں حیدرآباد سندھ میں مزارات پر حاضری دیتے ہوئے براہ کراچی مکہ مکرمہ پہنچے کچھ دنوں جبل صفا پر سیٹھ اسماعیل کی رباط میں قیام فرمایا اور اکثر اوقات خلوت کے ساتھ مراقب رہتے۔اسی وجہ سے اہل مکہ سے زیادہ اختلاط کی نوبت نہیں آئی۔البتہ حج کے ایام میں تشنگان ہند کی حاضری پر ان کی شدت تمناؤں کی وجہ سے حضرت اکثر جلوہ فرماتے۔اس ہی حالت میں کچھ عرصہ گذرا کہ اشارہ غیبی اس امر کی طرف متوجہ ہوا کہ عارف کو کسی سنت نبوی کا ترک نہیں کرنا چاہتے اس لئے نکاح بھی ضروری ہے۔

حضرت کو یکسوئی کی وجہ سے اب تک نوبت اس امر کی نہیں آئی تھی لیکن اس اشارہ کی وجہ سے اکیس رمضان ۱۲۸۲ھ کو بی خدیجہ بنت حاجی شفاعت خاں مرحوم رامپوری سے جن کے والدین پہلے ہی الوداع کہہ چکے تھے بعوض ساٹھ ریال فرانسیسی جو تقریباً ایک سو پچیس روپیہ سے زائد ہوتا ہے اس مہر پر نکاح کیا۔۱۲۹۴ھ میں بعض خدام نے اصرار و الحاج کے ساتھ

ایک مکان حارۃ الباب میں خرید کر حضرت کی خدمت میں پیش کیا۔ ہر چند حضرت کا وہ منور دل جو ہر وقت اپنے کو مسافر خیال کرتا تھا اس کو پسند نہیں کرتا تھا۔ لیکن خدام نے اصرار اس درجہ پر کیا کہ حضرت کو قبول فرمانا پڑا۔ حضرت حاجی صاحبؒ خلقۃً ہی ضعیف نحیف اور خفیف اللحم تھے۔ اس پر مجاہدات، ریاضات اور تقلیل طعام و منام نے اور ان سب کے ساتھ سوز و عشق نے بدن کو ایسا گھلا دیا تھا کہ آخیر زمانہ میں کروٹ بھی بدلنی دشوار ہو گئی تھی۔

حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہ نے اپنے ملفوظات میں اعلیٰ حضرت حاجی صاحبؒ کے ایک شاگرد و مرید حافظ عبدالقادر صاحب کی روایت سے ہندوستان کے قیام کے زمانہ میں شب بیداری کا معمول ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے کہ عشاء کے بعد حضرت اول چارپائی پر آ کر لیٹ جاتے بس اس وقت تو سب نے دیکھ لیا کہ حضرت عشاء کے بعد سو رہے ہیں۔ لیکن جب سب نمازی چلے جاتے تو مؤذن سے دروازہ بند کرا لیتے اور مسجد میں مصلی بچھا کر ذکر میں مشغول ہو جاتے۔ حافظ صاحب کہتے تھے کہ رات بھر میں شاید تھوڑی ہی دیر آرام فرماتے ہوں۔ کیونکہ جب آنکھ کھلی تو حضرت کو مسجد میں بیٹھے ہوئے ذکر میں مشغول ہی دیکھا اور کوئی دن ناغہ نہ جاتا تھا کہ روتے نہ ہوں اور بڑے درد سے بار بار یہ شعر نہ پڑھتے ہوں۔

اے خدا ایں بندہ را رسوا مکن گر بدم ہم سر من پیدا مکن

بالآخر چوراسی سال تین ماہ بیس روز اس عالم تاریک کو منور فرما کر بارہ یا تیرہ جمادی الاخری ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۸۹۹ء بروز چہارشنبہ بوقت اذان صبح محبوب سے واصل ہوئے اور اہل دنیا کو مفارقت کا داغ دیا۔ جنت المعلیٰ میں مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی ثم المکی بانی مدرسہ صولتیہ کی قبر سے متصل دفن ہوئے۔ اطاب اللہ ثراہ و جعل الجنۃ مثواہ.

تصانیف:

اعلیٰ حضرت کی یادگار کچھ تصانیف ہیں جو ابھی تک عام طور پر ملتی ہیں اور قدماء مشائخ کی مؤلفات کی طرح ابھی تک بھی بحمد اللہ نایاب نہیں ہوئیں جن کے اسماء مع مختصر تعارف کے یہ

ہیں:

(۱) حاشیہ مثنوی مولانا روم: یہ مثنوی رومی پر فارسی زبان میں حاشیہ ہے اعلیٰ حضرت کی حیات میں اس کے صرف دو حصے طبع ہو سکے باقی بعد میں طبع ہوئے۔

(۲) غذائے روح یہ سنہ ۱۲۶۴ھ میں تحریر کی گئی تھی۔ حضرت میانجی نور محمد جھنجھانوی کا ذکر مبارک بھی اس میں موجود ہے یہ کتاب سو اشعار پر مشتمل ہے۔

(۳) جہاد اکبر: یہ رسالہ سنہ ۱۲۶۸ھ میں تالیف ہوا ہے۔ یہ دراصل کسی اور شخص کی فارسی نظم کا اردو ترجمہ ہے جس میں سترہ صفحات میں اشعار ہیں۔

(۴) مثنوی تحفۃ العشاق: تیرا سو چوبیس اشعار پر مشتمل یہ کتاب ۱۲۸۱ھ میں لکھی گئی۔

(۵) رسالہ درد غمناک: یہ کتاب پانچ صفحات کی ہے اور اس میں ۱۷۶ اشعار ہیں۔

(۶) ارشاد مرشد: اس کتاب میں وظائف و مراقبات، اوراد، اور چاروں سلسلوں کے شجرات تحریر ہیں سنہ تالیف ۲۰ جمادی الاول ۱۲۹۳ھ صفحہ ۱۶

(۷) ضیاء القلوب: یہ فارسی میں ہے اس کو اعلیٰ حضرت نور اللہ مرقدہ نے حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید کے صاحبزادے حافظ محمد یوسف صاحب کی درخواست پر ۱۲۸۲ھ میں مکہ مکرمہ میں تحریر فرمائی تھی اس کتاب کا تاریخی نام مرغوب دل ہے، حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہ کے ملفوظات میں تحریر ہے کہ اعلیٰ حضرت فرمایا کرتے تھے کہ دو ثلث ضیاء القلوب کے میں نے ضائع کر دیئے اس میں اشغال کے ثمرات درج تھے، کیونکہ مجھ کو الہام ہوا تھا کہ ان کا ظاہر کرنا مناسب نہیں۔

(۸) وحدۃ الوجود

(۹) فیصلہ ہفت مسئلہ

(۱۰) گلزار معرفت: اعلیٰ حضرت کی یہ تالیفات اب کلیاتِ امدادیہ کے نام سے مشہور و معروف ہیں۔

چند متفرق واقعات

(۱) حضرت اقدس تھانوی نے کسی صوفی صاحب کی طرف سے نقل کیا ہے کہ ہمارے پاس تو حاجی صاحب کے کامل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ان کی طرف علماء کثرت سے رجوع ہیں اور زیادہ تر علماء کا فرقہ ہی صوفیہ کا مخالف ہوتا ہے جب علماء معتقد ہیں تو پھر کون مخالف ہوگا۔

(۲) حضرت حاجی صاحب کے یہاں مثنوی شریف کے سبق کے بعد روز دعا ہوا کرتی تھی لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت کیا دعا مانگیں فرمایا کہ یہ دعا مانگا کریں کہ جو کچھ اس میں لکھا ہے وہ ہمیں بھی حاصل ہو جائے۔

(۳) ایک مرتبہ کیرانہ کی کسی مسجد میں رہنے والے ایک نیک قصاب اعلیٰ حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ بیٹھے بیٹھے خیال آیا کہ خدا جانے حضرت صاحب کا رُتبہ بڑا ہے یا حضرت حاجی صاحب کا۔ حضرت نے فوراً فرمایا کہ اہل اللہ کی نسبت یہ خیال کرنا کہ کون بڑا ہے اور کون چھوٹا بے ادبی ہے۔ خدا کو معلوم ہے کہ اس کے نزدیک کون زیادہ مقبول ہے۔ سب سے عقیدت رکھنا چاہیے تم کو اس تحقیق کی کیا ضرورت۔

(۴) حضرت مولانا محبّ الدین صاحب ولایتی حضرت کے مجاز تھے اور بڑے صاحب کشف تھے۔ ایک دفعہ ان کو یہ خیال ہوا کہ حدیث میں ایسی نماز کی فضیلت آئی ہے جس کے لئے کامل وضو کیا جائے۔ پھر دو رکعت ایسی پڑھی جائیں کہ ان میں حدیث النفس نہ ہو یعنی ان میں کوئی خیال نہ آوے۔ وہ عالم بھی تھے، اُنھوں نے دل میں کہا کہ افسوس ساری عمر میں ایسی دو رکعت نہ ہوئیں، لاؤ دو رکعت تو کوشش کر کے ایسی ہی پڑھ لیں چنانچہ اس میں کامیاب ہو گئے۔ اور چونکہ خطرات اکثر آتے ہیں ان کو روکنے کے لئے اُنھوں نے نماز میں آنکھیں بند کر لیں کیونکہ اگر نظر منتشر ہوتی تو عادتاً یکسوئی نہیں ہوتی اور اِدھر اُدھر کے خیالات آنے لگتے ہیں۔ آنکھ بند کرنے سے ان کو یکسوئی ہوگئی اور کوئی خطرہ نہیں آیا۔ پھر

ہوس ہوئی کہ دیکھیں عالم مثال میں اس نماز کی کیا شکل ہوگی متوجہ ہوکر دیکھا تو اس نماز کی صورت سامنے آئی نہایت حسین وجمیل سر سے پاؤں تک آراستہ پیراستہ آنکھیں بھی نہایت خوبصورت لیکن غور سے جو دیکھا تو ان میں روشنی نہیں تھی ان کو تعجب ہو کہ اس نماز میں کونسی کسر رہ گئی۔ رفعِ تردّد کے لئے حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں عرض کیا۔ گوانہوں نے کوئی تفصیل اس کی نہیں بیان کی تھی کہ اس طرح آنکھیں بند کر کے نماز پڑھی تھی۔ صرف خلاصہ عرض کیا تھا کہ ایسی نماز خطرات سے خالی تھی۔ حضرت نے سنتے ہی فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے تم نے دفع خطرات کے لئے آنکھیں بند کرلیں ہوگی؟ انھوں نے عرض کیا کہ جی ہاں حضرت آنکھیں تو میں نے ضرور بند کرلی تھیں تا کہ خطرات نہ پیدا ہوں، حضرت نے فرمایا کہ چونکہ یہ سنت کے خلاف تھا اس لیے یہ صورتِ نقصان دکھلائی گئی۔ اگر کھلی آنکھوں نماز پڑھتے تو خواہ کتنے ہی خطرات آتے وہ نماز چونکہ سنت کے موافق ہوتی وہ زیادہ مقبول ہوتی۔

(۵) ایک دفعہ شریف مکہ کے پاس کوئی رقم مہاجرین میں تقسیم کرنے کے لئے آئی تو حضرت حاجی صاحب نے شریف کے پاس کہلا بھیجا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ کے پاس کوئی رقم مہاجرین میں تقسیم کرنے کے لئے آئی ہے تو ہمارا حصہ بھی ہمیں ملنا چاہیے۔ چنانچہ وہاں سے تین آنہ کے پیسے حضرت کے حصے میں آئے اس وقت وہاں مولانا محمد منیر صاحب نانوتوی بھی موجود تھے ان سے فرمایا کیوں جی! کیا تین آنہ پیسوں میں میرا کام چل جائے گا؟ لیکن ایک مصلحت کی وجہ سے میں نے یہ رقم خود درخواست کر کے منگوائی ہے کیونکہ یہاں کا خاصا ہے کہ جو ذرا استغنا کے ساتھ رہتا ہے اس پر لوگ خواہ مخواہ حسد کرنے لگتے ہیں۔ کیونکہ مجھے یہاں رہنا ہے اور اپنی ساری عمر گزارنی ہیں اس واسطے میں ذلیل ہوکر رہتا ہوں تا کہ استغنا کا شبہ نہ ہو۔

(٦) اعلیٰ حضرت کے پاس ایک جولاہا آیا اور عرض کیا کہ میری بیٹی پر ماموں اللہ بخش کا خلل ہے۔ آپ چلئے فرمایا میں عامل نہیں ہوں۔ اس نے بہت اصرار کیا، آپ تشریف لے گئے اس نے سلام کیا اور حضرت کی تشریف آوری پر شرمندگی ظاہر کی اور عرض کیا کہ اگر صرف

اپنا نام لکھ کر بھیج دیتے تو میں چلا جاتا۔ اور یہ بھی وعدہ کیا کہ آپ کے سلسلہ والوں کو کبھی نہ ستاؤں گا۔

(۷) ایک مرتبہ ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ کوئی ایسا وظیفہ بتلا دیجئے کہ خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلمکی زیارت نصیب ہو جائے۔ حضرت نے فرمایا کے آپ کا بڑا حوصلہ ہے ہم تو اس قابل بھی نہیں کہ روضہء مبارک کہ گنبد شریف ہی کی زیارت نصیب ہو جائے۔

(۸) حاجی عبدالرحیم خادمِ خاص اعلیٰ حضرت کا بیان ہے کہ ایک بار حضرت کے پاس کہیں سے سیاہ نری کا جوتہ ہدیہ میں آیا آپ نے ان کو مرحمت فرما دیا۔ اُنہوں نے عرض کیا کہ حضرت آپ کا عطیہ ہم خدام کے لئے سرفرازی و برکت ہے۔ مگر لوگ حضور کی خدمت میں اس غرض سے نظر پیش کرتے ہیں کہ حضور استعمال فرمائیں سو اگر کچھ دن استعمال فرما کر مرحمت ہو جاوے تو ہم لوگ بھی سرفراز ہو جائیں گے اور ان لوگوں کو بھی خوشی ہو۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جاباولے تو نہیں جانتا۔ انہوں نے دریافت کیا آپ نے ارشاد فرمایا کہ بھائی جب سے میں نے خانہ کعبہ کا غلاف سیاہ دیکھا ہے۔ سیاہ نری کا جوتا پہننے کی ہمت نہیں ہوتی کہ یہ رنگ اور میرا پاؤں اسی طرح جب سے روضہءِ مطہرہ نبویہ صلی اللہ تعالیٰ علی صاحبہا کے پردے سبز رنگ کے دیکھے کمبخت کا جوتا نہیں پہنا۔

(۹) انہی حاجی عبدالرحیم کا بیان ہے کہ میں نے مدت تک حضرت کی خدمت کی رات کو بھی دن کو بھی مگر کبھی پاؤں پھیلا کر سوتے نہیں دیکھا بلکہ پاؤں سمیٹے رہتے تھے۔ بہت روز تک تو اس طرف التفات بھی نہیں ہوا۔ جب عرصہ دراز تک شاذ و نادر بھی پاؤں پھیلے ہوئے نہ دیکھے تب خیال ہوا کہ غالباً یہ امر قصداً ہے د آخر حضرت سے عرض کیا کہ حضرت آپ پاؤں کیوں نہیں پھیلاتے بھلا اس طرح سونے میں کیا نیند آتی ہوگی اور کیا آرام ملتا ہوگا۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ جاباولے تو آرام کو لیے پھرتا ہے تو نہیں جانتا کہ اپنے محبوب کے [illegible] ہے۔

(۱۰) کسی شخص نے اعلیٰ حضرت کی طرف سے ایک جعلی خط لکھ کر کسی امیر سے کچھ رقم وصول کر لی۔ کسی نے حضرت کو اطلاع دے کر مشورۃ عرض کیا کہ ایسے شخص کو تنبیہ ہونا چاہیے۔ حضرت نے جواب دیا کہ بھائی مجھ سے دین کا تو کسی کو نفع نہیں ہوا اگر میرے ذریعہ سے یہ مردہ دنیا ہی کسی کو حاصل ہو جائے تم مجھ کو حق تعالیٰ سے شرم آتی ہے کہ اس میں بھی بخل اور اس سے بھی دریغ کروں۔

(۱۱) ایک بار اعلیٰ حضرت ایک مریدنی کو کوئی کپڑا تبرکاً دینے لگے۔ حاضرین میں سے ایک بی بی نے عرض کیا کہ حضرت فلاں عورت کو بھی جو کہ آپ کے خاندان میں ہے کوئی تبرک بھجوا دیجیے۔ آخر وہ بھی تو آپ کی اولاد ہے آپ نے نہایت تُرش ہو کر فرمایا کہ کیا اولاد دولاد لیے پھرتی ہو میرے کوئی اولاد نہیں۔ میری اولاد وہی ہے جو اللہ کی طالب ہے۔

(۱۲) ایک بار اعلیٰ حضرت کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے کسی نے ہندوستان سے کچھ روپیہ ایک دکان کے ذریعہ سے مکہ معظمہ بھیجا۔ اس دکاندار نے حضرت کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ آپ کے لئے کچھ روپیہ ہندوستان سے آیا ہے۔ کسی خادم کو بھیج کر دوکان سے منگا لیجئے۔ حضرت نے نہایت استغنا سے جواب دیا کہ میں نے نہ ہندوستان سے روپیہ منگایا ہے نہ دوکان سے منگاؤنگا، جس خدا نے ہندوستان سے مکہ معظمہ پہونچا دیا وہ دوکان سے میرے پاس بھی پہونچا دیں گے۔ یہاں سے کوئی روپیہ لینے نہ آوے گا۔ وہ شخص یہ سن کر بہت شرمندہ ہوا اور فوراً حضرت کی خدمت میں روپیہ بھیج دیا۔

(۱۳) اعلیٰ حضرت ایک مرتبہ سخت علیل ہوئے، ایک بار خلوت میں قہقہہ کی آواز سنی گئی۔ تعجب ہوا کہ تنہائی میں کس بات پر ہنسی آئی، مزاج خوش پا کر دوسرے وقت دریافت کیا۔ فرمانے لگے کہ اس وقت مرض میں ایسی لذت آئی کہ بے اختیار ہنسی آ گئی۔

ملفوظات وارشادات:

(۱) فرمایا کرتے تھے کہ ہر شخص مجھے اپنے رنگ میں سمجھتا ہے اور میں کسی رنگ میں نہیں ہوں۔ میری مثال پانی کی سی ہے کہ جس رنگ کی بوتل میں بھر دیا اسی رنگ کا معلوم ہونے لگتا

ہے۔

(۲) فرمایا کرتے تھے کہ انسان کے اندر سب کچھ ہے بس جب سردی لگی تو کرہ نار کا تصور کرلیا اور جب گرمی لگی تو طبقہ زمہریر کا تصور کرلیا۔

(۳) فرمایا کرتے تھے کہ خطرات جو لوگوں کو ستاتے ہیں تو وہ خطرات اگر دفع نہ ہوں تو دفع کرنے کے پیچھے نہ پڑنا چاہیے بلکہ ان میں ہی قدرت الٰہی کا مشاہدہ کرنا چاہیے کہ اللہ اکبر وسواس کا بھی کیا سلسلہ ہے کہ دفع ہی نہیں ہوتا۔ یہ سالک کے مناسب ہے کہ بس قدرت الٰہی کے مشاہدہ میں مستغرق ہوجائے۔

(۴) **الغيبة أشد من الزنا** کے متعلق فرمایا کہ زنا گناہ باہی ہے اور غیبت گناہ جاہی اور کبر شہوت سے اشد ہے اس پر حضرت اقدس تھانوی نے فرمایا کہ یہ تو قافیہ ہوگیا فرمایا کہ ہمارے پاس تو ایسے ہی چٹکلے ہوا کرتے ہیں۔

(۵) ایک مرتبہ ایک صاحب نے عرض کیا کہ آپ کی برکت سے ہوا جو کچھ باطنی نفع ہوا اس پر فرمایا کہ جو کچھ ہے تمھارے ہی اندر ہے جیسے نائی لاتا ہے خوان سر پر رکھ کر پھر اس میں سے ایک رکابی اٹھا کر اس کو دے دیتے ہیں تو جو کچھ اس کو ملا وہ اسی کے پاس تھا اس کے بعد فرمایا مگر تم یہی سمجھے جاؤ کہ شیخ ہی سے ملا ہے ورنہ تمہارے لئے مضر ہوگا۔

(۶) فرمایا کرتے تھے کہ ایک لطیفہ بھی منور ہوجائے تو اس کے ذریعے سے سب لطائف منور ہوجاتے ہیں۔

(۷) فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو جو اصطلاحی عالم نہیں ہوتے ایک لسان، عطا فرماتے ہیں، چنانچہ حضرت شمس تبریز کو مولانا رومی لسان عطا ہوئے تھے جنہوں نے حضرت شمس تبریز کے علوم کو کھول کھول کر بیان فرمادیا اسی طرح مجھ کو مولوی محمد قاسم لسان عطا ہوئے ہیں۔

(۸) فرمایا کرتے تھے کہ میں اپنا بندہ نہیں بنانا چاہتا، خدا کا بندہ بنانا چاہتا ہوں، علی الاعلان فرمایا کرتے تھے کہ جو میرے پاس تھا وہ میں نے حاضر کردیا میری طرف سے اب

عام اجازت ہے کہ جس کو جہاں سے مقصود حاصل ہو وہ وہیں جا کر حاصل کرے میں اپنا مقید نہیں کرتا ایک مرتبہ فرمایا کہ میں لوگوں کے معتقد ہونے سے تنگ ہو گیا، خدا کی قسم دل سے چاہتا ہوں کہ لوگ مجھے ملحد اور زندیق سمجھ کر چھوڑ دیں تا کہ میں فارغ ہو کر محبوب میں مشغول ہوں، تمہارے اعتقاد نے میرے اوقات کو خراب کر رکھا ہے۔

(۹) فرمایا کرتے تھے کہ دل مکہ معظّمہ میں رہے اور جسم ہندوستان میں رہے گے یہ اس سے بہتر ہے کہ جسم تو مکہ میں رہے اور دل ہندوستان میں رہے۔

(۱۰) فرمایا کرتے تھے کہ جو شیخ خود کچھ نہ کرے اس کی تعلیم میں برکت نہیں ہوتی گو اس کو حاجت نہ رہے لیکن اس غرض سے اس کو ذکر و شغل کرتے رہنا چاہیے کہ خود تلقی کر کے آگے کو القا کرے ورنہ اگر خود کچھ نہ کرے گا تو دوسروں کو کیا القا کرے گا۔

(۱۱) ایک شخص نے شکایت کی کہ ذکر کرتا ہوں مگر کوئی نفع معلوم نہیں ہوتا اس پر فرمایا کے یہ کیا تھوڑا نفع ہے کہ ذکر میں لگے ہوئے ہو اور تم کو ذکر کی توفیق دے دی گئی۔

(۱۲) فرمایا کرتے تھے کہ ٹھنڈا پانی پیوتا کہ روئیں روئیں سے الحمد للہ نکلے۔

(۱۳) فرمایا کرتے تھے کہ اگر ریا سے بھی کوئی عمل کرتا ہو تو اس کو کرتا رہے ترک نہ کرے اول اول ریا ہو گئی پھر عادت ہو جائے گی اور عادت سے عبادت ہو جائے گی۔

(۱۴) فرمایا کرتے تھے کہ میں تو لوگوں کو اس نیت سے مُرید کرتا ہوں کہ اگر پیر مرحوم ہو گا تو مریدوں کو جنت میں لے جائے گا اور اگر مُرید مرحوم ہو گا تو پیر کو جنت میں کھینچ کر لے جائے گا۔

(۱۵) فرمایا کرتے تھے کہ میں آنے والوں کی قدموں کی زیارت کو نجات کا ذریعہ سمجھتا ہوں۔

(۱۶) کسی عالی درویش نے نماز کی نسبت حضرت سے عرض کیا کہ حضرت جب دل متوجہ نہ ہوں تو اس اٹھک بیٹھک سے کیا نتیجہ؟ فرمایا کہ اس کو اٹھک بیٹھک کی قیمت وہاں معلوم ہو گی کہ کس درجہ کی چیز ہے اور یہی سب کچھ ہے اگر حق تعالیٰ [illegible]

حضور قلب ہی اٹھک بیٹھک ہو جایا کرے تو بڑی دولت ہے۔

(۱۷) فرمایا اپنے شیخ کی نسبت یہ عقیدہ رکھے کہ زندہ بزرگوں میں میری کوشش سے اس سے زیادہ نفع پہنچانے والا مجھ کو نہیں مل سکتا۔

(۱۸) کوئی مرید اگر حضرت سے عرض کرتا کہ دنیا چھوڑ دوں تو ارشاد فرماتے کہ اگر دنیائے حلال ہے تو خود مت چھوڑ و اللہ کا نام لئے جاؤ جب اس کا غلبہ ہو گا خود ہی چھڑا دے گا۔

(۱۹) فرمایا میں تین شخصوں سے خدمت لینا پسند نہیں کرتا، عالم، سید، اور بوڑھا۔

(۲۰) فرمایا کہ طلب جاہ عندالخلق تو سب کے نزدیک مذموم ہے مگر محققین کے نزدیک طلب جاہ عندالخالق بھی پسندیدہ نہیں، کیوں کہ اس میں بھی ایک گونہ نسبت ہے رفعت کی اپنی طرف کہ ایسی شان سمجھتا ہے کہ وجیہ عنداللہ ہو سکے - عبدیت کے یہ بھی خلاف ہے، عبدیت تذلل اور پستی ہے -

(۲۱) حافظ عبدالرحیم تھانوی اعلیٰ حضرت کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ میں بیعت سے اس لئے انکار نہیں کرتا کہ وہ شخص کسی بدعتی کے پنجہ میں گرفتار نہ ہو جائے، پھر اللہ تعالیٰ مجھ سے مواخذہ فرمائیں کہ تمہارے پاس آیا تھا تم نے کیوں رد کر دیا جس کی وجہ سے وہ ایسی جگہ پھنسا۔

(۲۲) ارشاد فرمایا کہ جو شخص طالب دنیا ہو وہ تارک دنیا بن جائے۔

(مطلب اس فرمان کا حضرت اقدس تھانوی نے یہ فرمایا ہے کہ دنیا طلب سے حاصل نہیں ہوتی جس کو دنیا کا حاصل کرنا مقصود ہو اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اس کو ترک کر دے پس وہ اُس کو حاصل ہو جائے گی)

(۲۳) فرمایا کہ اتفاق باہمی کی اصل تواضع ہے جن لوگوں میں تواضع ہو گی۔ باہم اتفاق رہے گا۔

(۲۴) ایک بار فرمایا کہ میرے پاس دو طالب علم آئے ایک کا دعویٰ تھا کہ لا صلوٰۃ !!

بحضور القلب اور دوسرا اعتراض کرتا تھا کہ حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں لاجھز جیشی وأنا فی الصلوة یعنی میں نماز میں لشکر کی تیاری کی فکر کرتا ہوں۔ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت عمر کی نماز ناقص تھی باوجودیکہ اس میں حضور قلب نہ ہوتا تھا۔ کیونکہ تجہیز جیش ظاہر ہے کہ منافی حضور قلب ہے۔ پس حضور قلب ضروریات کمال صلوۃ سے نہیں ہے وہ دوسرا طالب علم اس کا شافی جواب نہ دے سکتا تھا۔ آخر میرے پاس آئے۔ میں نے ان کو بتلایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تجہیز جیش خود منافی حضور قلب نہیں بلکہ عین حضور قلب ہے۔ کیونکہ جس کو بادشاہ کی جانب سے کوئی خدمت ومنصب سپرد کیا جاتا ہے وہ جس وقت دربار میں حاضر ہوگا اس کا کمال قرب یہی ہے کہ اپنی خدمات مفوضہ کو پیش کر کے اس کے متعلق احکام شاہی حاصل کرے اسی طرح جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خدمت خلافت منجانب اللہ سپرد تھی اور نماز کا وقت حاضری دربار کا وقت ہے اس وقت یہی حضور و قرب ہے کہ اس باب میں حق تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے استخارہ واستشارہ کریں، پس عمر کی تجہیز کو کہ الہام حق تھی اپنے وساوس وخطرات پر قیاس کرنا محض غلط ہے کہ یہ بعد ہے اور وہ عین قرب اس گفتگو سے ان دونوں کو پوری تسلی ہوگئی۔

اس واقعہ کو تحریر فرمانے کے بعد حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہ بطور فائدہ کے تحریر فرماتے ہیں کہ سبحان اللہ کیا سلیس اور واضح طریق سے تعارض رفع فرمایا ہے۔ حقیقت میں علم رسمی محض لفظ پرستی ہے۔ ... سائی رسمی اور حقائق شناسی انہی حضرات کا حصہ ہے۔

(۴۵) جب کوئی مسئلہ علماء کے سامنے حقائق کا ارشاد فرماتے تو یہ بھی فرمادیا کرتے تھے کہ بھائی میں ناخواندہ ہوں تم لوگ عالم ہو۔ میرے قلب پر جو وارد ہو اس کو بیان کر دیا اگر کتاب وسنت کے خلاف ہونے سے اس میں کوئی غلطی ہو تو تم لوگ لحاظ وحجاب مت کیا کرو مجھے اطلاع دیدیا کرو، ورنہ میں قیامت میں یہ کہہ دوں گا کہ میں نے ان لوگوں سے کہہ دیا تھا انہوں نے ظاہر نہیں کیا۔

(۴۶) فرمایا کرتے تھے کہ میرے خلفاء ... دو قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ کہ میں نے بلا

درخواست ان خلفاء کو اجازت بیعت لینے کی دی اور خلیفہ بنایا اور وہی درحقیقت خلفاء ہیں۔ اور ایک وہ کہ کسی نے درخواست کی کہ حضرت میں اللہ کا نام بتلا دیا کروں اور میں ان کے کہنے پر اجازت دی تو یہ اجازت اس قسم کی اول درجہ کی نہیں ہے۔

خلفاء ومجازین:

اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے دربار گوہر بار سے جن لوگوں کو اجازت وخلافت سے سرفراز کیا گیا وہ یہ حضرات ہیں:

(۱) امام ربانی حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی (۲) حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی (۳) حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہانپوری (۴) حضرت حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی صاحب تھانوی (۵) مولانا احمد حسن صاحب امروہوی (۶) مولانا محی الدین صاحب خاطر (۷) مولانا جلیل احمد صاحب (۸) حاجی سید محمد دیوبندی (۹) مولانا منظور احمد صاحب (۱۰) مولانا نور محمد صاحب (۱۱) مولانا عبدالواحد صاحب بنگالی، ہمارے شجرہ میں امام ربانی حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ کا نام نامی ہے اس لئے اب انھیں کے حالات سپرد قلم کئے جاتے ہیں۔

(امداد المشتاق، افادات یومیہ، شمائم امدادیہ، کرامات امدادیہ، کمالات امدادیہ)

(۳۹)...... حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

سہارنپور سے جانب مغرب جنوب ایک قصبہ ہے جو گنگوہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس قصبہ کی سرزمین کو حق تعالیٰ شانہ نے سلسلہ کے تین اکابر کے نور سے منور فرمایا جن میں سے دو حضرات حضرت شاہ عبدالقدوس وحضرت شاہ ابوسعید کا تذکرہ اپنی جگہ پر آچکا اور تیسری ہستی حضرت امام ربانی کی تھی۔ جو بیک وقت عالم دین بھی تھے، جامع شریعت وطریقت بھی تھے، عاشق نبی بھی تھے اور متبع سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی جام شریعت اور سندان عشق دنوں اس کو حق تعالیٰ نے مرحمت فرمائے تھے، یہ وہ ہستی ہے جس کو ایک عالم کا عالم فرط عقیدت و

محبت سے امام ربانی کہتا ہے لیکن اس کے والدین نے اس کا نام صرف رشید احمد رکھا تھا، اب ان چند صفحات میں انہی کا ذکر مبارک کیا جا رہا ہے۔

ولادت طفولیت اور ابتدائی حالات:

حضرت امام ربانی چھ ذیقعدہ ۱۲۴۴ھ (تذکرہ الرشید جلد دوم صفحہ ۲۸۲ پر بھی خود حضرت کے ملفوظ میں اپنی پیدائش ۱۲۴۴ھ میں ہونا لکھا ہے (شاہد غفرلہ) مطابق ۱۸۲۹ء دوشنبہ کو چاشت کے وقت گنگوہ میں پیدا ہوئے۔

حضرت امام ربانی کے والد ماجد مولانا ہدایت احمد صاحب کا ۱۲۵۲ھ میں پینتیس سال کی عمر میں انتقال ہوا ہے تو اس وقت حضرت کی عمر صرف سات سال کی تھی۔

والد صاحب کے انتقال کے بعد حضرت کا نشو نما اپنے جد امجد کے زیر سایہ ہوا یوم دوشنبہ میں پیدائش اور نو عمری میں یتیم ہو کر اپنے دادا جان کے زیر تربیت ہو جانا یہ دونوں وہ اضطراری سنتیں ہیں جو حق تعالیٰ شانہ نے امام ربانی کو مرحمت فرمائیں تھیں۔

تربیت ظاہری و باطنی:

آپ کے سب سے پہلے استاد میانجی قطب بخش صاحب گنگوہی تھے۔ جن سے آپ نے تعلیم و تعلم کی ابتداء کی اور اسی دوران اپنے استاد سے ذہانت ذکاوت بیدار مغزی کے تعریفی کلمات سنے۔ میانجی قطب بخش کی عادت تھی کہ بے تکلف طلباء کے منہ سونگھ کر دریافت کرتے تھے کہ کیا کھا کر آئے ہو۔ شاگرد کے بتلانے پر فرماتے کہ اکیلے اکیلے ہی کھا کر چلے آئے، ہمارے لئے کیوں نہیں لائے۔ ان کی اس عادت کی وجہ سے حضرت اقدس نے خود بخود یہ معمول بنالیا تھا کہ جو چیز بھی گھر آپ کو ملتی وہ آپ جیب میں رکھ لیتے خود نوش نہ فرماتے، اور لا کر استاذ کی خدمت میں پیش کر دیتے۔ کئی دن تک گھر والوں کو اس ایثار کی خبر نہ ہوئی، لیکن کئی روز بعد جب کپڑوں پر دھبے دیکھے گئے اور چپکنے لگے تو گھر والوں نے ڈانٹ ڈپٹ اور اس کا سبب دریافت کیا جب جا کر انہیں اس ایثار کی داستان معلوم ہوئی یہ اثر تھا اس سعادت مندی کا اور ایثار و رضا جوئی کا جو قدرت کی جانب سے آپ میں ودیعت

فرمایا گیا تھا۔

فرمایا کرتے تھے کہ عمر کا چوتھا یا پانچواں سال تھا کہ والدہ ماجدہ نے مجھے اور میرے بڑے بھائی مولوی عنایت احمد کو پینے کے لئے دودھ دیا۔ اس پر میں نے اضافہ کا تقاضا کیا اور اصرار کیا کہ اور دیا جائے۔ بڑے بھائی نے اس اصرار کو کچھ پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھا اور اپنے حصہ کا دودھ پینے کے بعد میرے حصہ کا دودھ بھی پی گئے۔ بس اس قصہ سے مجھے یہ تجربہ ہو گیا کہ ضد کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی اپنے اصل حصہ سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔

یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آپ نے قرآن پاک کہاں پڑھا، بہت ممکن ہے کہ گھر ہی میں رہ کر والدہ ماجدہ سے پڑھ لیا ہو کہ اس زمانہ میں اونچے گھرانے کی خواتین قرآن پاک اور علم شریعت وغیرہ سے پوری پوری واقف ہوا کرتی تھیں، فارسی تعلیم اپنے ماموں مولانا محمد تقی صاحب سے کرنال میں پڑھی اور کچھ حصہ مولوی محمد غوث صاحب کے پاس پڑھا۔ عربی صرف ونحو کی ابتدائی کتب مولوی محمد بخش صاحب رامپوری سے پڑھیں اور پھر انہی کی ترغیب دینے پر آپ ۱۲۶۱ھ میں مزید تحصیل علم کے لئے دہلی تشریف لے گئے، اس وقت حضرت کی عمر سترہ سال کی تھی دہلی پہونچ کر آپ نے مختلف اساتذہ کے درس میں شرکت کی اور ہر درس کا رنگ دیکھا۔ لیکن آپ کی طبیعت کسی جگہ قیام کے لئے راضی نہ ہوئی۔ ادھر حسن اتفاق اور قدرت خداوندی سے یہ بات پیش آئی کہ استاذ الکل حضرت مولانا مملوک علی صاحب اپنے سفر حجاز سے واپسی کے وقت دہلی ہوتے ہوئے نانوتہ تشریف لائے اور تعطیل کے ایام ختم ہونے پر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کو اپنے ہمراہ پڑھانے کی غرض سے دہلی لے آئے یہ ۱۲۶۰ھ کا واقعہ ہے۔ حضرت امام ربانی جو ابھی تک طبیعت کے جماؤ نہ ہونے کی بنا پر اپنی تعلیم شروع نہ کر سکے تھے وہ بھی حضرت مولانا مملوک العلی صاحب کی خدمت میں پہنچ گئے۔ اس طرح سے علم وتقویٰ کے یہ شمس وقمر ایک ہی استاذ کی زیر تربیت ہو کر تعلیم ظاہری کی تکمیل میں مشغول ہو گئے حضرت امام ربانی صدر الشمس بازغۃ حضرت مولانا مملوک علی صاحب کے سامنے اس طرح پڑھا کرتے تھے جیسا کہ حافظ قرآن پڑھتا ہے۔

بہرکیف چند سال آپ نے مستقل دہلی قیام فرما کر علوم درسیہ کی تکمیل کی۔ علوم عقلیہ میں آپ کے دوسرے استاذ علامتہ الشہیر مولانا مفتی صدرالدین صاحب بھی تھے۔ قاضی احمد الدین صاحب سے بھی آپ کو شرف تلمذ حاصل ہے، حدیث کے استاذ حضرت مولانا الحاج الشاہ عبدالغنی صاحب مہاجر مدنی مجددی نقشبندی تھے۔ اور ایسے انہماک اور مشغولی کے ساتھ کتابیں پڑھیں کہ کھانا پینا اور سونے کی جملہ ضروریات میں صرف سات گھنٹے خرچ ہوتے تھے۔ فراغت کے بعد آپ اپنے وطن مالوف کیلئے روانہ ہوئے اس وقت آپ کی عمر تقریباً اکیس سال تھی۔ دہلی میں جتنی مدت آپ کا قیام رہا آپ نے اپنے کھانے پینے کا انتظام خود کیا کسی پر بوجھ نہ ڈالا۔ والد محترم ہر ماہ تین روپیہ بھیجا کرتے تھے اسی سے تمام ضروریات پوری فرماتے۔

جملہ علوم وفنون سے فراغت کے بعد جب کہ حضرت اقدس کی عمر شریف اکیس سال کی تھی۔ اپنے وطن گنگوہ واپس تشریف لائے اور درس وتدریس میں مشغول ہو گئے اور مختلف علوم نحو معانی فقہ، تفسیر اور حدیث کی تدریس میں ہمہ وقت اشتغال رہتا تھا۔ ۱۳۰۰ھ کے ختم تک یہ سلسلہ رہا اور ۱۳۰۱ھ سے صرف حدیث پاک کی تدریس کا مشغلہ رہ گیا اور بہ نفس نفیس تنہا صحاح ستہ کی جملہ کتب خود پڑھاتے، شوال میں دورہ حدیث کا سبق شروع ہوتا اور شعبان میں جملہ کتب حدیث کی تعلیم پوری فرمادیتے۔

سلوک و تحصیل طریقت کی ابتداء واقعہ خود حضرت امام ربانی نے بارہا ارشاد فرمایا کہ جب میں اور مولانا محمد قاسم صاحب دہلی میں زیر تعلیم تھے تو ہمارا ارادہ سلم پڑھنے کا ہوا لیکن حضرت استاذ کی مشغولیت کی وجہ سے یہ طے ہوا کہ ہفتہ میں صرف دو مرتبہ اس کا سبق ہوا کرے گا۔ ایک مرتبہ سلمُ کا سبق ہو رہا تھا کہ ایک شخص نیلی لنگی کندھے پر ڈالے ہوئے آموجود ہوئے۔ ان کے آتے ہی حضرت مع تمام خدام کے کھڑے ہو گئے اور بڑا اعزاز واکرام کیا۔ اور فرمایا لو بھائی حاجی صاحب آ گئے۔ حاجی صاحب آ گئے۔ اور پھر حضرت استاذ نے مخاطب ہو کر فرمایا، لو میاں رشید اب سبق پھر ہوگا، فرماتے ہیں کہ مجھے اس دن سبق کے ناغہ ہونے کا بہت

افسوس ہوا اور میں نے مولوی محمد قاسم صاحب سے کہا کہ "یہ اچھا حاجی آیا، ہمارا سبق ہی گیا" مولوی محمد قاسم نے کہا کہ ایسی بات مت کہو یہ بزرگ ہیں اور ایسے ویسے ہیں۔

حضرت امام ربانی نے اس قصہ کے بعد فرمایا ہمیں کیا خبر تھی کہ یہی حاجی ہمیں مونڈ دیں گے۔ خود حضرت امام ربانی فرمایا کرتے تھے کہ طالب علمی کے زمانے میں بوجہ حدیث شریف پڑھنے کے عرصہ تک حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں حاضری رہی۔ اور اس وجہ سے بار بار بیعت کا ارادہ حضرت شاہ صاحب ہی سے ہوتا تھا مگر ہر مرتبہ مولانا نانوتوی فرماتے کہ نہیں بیعت تو حضرت امداد ہی سے کریں گے۔

(ارواح ثلثہ ص ۲۸۸)

اس کے بعد حضرت حاجی صاحب سے تعلق و محبت بڑھتا ہی گیا یہاں تک کہ پھر اپنا سب کچھ حضرت حاجی صاحب کے لئے وقف کر دیا اور اسی دست حق پرست پر بیعت ہوئے جس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ حضرت مولانا شیخ محمد صاحب تھانویؒ سے ایک مسئلہ پر گفتگو کرنے کے لئے تھانہ بھون تشریف لے گئے اور وہاں پہونچکر اس علمی گفتگو سے پہلے حاجی صاحب کی قیام گاہ پر حاضری دی اس وقت اعلیٰ حضرت قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول تھے۔ یہ حضرت گنگوہی کی اعلیٰ حضرت سے پانچویں ملاقات تھی۔ اعلیٰ حضرت بہت ہی کریمانہ اور مشفقانہ طرز کے ساتھ پیش آئے، اور دریافت فرمایا کیسے آئے ہو؟ فرمایا مولانا شیخ محمد سے مناظرہ کے ارادہ سے آیا ہوں، اعلیٰ حضرت نے فرمایا ہا ہا ایسا ارادہ نہ کرنا میاں وہ ہمارے بزرگ ہیں، حضرت نے جواباً فرمایا کہ آپ کے بڑے بھائی ہیں تو میرے بھی بڑے ہیں، اس کے بعد موقعہ پا کر حضرت نے بیعت کی درخواست کی۔ اعلیٰ حضرت نے طلب کا امتحان لینے کی غرض سے انکار فرمایا مگر حضرت کے دل میں جو محبت کا بیج اول ہی ملاقات سے جم گیا تھا وہ اپنی جڑیں بہت حد تک مضبوط کر چکا تھا اس لئے باوجود انکار کے آپ کی رائے میں فرق نہیں آیا اور اپنے لئے پہلی ہی مرتبہ میں جو فیصلہ کر لیا تھا اسی پر ثابت قدمی سے جمے رہے۔ دو، تین روز بعد حضرت نے بیعت فرمالیا۔

بیعت کے وقت حضرت امام ربانی نے اعلیٰ حضرت حاجی صاحب سے فرمایا کہ حضرت مجھ سے ذکر و شغل اور محنت ومجاہدہ کچھ نہیں ہوسکتا اور نہ رات کو اٹھا جائے گا، اعلیٰ حضرت نے تبسم کے ساتھ فرمایا کہ ''اچھا کیا مضائقہ ہے۔''

اس تذکرہ پر کسی خادم نے حضرت امام ربانی سے دریافت کیا کہ حضرت پھر کیا ہوا؟ آپ نے جواب دیا اور عجیب ہی جواب دیا۔ کہ پھر تو مرمٹا۔ اس کے دو، تین دن بعد اعلیٰ حضرت نے ذکر بارہ تسبیح تلقین فرمایا۔

رات کے وقت اعلیٰ حضرت حسب معمول تہجد اور اذکار کے لئے اٹھے اور وضو فرما کر مسجد تشریف لے گئے۔ تو حضرت بھی بیدار ہو گئے اور وضو فرما کر مسجد کے دوسرے گوشے میں تہجد اور ذکر میں مشغول ہو گئے۔ خود فرمایا کرتے تھے کہ اس وقت گلا اچھا تھا اور طاقت وقوت بھی تھی۔ خوب ذکر جہر کے ساتھ کیا۔ صبح کو اعلیٰ حضرت نے فرمایا تم نے تو ایسا ذکر کیا جیسے کوئی بڑا مشاق (ماہر) کرنے والا ہو۔ بس اس دن سے مجھے ذکر کے ساتھ محبت ہو گئی۔

بیعت ہونے کے ٹھیک ایک ہفتہ بعد اعلیٰ حضرت نے فرمایا، ''میاں مولوی رشید احمد جو نعمت حق تعالیٰ نے مجھے دی تھی وہ آپ کو دیدی، آئندہ اس کا بڑھانا آپ کا کام ہے۔ حضرت فرمایا کرتے تھے اس وقت اس جملہ پر بڑا تعجب ہوتا تھا کہ کیا چیز مجھے عطا ہوئی ہے آخر پندرہ سال بعد معلوم ہوا وہ کیا چیز تھی۔

الغرض بیالیس روز قیام فرمایا اور دولت باطنی ونعمت روحانی سے مالا مال ہو کر تھانہ بھون سے روانہ ہوئے۔ اعلیٰ حضرت ایک بڑے مجمع کے ساتھ مشایعت کے لئے دور تک تشریف لے گئے، اور یہ طویل راستہ پیدل طے ہوا۔ اعلیٰ حضرت راستہ سے رخصت ہوتے وقت حضرت کا ہاتھ پکڑ کر تنہائی میں لے گئے، اور یہ فرمایا۔ اگر تم سے کوئی بیعت کی درخواست کرے تو اس کو بیعت کر لینا، اس پر حضرت نے فرمایا کہ مجھ سے کون درخواست کرے گا، اعلیٰ حضرت نے جواب دیا تمہیں کیا جو کہتا ہوں وہ کرنا، تھانہ بھون سے رخصت ہو کر گنگوہ پہنچے۔ گنگوہ پہونچ کر حضرت کا جو حال تھا اور جو جذبہ اور ذوق آپ پر سوار تھا اس کے متعلق

حضرت کے ماموں زاد بھائی مولانا ابوالنصر صاحب فرماتے ہیں کہ تھانہ بھون سے واپس ہوکر حضرت اقدس کا قیام میرے مکان پر تھا، نصف شب کو جب آپ اٹھتے اور سیدھے مسجد کی جانب رخ فرماتے تو پیچھے پیچھے میں لگا ہوا چلا آتا تھا، جس وقت حضرت مخدوم بالجہر ذکر شروع فرماتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ساری مسجد کانپ رہی ہے خود پر جو حالت گذرتی ہوگی اس کی تو کسی کو کیا خبر!

اجازت وخلافت مل جانے کے بعد گریہ وزاری میں بہت اضافہ ہوگیا تھا تمام تمام رات رونے میں گذر جاتی۔ والدہ ماجدہ نے ایک نیلے رنگ کی رضائی اس غرض سے تیار کرائی تھی کہ شب کے وقت اس کو اوڑھکر مسجد میں جایا کریں تا کہ سردی سے حفاظت ہوسکے۔ آپ رونے کی وجہ سے اور آنکھیں اس رضائی سے صاف کرنے کی بنا پر اس کا رنگ ہی بدل گیا تھا اور کچھ کا کچھ ہوگیا۔

مرشد کی جانب سے ایک امتحان اور اس میں کامیاب ہونا

تھانہ بھون کے دوران قیام میں اعلیٰ حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہ نے آپ کے صبر وتحمل اور ضبط کا امتحان لیا جس کے متعلق حضرت امام ربانی خود ہی فرماتے ہیں کہ تھانہ بھون میں مجھ کو رہتے ہوئے چند روز گذرے تو میری غیرت نے اعلیٰ حضرت پر کھانے کا بار ڈالنا گوارہ نہیں کیا۔ آخر میں نے یہ سوچ کر...... کہ دوسری جگہ انتظام کرنا دشوار بھی اور نا گوار بھی ہوگا۔ رخصت چاہی حضرت نے اجازت نہ دی اور فرمایا کہ ابھی چند روز ٹھہرو۔ میں خاموش ہوگیا قیام کا قصد تو کرلیا مگر اس کے ساتھ یہ فکر بھی ہوا کہ کھانے کا انتظام کسی دوسری جگہ کرنا چاہیے، تھوڑی دیر کے بعد جب اعلیٰ حضرت مکان پر تشریف لے جانے لگے تو میرے وسوسہ پر مطلع ہوکر فرمایا میاں رشید احمد کھانے کی فکر مت کرنا، ہمارے ساتھ کھائیو۔ دوپہر کو کھانا مکان سے آیا تو ایک پیالہ میں کوفتے تھے نہایت لذیذ، اور دوسرے پیالہ میں معمولی سالن تھا اعلیٰ حضرت نے مجھے دستر خوان پر بٹھایا مگر کوفتوں کا پیالہ مجھ سے دور رکھا۔

اتنے میں حضرت حافظ محمد ضامن صاحب تشریف لائے۔ کوفتوں کا پیالہ مجھ سے دور رکھا ہوا دیکھ کر اعلیٰ حضرت سے فرمایا بھائی صاحب! رشید احمد کو اتنی دور ہاتھ بڑھانے میں تکلیف ہوتی ہے اس پیالہ کو ادھر کیوں نہیں رکھ لیتے، اعلیٰ حضرت نے بے ساختہ جواب دیا اتنا بھی غنیمت ہے کہ اپنے ساتھ کھلا رہا ہوں، جی تو یوں چاہتا تھا کہ چوڑھوں، چماروں کی طرح الگ ہاتھ پر روٹی رکھ دیتا۔ اس فقرہ پر اعلیٰ حضرت نے میرے چہرے پر نظر ڈالی کہ کچھ تغیر تو نہیں آیا مگر الحمدللہ میرے قلب پر بھی اس کا کچھ اثر نہ تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ حقیقت میں جو کچھ حضرت فرما رہے ہیں بالکل سچ ہے۔ اس دربار سے روٹی ہی کا ملنا کیا تھوڑی نعمت ہے۔ جس طرح بھی ملے بندہ نوازی ہے اس کے بعد حضرت نے پھر کبھی میرا امتحان نہیں لیا۔ اس کے بعد فرمایا اسی لئے مجھے کچھ نہیں آیا۔

حضرت اقدس گنگوہی نور اللہ مرقدہ نے اپنے حالات و واردات پر مشتمل ایک عریضہ اپنے شیخ و مرشد اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کو (اس والا نامہ کے جواب میں جس میں اعلیٰ نے حضرت امام ربانی کے حالات دریافت کئے تھے) لکھا ہے اور مکاتب رشیدیہ میں طبع بھی ہو گیا ہے وہ یہاں نقل کیا جاتا ہے، حضرت امام ربانی تحریر فرماتے ہیں!

حضور نے جو بندہ نالائق کے حالات سے استفسار فرمایا ہے، میرے ماواء دارین اس ناکس کے کیا حالات اور کس درجہ کی کوئی خوبی ہے جو آفتاب کمالات کے روبرو عرض کروں۔ بخدا سخت شرمندہ ہوں کچھ نہیں مگر جو ارشاد حضرت ہے تو کیا کروں، بناچاری کچھ لکھنا پڑھتا ہے، حضرت مرشد من! علم ظاہری کا تو یہ حال ہے کہ آپ کی خدمت سے دور ہوئے غالباً عرصہ سات سال سے کچھ زیادہ ہوا ہے۔ اس سال تک دو سو سے چند عدد زیادہ آدمی سند حدیث حاصل کر کے گئے ہیں اور اکثر ان میں وہ ہیں کہ انہوں نے درس جاری کیا اور سنت کے احیاء میں سرگرم ہوئے اور اشاعت دین ان سے ہوئی اور اس شرف سے زیادہ کوئی شرف نہیں اگر قبول ہو جائے، اور حضرت کے اقدام نعلین کی حاضری کا یہ خلاصہ ہے کہ جزر قلب میں غیر حق سے نفع و ضرر کا التفات نہیں، واللہ بعض اوقات اپنے مشائخ کی طرف سے

علیحدگی ہو جاتی ہے لہٰذا کسی کے مدح وذم کی پرواہ نہیں رہی، اور ذام و مادح کو دور جانتا ہوں اور معصیت کی طبعاً نفرت اور اطاعت کی طبعاً رغبت پیدا ہو گئی ہے اور یہ اثر اسی نسبت یادداشت بیرنگ کا ہے جو مشکوٰۃ انوار حضرت سے پہنچا ہے۔ بس زیادہ عرض کرنا گستاخی اور شوخ چشمی ہے یا اللہ معاف فرمانا کہ حضرت کے ارشاد سے تحریر ہوا ہے جھوٹا ہوں کچھ نہیں ہوں، تیرا ہی ظل ہے تیرا ہی وجود ہے میں کیا ہوں کچھ نہیں ہوں، اور وہ جو میں ہے وہ تو ہے اور میں اور تو خود شرک ہے استغفر اللہ، استغفر اللہ، لاحول ولاقوۃ الا باللہ اب عرض سے معذور فرما کر قبول فرمائیں۔ والسلام ۱۳۰۶ھ

سفر حج:

ڈپٹی عبدالحق صاحب رامپوری نے اپنے سفر حج کے موقعہ پر حضرت امام ربانی سے درخواست کی کہ آپ بھی میرے ہمراہ چلیں حضرت نے نہایت خوشی کے ساتھ منظور فرما کر اس کو عطیہ غیبی سمجھا اور حق تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور انتظامات مکمل فرما کر ۱۲۸۰ھ کے اوائل میں روانہ ہو گئے اس میں حضرت کے علاوہ حکیم ضیاء الدین صاحب، حافظ وحید الدین صاحب، حاجی علاؤ الدین صاحب، حاجی محمد یوسف صاحب اور حضرت کے ماموں زاد بھائی مولانا عبدالنصر صاحب بھی تھے۔

مکہ معظّمہ میں اعلیٰ حضرت حاجی صاحب نے جو شفقت و محبت کا اظہار فرمایا وہ تحریر سے باہر ہے، جب تک آپ مکہ میں رہے اعلیٰ حضرت نے اپنے پاس ہی رکھا، عرفات کے سفر میں آپ کا اونٹ اعلیٰ حضرت کے اونٹ کے متصل تھا۔ منیٰ و مزدلفہ میں بھی ساتھ رہے۔

حضرت امام ربانی نے اپنے سفر حج کے دوران مکہ معظّمہ میں خواب دیکھا کہ اہل خدمت اولیاء کا ایک قافلہ چلا جا رہا ہے آپ ان کو دیکھ رہے ہیں۔ اور خواب ہی میں یہ دعا مانگ رہے ہیں کہ یا اللہ مجھے بھی ان کے ساتھ لاحق کر دے۔ یہ دعا مانگ کر میں ان کے پیچھے دوڑا اور ان میں جا ملا، صبح کو یہ خواب اعلیٰ حضرت سے بیان کیا تو مسکرا کر فرمایا پھر اب کیا چاہتے ہو لاحق تو ہو گئے۔

اس سفر میں حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ کو مکہ معظمہ قیام کے دوران خارش شروع ہوئی جو شروع میں خشک تھی پھر تر ہوگئی۔ اسی حالت میں آپ ہندوستان مراجعت کی نیت سے جہاز پر سوار ہوگئے۔ جہاز میں طبیعت بڑی خراب رہی بخار چڑھا اور اتنا شدید کہ سرسام ہوگیا۔ تین دن تک آپ بے ہوش رہے۔ اسہال کا ایسا سلسلہ چلا جو تھمنے کا نام نہیں لیتا تھا۔ اس طویل المدت بیماری میں آپ کے تیماردار اور آپ کی دیکھ بھال کرنے والے مولانا ابوالنصر صاحب تھے، جنہوں نے تنہا حضرت امام ربانی کی خدمت کر کے بیشمار و بے حساب اجر حاصل کیا۔ حضرت امام ربانی بسا اوقات فرمایا کرتے تھے ایسا حقیقی بھائی بھی نہیں کر سکتا۔ جیسا ابوالنصر نے میرے ساتھ کیا کہ مثل مادر مشفقہ اپنی گود میں لے کر پاخانہ پیشاب کراتے تھے، ساتویں دن بمبئی پہنچے، اس عرصہ میں مرض اپنی جڑیں اس مضبوطی کے ساتھ جما چکا تھا کہ باوجود پوری سعی وکوشش کے ذرا بھی افاقہ نہیں ہوا۔ متفرق لوگوں کے علاج ومعالجہ سے کچھ افاقہ کی صورت تو بنتی نظر آ رہی تھی مگر اطمینان کی کوئی صورت نہیں تھی۔ اسی درمیان میں آپ پر تشنج کے دورے شروع ہوگئے۔ جس نے نحیف جسم کو اور بھی لاغر کر دیا۔ سب سے آخر میں آپ کے معالج حکیم محمد اعظم خاں مؤلف اکسیر اعظم بنے۔ اس وقت حکیم صاحب اندور میں راجہ کے طبیب بنے ہوئے مقیم تھے۔ اور ایک ہزار روپیہ ماہانہ پر ملازم تھے، حکیم صاحب نے قیامگاہ پر پہونچکر اول سے آخر تک حضرت اقدس کو ملاحظہ فرمایا، نبض دیکھ کر نسخہ تجویز کیا اور دوسرے ہی دن سے افاقہ ہونا شروع ہوگیا اور مرض میں تخفیف ہونی شروع ہوگئی۔ حکیم صاحب بلا کسی مالی طمع کے روزانہ خود حضرت امام ربانی کی دیکھ بھال کے لئے مکان پر پیدل آیا کرتے تھے، رفتہ رفتہ طبیعت یہاں تک تندرست ہوئی کہ حضرت امام ربانی خود کروٹ لینے اور کبھی کبھی اٹھ کر بیٹھ جانے کے قابل ہوگئے۔ صحت کے اس مرحلہ پر پہنچ کر خود حکیم صاحب نے مشورہ دے دیا کہ اب الحمد اللہ اطمینان کے قابل حالت ہے۔ آپ وطن چلے جائیں چنانچہ مولانا ابوالنصر صاحب حضرت امام ربانی کو اپنے ہمراہ لے کر بخیر وعافیت ۱۲۸۲ھ میں گنگوہ پہنچ گئے، یہاں آنے پر اور عوارض بھی دور ہوگئے، اور آپ مکمل طور پر صحت

یاب ہو گئے۔

امام ربانی نے دوسرا سفر حج ۱۲۹۴ھ میں کیا یہ دورہ وہ تھا جب کہ ٹرکی اور روس میں باہم جنگ چھڑی ہوئی تھی، عوام میں یہ مشہور ہو گیا کہ دراصل حضرت سفر حج کا حیلہ کر کے ملک روم تشریف لے جا رہے ہیں، تا کہ حکومت ٹرکی کی طرف سے والنٹیر جماعت میں شرکت فرما کر جہاد کریں مگر لوگوں کا یہ خیال بالکل غلط تھا، حضرت کا مقصد صرف بیت اللہ کے لئے روانگی اور دیار رسول کی حاضری تھی چنانچہ آپ بارہ شوال کو سہارنپور سے روانہ ہوئے۔ علمائے وقت کے ایک جم غفیر کو آپ کے ہمراہ حج کی سعادت حاصل ہوئی، اس مبارک قافلہ میں مشاہیر علماء میں سے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی، حکیم ضیاء الدین صاحب، مولانا محمد مظہر صاحب مع اہلیہ، مولٰنا محمد یعقوب صاحب، مولانا رفیع الدین صاحب، مولانا محمود حسن صاحب، مولانا حکیم محمد حسن صاحب، مولوی حکیم محمد اسمٰعیل صاحب جیسے حضرات تھے۔

قافلہ کے تمام افراد سو کے قریب تھے، اس قافلہ کا یہ سفر بمبئی تک بذریعہ ریل ہوا کیونکہ اس سال ریلوے کا سلسلہ بمبئی تک پھیل چکا تھا جس کی صورت یہ تھی کہ سہارنپور سے چل کر غازی آباد ریل بدلی جاتی تھی اور پھر الہ آباد سے کلکتہ لائن چھوڑ کر جبل پور کو دوسری گاڑی میں بیٹھنا پڑھتا تھا اور جبل پور سے بمبئی تک ریلیں چلنی شروع ہو چکی تھیں۔،

راستہ میں اس مقدس مجمع کے ساتھ بہت سے امور خارق عادت پیش آئے اور بہتری کرامتوں کا صدور رہا۔ منجملہ ان کے ایک موقع کا تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے۔

مولوی عزیز الرحمٰن جو حضرت امام ربانی کے بھانجے ہیں ان کی روایۃ ہے کہ صبح کی نماز کا وقت تھا، صبح صادق ہو چکی تھی ایک اسٹیشن پر ریل ٹھہری۔ امام ربانی اترے وضو کیا اور دو سنتیں پڑھیں، فجر کی نماز باجماعت کا پختہ ارادہ دیکھ کر ریل میں جس قدر مسلمان موجود تھے وہ قریب قریب سب ہی اتر گئے۔ اور جلدی جلدی وضو کر کے نماز میں شریک ہو گئے۔ اس طرح سے ایک بہت بڑی جماعت پلیٹ فارم پر نماز پڑھنے میں مشغول ہو گئی۔ اتنے میں ریل نے چلنے کے لئے سیٹی دی آواز سنکر بہت سے نمازی اپنی اپنی نمازیں توڑ کر ریل میں

سوار ہو گئے۔ مگر حضرت امام ربانی اسی اطمینان وسکون کے ساتھ اپنی نماز میں مشغول رہے، فکر و تردد کا کوئی اثر لہجہ مبارکہ سے بھی محسوس نہ ہوتا تھا، یہ حضرت کی کھلی کرامت تھی کہ ریل مسلسل چیخ رہی تھی اور ایک قدم آگے نہیں بڑھ رہی تھی، یہاں تک کہ حضرت نماز سے فارغ ہوئے مختصر سی دعا کے بعد ریل میں سوار ہو گئے ادھر سوار ہونا اور ادھر ریل کا چلنا، اس موقعہ پر گاڑی پورے پندرہ منٹ ٹھہری رہی۔ اور پھر یہ تاخیر تیز رفتار گاڑی نے آگے چل کر پوری کی۔

بمبئی پہونچ کر یہ قافلہ بائیس دن تک وہیں ٹھہرا رہا اور جہاز کی آمد کا منتظر رہا۔ مگر جہاز نہ آیا۔ ایک دن حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب فرمانے لگے کہ آج معلوم ہوا ہے کہ سارے قافلہ کو روکنے والے مولوی محمد قاسم ہیں۔ ان کے چند رفقاء ضلع مظفر نگر سے آنے والے ہیں جب تک وہ لوگ یہاں نہ پہنچ جائیں گے اس وقت تک جہاز نہ آئے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جس دن مظفر نگر کا وہ قافلہ بمبئی پہنچا ہے اس دن کسی جرمنی جہاز کا ٹھیکہ حاجی قاسم نے لیا اور ٹکٹ فروخت کرنا شروع کر دیئے اور اگلے ہی دن جہاز بمبئی کی بندرگاہ سے روانہ ہو گیا اور ٹھیک آٹھویں دن عدن کی بندرگاہ پر پہنچا اور ایک دن رات وہاں ٹھہر کر جہاز روانہ ہوا اور چوتھے دن جدہ پہنچ گیا۔ چار دن جدہ میں قیام کرنے کے بعد غالباً بیس ذیقعدہ کو یہ سب حضرات خیر و عافیت کے ساتھ مکہ معظّمہ کے لئے روانہ ہوئے اور اگلے دن شب کے وقت مکہ معظّمہ پہنچے۔

اعلیٰ حضرت نور اللہ مرقدہ کو امام ربانی اور اس پورے قافلہ کی آمد کی اطلاع پہلے ہو چکی تھی اس لئے آپ جوش مسرت میں استقبال کے لئے باہر تشریف لائے اور جس وقت قافلہ باب مکہ پر پہنچا تو سب نے دیکھا کہ اعلیٰ حضرت پٹکے سے کمر باندھے فصیل کے پاس کھڑے تھے، امام ربانی اسی وقت سواری سے اتر پڑے اور بغل گیر ہوئے، اور تمام قافلہ کو اپنی رباط میں لاکر ٹھہرادیا اور صبح کو سارے مجمع کی دعوت کی، امام ربانی نے درخواست بھی کی کہ آدمی بہت ہیں مگر اعلیٰ حضرت نے یہ کہہ کر انکار فرمادیا کہ میری خوشی اسی میں ہے کہ سب احباب

یہیں کھائیں، حضرت امام ربانی مع قافلہ کے حج کے بعد مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوئے اور کم وبیش بیس دن وہاں (مدینہ منورہ) قیام کیا اور پھر وہاں سے روانہ ہو کر مکہ مکرمہ آ گئے اور ایک ماہ تک یہاں قیام رہا۔ جن لوگوں کے پاس خرچ کم رہ گیا تھا ان کا اصرار اور تقاضا جلد وطن پہونچنے کا تھا، چنانچہ چند رفقاء روانہ بھی ہو گئے۔ مگر حضرت امام ربانی اپنے مخصوص رفقاء کے ہمراہ ٹھہرے رہے ایک ماہ گزرنے پر بقیہ رفقاء پھر باہم مشورہ کرنے لگے کہ حضرت سے چلنے کی درخواست کریں مگر رعب کے باعث کسی کی ہمت نہ ہوتی تھی۔

آخر کار چند ضرورت مند اصحاب نے ہمت کر کے اعلیٰ حضرت سے عرض کر ہی دیا کہ آپ حضرت امام ربانی کو چلنے کا حکم فرما دیں۔ اور ہمیں معیت کی نعمت سے محروم نہ فرمادیں۔ اعلیٰ حضرت نے ان کی درخواست منظور فرما کر امام ربانی سے فرمادیا کہ مولانا! جی تو نہیں چاہتا کہ آپ سے علیحدگی ہو مگر ہمراہیان کے پاس خرچ کم ہے اور آپ کی ذات سے ہندوستان والوں کو جو نفع ہے وہ ظاہر ہے اس لئے مناسب یوں ہی معلوم ہوتا ہے کہ اب آپ ہندوستان واپس چلے جائیں۔

امتثال امر میں امام ربانی رخصت ہوئے جدہ پہنچکر جہاز روانگی کے لئے تیار ملا اس میں جگہ تنگ تھی مگر یہ فرما کر اس کے ٹکٹ لے لئے کہ جب مکہ چھوٹ گیا تو اب راحت کے خیال سے جدہ رہنا بیسود ہے۔ چنانچہ اسی دن شام کو جہاز سے روانہ ہو کر تیرھویں دن بخیر و عافیت بمبئی پہنچ گئے، اور بمبئی سے گنگوہ۔

۱۲۹۹ھ میں آپ نے تیسرے حج کی تیاری کی، اس سفر کا نظام دفعتہً بنا، پہلے سے کسی قسم کی تیاری نہ تھی۔ وقت اتنا تنگ ہو چکا تھا کہ حج میں شریک ہو جانے کی امید بہت سے لوگوں کو نہ تھی۔ چار ذیقعدہ کو آپ بمبئی کے لئے روانہ ہوئے، بمبئی پہونچکر دیکھا کہ تمام حجاج روانہ ہو چکے تھے صرف چند گنے چنے افراد نظر آئے جو اس امید پر وہاں پڑے ہوئے تھے کہ شاید حجاز پہنچنے کا کوئی راستہ نکل آئے رفقائے سفر نے منع کیا کہ جدہ کا ٹکٹ لینا اور عزم حجاز فضول ہے وقت بالکل کم ہے بالخصوص اس وجہ سے بھی کہ جدید قانون کے مطابق حجاج کو

قرنطینہ کے لئے دس یوم تک رکنا پڑے گا، مگر آپ نے ایک نہ سنی اور ٹکٹ لے کر جہاز میں بیٹھ گئے جہاز بمبئی سے چلا اور ٹھیک ساتویں دن عدن پہنچا۔ اور چند گھنٹے وہاں بندرگاہ پر ٹھہر کر سیدھا حجاز پاک کا رخ کیا، نویں دن جدہ پہنچا، اور جہاز کے لنگر ڈالتے ہی مسافر کشتیوں پر سوار ہو گئے اور خشکی پر اتر گئے کسی کو پتہ بھی نہ چلا کہ قانونی اعتبار سے قرنطینہ بھی بہت ضروری تھا۔ البتہ جہاز والوں پر حکومت کا عتاب ضرور ہوا کہ قرنطینہ کئیے بغیر کیوں آئے، اور روانگی میں سزاءً دوگنا قرنطینہ جہاز والوں سے کرایا گیا۔ مکہ معظمہ پہونچ کر اگلے دن ارکان حج شروع ہو گئے۔ اور نہایت اطمینان وراحت کے ساتھ حج کی سعادت سے نوازے گئے۔ اور تیسری مرتبہ مرشد العرب والعجم شیخ الکل اعلیٰ حضرت حاجی صاحب کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ یہ حج حضرت امام ربانی کا آخری حج تھا اس کے بعد پھر پوری یکسوئی کے ساتھ بالاستقلال تعلیم وتدریس اور تربیت وتزکیہ میں مشغول ہو گئے۔

وفات:

اس تعلیم ظاہری اور باطنی کا سلسلہ آخیر ۱۳۱۳ھ تک رہا اور ۱۳۱۴ھ کے شروع میں چونکہ نزول آب ہو گیا تھا اس لئے علوم ظاہریہ کے اشتغال کے اوقات بھی تصفیہ قلوب اور تزکیہ نفوس میں صرف ہونے لگے اور آٹھ جمادی الثانیہ ۱۳۲۳ھ جمعہ کے دن جمعہ کی اذان کے وقت اس عالم سفلی کو الوداع فرمایا۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے انعامات میں درجہ شہادت بھی عطا فرمانا تھا اس لئے ایک نہایت زہریلے سانپ کے ڈسنے سے جس نے تہجد کے وقت قدم بوسی کی تمنا میں پائے مبارک کی دو انگلیوں یعنی خنصر اور بنصر میں ناخن سے کچھ نیچے کو ڈسا، اور حضرت قدس سرہ کو نماز کے استغراق میں پتہ بھی نہیں چلا، جب صبح کی نماز کے لئے غایۃ اسفار میں مسجد تشریف لائے تو خدام نے دیکھا کہ پائے مبارک اور پائچہ سب خون آلود ہے تب حضرت کو خبر ہوئی، اس لئے جلدی سے آپ نے کپڑے بدلے اور نماز پڑھائی، اس کے کاٹنے کے متعلق حضرت نے جب بھی فرمایا یہی فرمایا کہ مجھے تو نہ کسی کے کاٹنے کا احساس نہ اس وقت ہوا اور نہ اب کوئی درد یا تکلیف ہے۔ جمادی الاول ۱۳۲۳ھ کی بارھویں یا تیرھویں

شب میں ڈسنے کا قصہ پیش آیا اور باختلاف روایۃً آٹھ یا نو جمادی الثانیہ مطابق ۱۱/اگست ۱۹۷۸ء کو اٹھتر سال سات ماہ تین یوم کی عمر کو پہونچ کر وصال ہوا اور بات لدیغا کا مرتبہ شہادت بھی حاصل ہوا اور حضرت اقدس مولانا محمود حسن صاحب شیخ الہند نور اللہ مرقدہ نے نماز جنازہ پڑھائی، بعض حضرات کو سحر کا بھی خیال تھا جیسا کہ اس سے پہلے بھی ہو چکا تھا اس لئے ہر نوع کے علاج معالجات بھی کیے گئے مگر ان اجل الله اذا جاء لايؤخر علی الله مراتبه ونور الله مرقده ورزقنا من اتباعه جرعته وما ذلك على الله بعزيز

حضرت نور اللہ مرقدہ کو چھ روز پہلے سے جمعے کا انتظار تھا، شنبہ کے روز دریافت کیا کہ آج کیا جمعہ کا دن ہے؟ خدام نے عرض کیا کہ حضرت آج تو شنبہ ہے اس کے بعد درمیان میں بھی کئی بار یومِ جمعہ کو دریافت کیا کہ جمعہ کے دن جس روز وصال ہوا صبح کے وقت دریافت کیا کہ کیا دن ہے اور جب معلوم ہوا کہ جمعہ ہیں تو فرمایا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

اعلیٰ حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہ کے وصال کی خبر آنے سے چند روز قبل آپ کے متوسلین میں کسی شخص نے خواب دیکھا تھا کہ اعلیٰ حضرت دیوبند تشریف لائے آپ کا چہرہ آفتاب جیسا روشن ہے اور فرما رہے ہیں کہ میرا تو انتقال ہو چکا میں مولوی رشید احمد کو لینے کے لیے آیا ہوں۔ بیس • ذوالحجہ تک لے جاؤں گا، اس خواب پر مخلصین کو پریشانی لاحق ہوئی اور خواب حضرت کی خدمت میں بیان کیا گیا۔ آپ نے تاویل اور تعبیر بیان فرما کر پریشانی کو دفع فرما دیا مگر بارہایوں بھی ارشاد فرمایا۔ اجی تاویل تاویل ہی ہے اتنے دنوں میں میں تو آدمی کتنی بار مرے، اور بعض مرتبہ نہایت بشاشت کے ساتھ یہ بھی کہا کہ جب حضرت لینے آئیں گے تو امید ہے کہ اچھی طرح لے جائیں گے۔

نواح صورت میں کسی گاؤں کی مسجد کے امام ایک شخص ہیں، سلیمان میاں ان کا نام ہے انھوں نے خواب دیکھا کہ ایک تخت پر دو بزرگ نہایت پاکیزہ صورت والے بیٹھے ہیں اور ایک شخص تخت کے نیچے کھڑا ہے، اس شخص سے سلیمان میاں نے دریافت کیا کہ یہ بڑے شخص کون ہیں اور اُن کے پاس تخت پر بیٹھے ہوئے دوسرے بزرگ کون ہیں؟ اس شخص نے

جواب دیا کہ بڑے تو فخرِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اور دوسرے شخص مولوی احمد بزرگ سابق مہتمم مدرسہ ڈابھیل کے پیر مولانا رشید احمد صاحبؒ ہیں، سلیمان میاں نے یہ خواب مولوی احمد صاحب سے بیان کیا، اُنہوں نے پوچھا کہ یہ خواب تم نے کب دیکھا تھا؟ اُنہوں نے سوچ کر بتلا دیا کہ جمادی الثانیہ کی آٹھ یا نو تاریخ کو دیکھا تھا، وہی تاریخ امام ربانی کے وصال کی تھی۔ علماء وقت اور اذکیائے اُمت کی ایک بڑی جماعت آپ کے دامن فیض سے وابستہ تھی۔ اس لئے آپ کے وصال کی بھی بہت سی تواریخ عربی، فارسی، اُردو میں کہی گئیں، اور صوری معنوی ہر قسم کے مادے نکالے گئے۔ ان میں سے چند یہ ہیں۔

وانه فی الاخرة لمن الصالحین از حضرت مولانا محمود حسن صاحب شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ

کنت حمید المت شهیدا از حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری

مولانا عاش حمیدامات شهیدا از حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہ

حی دخل الخلد از حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب نور اللہ مرقدہ اور اُردو کی چند تواریخ یہ ہیں

کیوں نہ روئیں سالکانِ جادہ قرب الٰہ ہائے راہِ حق کا سچا رہنما جاتا رہا
بولا ہاتف کہ ہائے آنکھوں سے آج دیکھا بجھا چراغِ دین

متفرق واقعات:

(۱) ایک مرتبہ ایک شخص بغرض بیعت حاضر ہوئے، حضرت نے ان سے دریافت فرمایا کہ بھائی یہ بتلا دو کہ تم توبہ کرو گے یا فقیر بنو گے، انہوں نے کہا کہ میں توبہ نہیں کرتا فقیر بنوں گا فرمایا اگر توبہ کرو تو میں کرا دوں، فقیر تو میں خود بھی نہیں ہوں تمہیں کیسے بنا دوں۔ اس پر وہ شخص بولا کہ پھر تو میں کسی اور ہی کے پاس چلا جاؤں گا۔

(۲) ایک مرتبہ حضرت امام ربانی کے استاذ زادہ مولانا محمد یعقوب صاحب ابن مملوک العلی صاحب گنگوہ تشریف لے گئے، عصر کی جماعت تیار تھی حضرت اقدس گنگوہی نے فرمایا کہ حضرت نماز پڑھائیے، چنانچہ مولانا مصلے پر جانے لگے چونکہ پیدل چل کر تشریف لائے

تھے اس لئے پیروں پر گرد جمی ہوئی تھی جب حضرت گنگوہی قریب پہنچے تو حضرت خود اپنے رومال سے ان کے پیروں کی گرد جھاڑنے لگے، مولانا خاموش کھڑے رہے اور بے تکلف پیر صاف کراتے رہے، اسی طرح ایک مرتبہ حضرت گنگوہی کھانا نوش فرما رہے تھے۔ اتنے میں مولانا محمد یعقوب صاحب تشریف لے آئے تو حضرت اپنے ہاتھ میں ٹکرا دے کر گھر میں سے اور کھانا لینے کے واسطے تشریف لے گئے اور مولانا نے وہ ٹکرا کھانا شروع کر دیا۔

(۳) حضرت امام ربانی نور اللہ مرقدہ کو ایک صاحب سے تکلیف پہنچی۔ اس پر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے اس احتمال سے کہ کہیں حضرت بددعا نہ کردیں، حضرت سے عرض کیا کہ حضرت بددعا نہ کیجئے اس پر حضرت گھبرا گئے اور فرمایا توبہ توبہ مسلمان کے لئے کہیں بددعا بھی کیا کرتے ہیں، استغفر اللہ

(۴) فرمایا کہ اگر ایک مجلس میں تمام اولیاء اللہ جمع ہوں اور ان میں حضرت جنید بغدادی بھی ہوں اور ہمارے حضرت حاجی صاحب بھی ہوں تو حضرت حاجی صاحب کے سامنے حضرت جنید یا کسی اور کی طرف التفات بھی نہ کریں حضرت حاجی صاحب ہی کے پاس پہنچیں۔ ہاں حضرت حاجی صاحب کو چاہیئے کہ وہ ادھر التفات کریں۔ کیونکہ وہ ان کے پیر ہیں۔ ہمیں تو اپنے حضرت حاجی صاحب ہی سے مطلب ہے۔

(۵) انبہٹہ میں ایک صاحب تھے جن کا نام منشی تجمل حسین صاحب تھا اعلیحضرت حاجی امداد اللہ صاحب سے بیعت تھے ان کی عادت تھی کہ درویشوں سے بہت ملتے تھے ادھر ادھر مارے پھرتے تھے ان کی بیوی نے ایک دفعہ حضرت اقدس سے اس کی شکایت کی۔ حضرت نے ان سے دریافت فرمایا کہ کیوں ادھر ادھر پھرتے ہو، عرض کیا کہ اس میں شک نہیں کہ ہمارے حضرت کے برابر کوئی کامل نہیں۔ اللہ کے فضل سے سب کچھ موجود ہے لیکن میرا خیال چاہتا ہے کہ میرا قلب جاری ہو جائے۔ اس کی فکر میں ادھر ادھر پھرتا ہوں، حضرت نے فرمایا کہ میاں اس میں کیا رکھا ہے، عرض کیا کہ یہ میں خوب جانتا ہوں کہ اس میں واقعی کچھ نہیں رکھا لیکن اس کو میں کیا کروں کہ جی چاہتا ہے، حضرت نے فرمایا اچھا جاؤ مسجد میں جا بیٹھو وہ

مسجد میں جا بیٹھے، ادھر حضرت وضو کر کے کھڑاؤں پہن کر مسجد کی طرف چلے، کھڑاؤں کی کھٹ کھٹ سنی تھی کہ ادھر ان کا دل جاری ہو گیا۔ دوڑ کر حضرت کے قدم پکڑ لیے کہ میں جو چاہتا تھا وہ حاصل ہو گیا اب میں کسی سے نہیں ملوں گا۔ چنانچہ پھر ادھر ادھر پھیرنا بند کر دیا۔

(۶) قاضی اسمٰعیل صاحب منگلوریؒ نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ حضرت کبھی کبھی طالبین کو توجہ بھی دیدیا کیجئے۔ فرمایا میں جو جوگیوں کا سا عمل کیوں کروں؟ اس پر انہیں تعجب ہوا کہ مشائخ کے معمول کو جوگیوں کا عمل فرمادیا۔ پھر دیوبند میں جب بڑا جلسہ ہوا۔ اس میں حضرت کا وعظ ہوا یہ قاضی صاحب بھی اس میں شریک تھے، وہاں حضرت کے وعظ کے مضمون پر ایسا اثر ہوا کہ لوگوں پر گریہ وبکا کی حالت طاری تھی اور بے اختیار تڑپ رہے تھے اور لوٹ رہے تھے، اس وقت بعض اہل باطن کو جو اس وعظ میں شریک تھے یہ محسوس ہوا کہ حضرت مجمع کی طرف اس غرض سے متوجہ ہیں کہ ان کو سکون ہو، جب وعظ ختم ہوا تو قاضی اسمٰعیل صاحب حضرت کے پاس پہنچے اور کہا کہ ہاں مولوی صاحب ! بس کبھی کبھی یوں کر دیا کرو۔ حضرت نے اس کے جواب میں فرمایا کہ میں نے کیا کیا، میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔

(۷) ایک بے تکلف دیہاتی نے حضرت سے بمقام آبھ جب کہ خدام بدن دبا رہے تھے، سوال کیا کہ مولوی جی تم تو بہت ہی دل میں خوش ہوتے ہو گے کہ لوگ خوب خدمت کر رہے ہیں۔ فرمایا بھائی ! جی تو خوش ہوتا ہے کیونکہ راحت ملتی ہے۔ لیکن الحمدللہ بڑائی دل میں نہیں آتی۔ یہ دل میں نہیں آتا کہ میں بڑا ہوں اور جو خدمت کر رہے ہیں وہ مجھ سے چھوٹے ہیں۔ یہ سن کر وہ گاؤں والا کیسا صحیح نتیجہ نکالتا ہے۔ بولا کہ اجی اگر یہ دل میں نہیں آتا تو بس پھر خدمت لینے میں کچھ ہرج نہیں۔

(۸) سفر حج میں ایک مرتبہ امام ربانی ململ کا باریک کرتہ پہنے ہوئے طواف میں مشغول تھے۔ مطاف میں ایک نابینا بزرگ بیٹھے ہوئے تھے۔ جس وقت شوط میں آپ کا گذران بزرگ پر ہوا تو انہوں نے ایک کلمہ (خشن خشن) کہا جس کی طرف حضرت امام ربانی کو محویت واستغراق کی وجہ سے خیال بھی نہ ہوا۔ دوسرے شوط میں جب دوبارہ انہوں نے وہی

کلمہ کہا تو آپ نے غور سے سنا، اور سمجھا کہ مخاطب میں ہی ہوں، جب آپ نے ان کی طرف دیکھا تو وہ بزرگ فرمانے لگے کہ صالحین کا لباس پہنا کیجئے۔ آپ نے اپنے ململ کے کرتہ کی جانب اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ بھی صالحین ہی کا لباس ہے ان بزرگ نے فرمایا نہیں نہیں موٹا دبیز، امام ربانی یہ فرما کر کہ بہت اچھا خدا آپ کو برکت دے اپنے طواف میں مشغول ہو گئے اور شوط پورا فرمایا۔

(۹) ایک مرتبہ آپ کو نانوتہ یا رامپور تشریف لے جانے کا اتفاق ہوا، سردی کا موسم تھا، صبح کے وقت گاڑھے کی میلی دوہر اوڑھے ہوئے بیٹھے تھے، آپ کے دائیں اور بائیں جانب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب اور جناب حکیم ضیاء الدین صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک صاحب آئے اور دائیں بائیں دونوں حضرات سے مصافحہ کیا مگر حضرت امام ربانی کو عام آدمی سمجھ کر باوجود بیچ میں بیٹھے ہوئے ہونے کے چھوڑ دیا۔ آپ کے استاذ زادے حضرت مولانا یعقوب صاحب چونکہ آپ سے بہت بیتکلف تھے اس لئے مسکرائے، حضرت امام ربانی نے مطلب سمجھ لیا اور ارشاد فرمایا الحمد للہ مجھے اس کی تمنا نہیں ہے کہ لوگ مصافحہ کیا کریں۔

(۱۰) ایک مرتبہ اشراق کی نماز سے فارغ ہو کر آپ باہر تشریف لائے اور معمول کے خلاف چادر سے منہ ڈھانپ کر لیٹ رہے، ایک دن پہلے کرنال سے ایک برات گنگوہ میں آئی تھی جس میں رقاصہ بھی ساتھ تھی، اس برات میں آنے والے چند آدمی حضرت امام ربانی کے واقف کار تھے جو صبح کو سلام کے لئے حاضر آستانہ ہوئے، دیکھا تو حضرت چادر سے منہ ڈھانپے ہوئے لیٹے ہیں۔ دیر تک یہ لوگ بیٹھے رہے مگر آپ نے منہ نہ کھولا۔ آخر ایک صاحب بولے کہ حضرت ہم تو زیارت کے لئے حاضر ہوئے تھے، آپ نے منہ ڈھانپے ہوئے رنج اور غصہ کے ساتھ جواب دیا کہ میری زیارت میں کیا دھرا ہے؟ آخر اس مجمع کے ایک سفید ریش شخص نے سمجھا کہ رقاصہ کا ساتھ لانا اس محرومیت کا سبب ہے۔ پس معذرت کے طور پر عرض کیا کہ حضرت ہم تو رنڈی کو ساتھ لائے نہیں، بیٹی والوں کی حرکت ہے۔ آپ

نے بیساختہ ارشاد فرمایا کہ میاں بیٹی والے کسی کے خدا تو ہیں نہیں کہ ان کا کہنا مانا ہی جاوے، اس جواب کا حاضرین پر اس درجہ اثر ہوا کہ بہتیرے دل بھر آئے، آخر جب لوگ چلے گئے تو آپ نے چادر منہ سے ہٹائی اور اٹھ بیٹھے۔

(۱۱) آپ کے جد امجد حضرت شاہ عبدالقدوس کا عرس جس کے بند کرنے پر آپ قادر نہ تھے اس درجہ آپ کو اذیت پہنچاتا تھا کہ آپ کو صبر کرنا دشوار تھا اور آپ کے لئے زبردست مجاہدہ تھا۔ اول اول آپ ان دنوں میں گنگوہ چھوڑ دیتے اور رامپور تشریف لے جاتے۔ مگر آخر میں اس ایذاء قلبی کے برداشت کی آپ کو تکلیف دی گئی تو یہ زمانہ بھی آپ کو اپنی خانقاہ میں رہ کر گذارنا پڑتا۔ اس موسم میں آپ کو اپنے منتسبین کا آنا بھی اس درجہ ناگوار ہوتا تھا کہ آپ اکثر ناراض ہوجاتے اور ترک تکلم فرمادیتے تھے۔ ایک بار جناب مولانا مولوی محمد صالح صاحب جالندھری (جو حضرت امام ربانی کے خلفاء و مجازین میں سے ہیں) آپ کی زیارت کے شوق میں بیتاب ہوکر گھر سے نکل کھڑے ہوئے، اتفاق سے عرس کا زمانہ تھا۔ اگرچہ آنے والے خادم کو اس کا وہم بھی نہ گذرا، مگر حضرت امام ربانی قدس سرہ اپنے شیدائے سنت دل کے ہاتھوں مجبور تھے آپ سے یہ نہ ہوسکا کہ ان کی مزاج پرسی کریں یا محبت و مدارت سے پیش آئیں۔ آپ نے بجز سلام کا جواب دینے کے ان سے یہ بھی نہ پوچھا کہ روٹی کھائی یا نہیں، اور کب آئے یا کیوں آئے۔

مولوی محمد صالح کو دو دن اسی طرح گذر گئے، حضرت کا رخ پھرا ہوا دیکھا جس درجہ ان کا شاق گذر رہا تھا اس کو انہی کے دل سے پوچھنا چاہیئے۔ ہرچند اس کی وجہ سوچتے مگر کچھ سمجھ میں نہیں آتی تھی، حاضر خدمت ہوتے اور خاموش بیٹھ کر رنجیدہ اور محزون واپس آجاتے۔ آخر اس حالت کی تاب نہ لاکر حاضر خدمت ہوئے اور رو رو کر عرض کیا کہ حضرت مجھ سے کیا قصور ہوا جس کی یہ سزا مل رہی ہے۔ میں تو اس کا متحمل نہیں ہوسکتا، اللہ واسطے معاف فرمائیں، اس وقت حضرت نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دیا اور فرمایا کہ میرا قصور نہیں جس کو میں معاف کردوں خدا کی خطا ہے اس سے معافی چاہو، اس وقت میں سمجھا کہ عرس کے ایام

میں میرا گنگوہ آنا آپ کو ناگوار گذرا، چنانچہ معذرت کے طور پر عرض کیا کہ حضرت خدا شاہد ہے مجھے تو عرس وغیرہ کے ساتھ ابتداء ہی سے شوق نہیں۔ واللہ نہ میں اس وقت اس خیال سے گنگوہ آیا اور نہ آج کل یہاں عرس ہونے کا مجھے علم تھا۔

حضرت امام ربانی نے فرمایا اگر چہ تمہاری نیت عرس میں شرکت کی نہیں تھی مگر جس راستے میں دو آدمی عرس کے آنے والے آرہے تھے اسی میں تیسرے تم تھے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من کثر سواد ہم فہو منہم

(۱۲) ایک مرتبہ دیو بند کے جلسہ دستار بندی میں آپ تشریف لے گئے تو غالباً عصر کی نماز میں ایک دن ایسا اتفاق پیش آیا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب نماز پڑھانے کے لئے مصلے پر جا کر کھڑے ہوئے۔ مخلوق کے اژدہام اور مصافحہ کی کثرت کے باعث جلدی کرنے کے باوجود جس وقت آپ جماعت میں شریک ہوئے تو قرات شروع ہوگئی تھی۔ سلام پھیرنے کے بعد دیکھا گیا کہ آپ اداس تھے اور چہرہ پر اضمحلال برس رہا تھا اور آپ رنج کے ساتھ یہ الفاظ فرما رہے تھے کہ افسوس بائیس سال کے بعد آج تکبیر اولی فوت ہوگئی۔

(۱۳) ایک مرتبہ حضرت اقدس مدنی نور اللہ مرقدہ نے ایک گھڑا (بروایۃ مولانا الحاج مفتی محمود الحسن صاحب از حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی نور اللہ مرقدہ یہ غسالہ موئے مبارک کی ایک شیشی تھی جس کو گھڑے میں ڈلوایا گیا تھا۔) بھر کر غسالہ شریفہ کا بھیجا جس وقت اہتمام کے ساتھ وہ گنگوہ پہنچا آپ نے فوراً اس کو کھلوایا اور سبیل لگادی اس دن جو بھی آیا سلام کے جواب کے بعد آپ کا یہ ارشاد ہوتا، میاں مولوی یحیٰی ان کو بھی پانی پلاؤ، حضرت مولانا عاشق الہیٰ صاحب میرٹھی اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ بندہ بھی خوش نصیبی سے اس دن پہنچا اور تبرک سے فیضیاب ہوا میں دیکھ رہا تھا کہ نو وارد مہمان آتے تھے اور آپ کے فرمان کے مطابق پانی پیتے جاتے تھے۔

(۱۴) ایک مرتبہ ایک نابینا شخص آپ کی خانقاہ میں آیا اور اپنے اخلاص واشتیاق زیارت کا بہت ہی مبالغہ کے ساتھ اظہار کیا اور کہا کہ پا پیادہ میرٹھ سے روانہ ہو کر گنگوہ پہنچا ہوں

صرف اس لئے کہ اللہ کا نام سیکھوں، یہاں تک کہ اہلِ خانقاہ کے عاشقانہ شوق سے متاثر ہوئے اور حسب وسعت خاطر و مدارات کی، جب اذان ہوئی اور حضرت مسجد میں تشریف لائے تو اس شخص نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائے حضرت نے ہاتھ جھٹک دیئے اور بہت بے پروائی کے ساتھ اپنے سے علیحدہ کر دیا، ہر چند کہ اس نے اپنی طلب کا سچا ہونا اور مدت دراز سے زیارت کا متمنی و آرزومند ہونا ظاہر کیا، مگر حضرت نے اتنی بھی توجہ نہیں فرمائی جتنی کسی فارغ الذہن اجنبی آنے والے کی جانب ہوتی تھی جنہوں نے اس نووارد کو اس کی لسانی اور گریہ تصنع کے سبب حضرت کا عاشق زار سمجھا تھا ان کو تعجب بھی ہوا مگر کس کو ہمت تھی کہ لب ہلائے ،بعض مخلصین نے سفارش بھی کی کہ حضرت نابینا مایوسی کے سبب بہت پریشان ہے۔

مگر حضرت کو سفارش بھی ناگوار گذری اور غصہ کے ساتھ فرمایا کہ جب تمہیں دخل نہیں تو اس کام میں بولا کیوں کرتے ہو، اس کے قلب کو تو دیکھو دنیا بھری پڑی ہے۔ پھر کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ کچھ عرض کرتا۔ آخر کار وہ نابینا چلا گیا، دس بارہ روز ہی گذرے تھے کہ عرس کا زمانہ آ گیا،۔ دیکھا تو اس میں نابینا موجود تھے، اور قوالی میں خوب خوب حال لاتے تھے۔ صوفی کرم حسین صاحب جو ابتدائی قصہ دیکھ چکے اور متعجب ہوئے تھے یہ حالت دیکھ کر دم بخود رہ گئے اور موقع پاکر نابینا سے کہنے لگے، میاں حضرت کے ساتھ وہ شوق و ولولہ کہاں گیا؟ بیچارے تھے راست گو کہنے لگے بھیا یہ تو یاروں کے دھندے ہیں، خیال تھا کہ تمہارے میاں صاحب پر سکہ جم جائے گا تو اس آؤ بھگت کے ساتھ چند روز گذر جائیں گے، پھر عرس کا وقت آئے گا اور یہاں حال و قال میں بھرم بندھے گا، باقی کیسا شوق اور کیسی تمنائے زیارت، ہم تو سیاح آدمی ہیں یوں ہی گذارتے پھرتے ہیں۔

فرمودات وارشادات:

(۱) فرمایا کہ نسبت قربِ الٰہی کا نام ہے۔ اس کو کوئی سلب نہیں کرسکتا۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک چیز حق تعالیٰ بندہ کو عطا فرمائیں تو دوسرا کون ہے جو اس کو سلب کرے۔

(۲) حضرت امام ربانی کے یہاں لوگ آ کر اپنے حالات بیان کرتے تھے اور ساتھ ہی ساتھ دوسروں کی شکایات بھی کر دیا کرتے تھے، حضرت نہایت سکون کے ساتھ سب کو سنتے، ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت سے لوگ اپنی شکایات بیان کرتے ہیں اور آپ دونوں فریق کی سن لیتے ہیں، حضرت پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا؟ فرمایا میں یہ سمجھ لیتا ہوں کہ ان دونوں میں رنجش ہے، اس لئے جب تک دوسرے کی نہ سن لوں کیسے یقین کرلوں۔

(۳) اوائل عمر میں حضرت امام ربانی نے طریقت کی ماہیت کے متعلق ایک مضمون تحریر فرمایا تھا جس کو یہاں نقل کیا جاتا ہے، فرمایا: صوفیہ کا علم نام ہے ظاہر و باطن علم دین اور قوت یقین کا اور یہی اعلیٰ علم ہے، صوفیہ کی حالت اخلاق کا سنوارنا اور ہمیشہ خدا کی طرف لو لگائے رکھنا ہے۔ تصوف کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے مزین ہونا اور اپنے ارادہ کا چھن جانا اور بندہ کا اللہ تعالیٰ کی رضا میں بالکلیہ مصروف ہو جانا ہے۔ صوفیہ کے اخلاق وہی ہیں جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلق ہے حسب فرمان خداوند تعالیٰ کہ بے شک تم بڑے خلق پر پیدا کئے گئے ہو اور نیز جو کچھ حدیث میں آیا ہے اس پر عمل اخلاق صوفیہ میں داخل ہے۔ صوفیہ کے اخلاق کی تفصیل اس طرح ہے۔

اپنے آپ کو کمتر سمجھنا، اور اس کی ضد ہے تکبر۔ مخلوق کے ساتھ تلطف کا برتاؤ کرنا اور خلقت کی ایذاؤں کو برداشت کرنا۔ نرمی اور خوش خلقی کا معاملہ کرنا اور غیظ و غضب کا چھوڑ دینا، ہمدردی اور دوسروں کو ترجیح دینا خلق پر فرط شفقت کے ساتھ جس کا یہ مطلب ہے کہ مخلوق کے حقوق کو اپنی حظ نفسانی پر مقدم رکھا جائے۔ سخاوت کرنا، درگزر اور خطا کا معاف کرنا۔ خندہ روئی اور بشاشت جسم۔ سہولت اور نرم پہلو رکھنا۔ تصنع اور تکلف چھوڑ دینا، خرچ کرنا بلا تنگی اور بغیر اتنی فراخی کے کہ احتیاج لاحق ہو،۔ خدا پر بھروسہ رکھنا،۔ تھوڑی سی دنیا پر قناعت کرنا، ۔ پرہیز گاری اختیار کرنا، ۔ جنگ و جدل اور عتاب نہ کرنا مگر حق کے ساتھ، ۔ بغض و کینہ و حسد نہ رکھنا، ۔ عزت و جاہ کا خواہشمند نہ ہونا، ۔ وعدہ پورا کرنا، ۔ بردباری،

۔دور اندیشی، ۔بھائیوں کے ساتھ موافقت ومحبت رکھنا۔اور اغیار سے علحیدہ رہنا، محسن کی شکر گذاری اور جاہ کا مسلمانوں کے لئے خرچ کرنا،صوفی اخلاق میں اپنا ظاہر و باطن مہذب بنالیتا ہے اور تصوف سارا ادب ہی کا نام ہے، بارگاہ احدیت کا ادب یہ ہے کہ ماسوی اللہ سے منہ پھیر لیا جائے،شرم کے مارے حق تعالٰی کے اجلال و ہیبت کے سبب، بدترین معصیت تحدیث نفس یعنی نفس سے باتیں کرنا اور ظلمت کا سبب ہے۔

(۴) مولانا ولایت حسین صاحب نے ایک بار دریافت کیا کہ یہ جو مشہور ہے کہ شیطان پیر کی صورت نہیں بنا سکتا کیا یہ صحیح ہے؟ فرمایا ہاں اگر مرید کو توحید مطلب حاصل ہو اور اس کے معنی یہ ہیں کہ مرید کا اعتقاد پیر کے ساتھ اس قدر راسخ ہو کہ دنیا کے اندر اس کے سوا کسی کو ذریعہ ہدایت نہ سمجھتا ہو۔

(۵) فرمایا جو لوگ علمائے دین کی توہین اور ان طعن و تشنیع کرتے ہیں، قبر کے اندر ان کا منہ قبلہ سے پھر جاتا ہے، اور فرمایا جس کا جی چاہے دیکھ لے غیر مقلدین چونکہ ائمہ دین کو برا کہتے ہیں اس لئے ان کے پیچھے بھی نماز پڑھنی مکروہ ہے۔

(۶) ایک دن مولانا محمد حسن صاحب مراد آبادی نے دریافت کیا کہ حضرت کیا ذکر ولادت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلا رعایت مروجہ کتاب میں دیکھ کر بیان کر دینا جائز ہے؟ حضرت نے فرمایا ہاں کیا حرج ہے۔اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ پیرزادے سلطان جہاں نے کہلا بھیجا کہ وہ مولود جو جائز ہے پڑھ کر دکھلا دیجئے میں نے کہلا بھیجا کہ یہاں مسجد میں چلے آؤ مگر انہوں نے عذر کر دیا کہ عورتیں بھی سننے کی مشتاق ہیں اس لئے مکان میں ہو تو مناسب ہے۔میں نے (حضرت اقدس مولانا) خلیل احمد (سہارنپوری نور اللہ مرقدہ) کو تاریخ الہ مصنفہ مفتی عنایت احمد صاحب مرحوم دے کر کہا کہ تم ہی جا کر پڑھ دو وہ گئے تو وہاں دری بچھی ہوئی تھی، صاحب مکان نے کہا اگر یہ بھی ممنوع ہو تو اس کو بھی اٹھا دوں مولوی صاحب نے کہا نہیں، آخر مولود شروع ہوا پہلے آیہ کریمہ لقد جاءکم رسول الخ کا بیان فرمایا اور حضرت شیخ عبد القدوسؒ کے اقوال و افعال بیان کئے پھر بدعات مروجہ کا بیان فرمایا، اور

متصوفین زمانہ کی خوب قلعی کھولی اس کے بعد تاریخ حبیب اللہ سے واقعات ولادت وغیرہ بیان کر کے ختم کر دیا جن لوگوں کے حق میں مولوی صاحب کی تقریر لاحول کا کام دے رہی تھی وہ تو صاحب مکان سے بہت ناراض ہوئے کہ تم نے اپنے مکان پر بلا کر ہمیں رسوا کر دیا مگر فی الحقیقۃ اس مولود سے بہت نفع ہوا، بہت سے لوگوں کے دلوں میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ منکرین مولود سرے سے مولود ہی کے منکر ہیں، چنانچہ بہت سے لوگوں کے دلوں سے یہ بات نکل گئی۔

(۷) فرمایا حق تعالیٰ جس کے دل سے کبر نکالدے تو سب کچھ ہے۔

خلفاء ومجازین

حضرت امام ربانی نوراللہ مرقدہ واعلی اللہ مراتبہ کے فیض تربیت نے جن لوگوں کو اقصائے مراتب پر پہنچایا وہ یہ حضرات ہیں۔

(۱) حضرت اقدس مولانا الحاج خلیل احمد مدنی

(۲) شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی

(۳) حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری

(۴) حضرت مولانا صدیق احمد انبہٹوی

(۵) حضرت اقدس شیخ الاسلام مولانا الحاج سید حسین احمد مدنی

(۶) حضرت مولانا الحاج محمد روشن خاں صاحب مرادآبادی

(۷) حضرت مولانا الحاج محمد صدیق صاحب مہاجر مدنی، الہ آبادی

(۸) مولانا الحاج حکیم محمد اسحٰق صاحب نہٹوری۔ نوراللہ مراقدہم

ان کے علاوہ تقریباً بائیس، تئیس کے قریب حضرات اور بھی ہیں جو بارگاہ رشیدی کے تربیت یافتہ اور اس دربار گوہر بار سے اجازت یافتہ ہیں، جن کے اسماء تذکرۃ الرشید میں مذکور ہیں۔

(۴۰)......شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نَوَّرَ اللّٰہُ مرقدہ ' کا آبائی وطن موضع اللہ داد پور تحصیل ٹانڈہ ضلع فیض آباد ہے، آپ کے والد محترم سید حبیب اللہ صاحب رحمہ اللہ بسلسلہ ملازمت ضلع اُناؤ کے ایک قصبے بانگرمئو میں مقیم تھے، یہیں ۱۹ شوال المکرم ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۹ء پیر اور منگل کی درمیانی شب میں حضرت مدنی رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی، تاریخی نام ''چراغ محمد'' رکھا گیا جس سے تاریخ پیدائش نکلتی ہے۔

بچپن ہی میں والد محترم کے ساتھ آبائی وطن اللہ داد پور چلے آئے، ابتدائی تعلیم و تربیت گھر میں حاصل کی، اس کے بعد مڈل سکول میں داخل ہوئے، آپ کی عمر مبارک ۱۲ برس کی ہوئی تو آپ کو اوائل صفر ۱۳۰۹ھ میں حصولِ تعلیم کے لیے دیوبند بھیج دیا گیا، جہاں آپ کے دو بڑے بھائی مولانا سید صدیق احمد صاحب رحمہ اللہ اور مولانا سید احمد صاحب رحمہ اللہ پہلے سے زیر تعلیم تھے، یہاں آپ کی تعلیم علماء صلحاء اور اولیاء اللہ کے مجمع میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ کے مبارک ہاتھوں شروع ہوئی۔ آپ اوائل ۱۳۰۹ھ سے شعبان ۱۳۱۵ء تک دارالعلوم میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے خاص شفقت وعنایت سے آپ کی تعلیم و تربیت فرمائی، بہت سی متوسط اور اعلیٰ درجہ کی کتابیں بہ نفسِ نفیس خود پڑھائیں، ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۸ء میں دارالعلوم کے نصاب کی تکمیل کی۔

سات سال یہاں کے علمی ماحول میں گزارنے کے بعد جب وطنِ مالوف تشریف لے گئے تو والد ماجد شوقِ ہجرت میں مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رختِ سفر باندھ چکے تھے، آپ بھی والدین کے ہمراہ روانہ ہو گئے۔ روانگی حجاز سے قبل آپ حضرت شیخ الہند کے حکم پر حضرت گنگوہی سے بیعت ہو گئے تھے، مکہ مکرمہ میں پیر و مرشد کی ہدایت کے بموجب کچھ عرصہ تک سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب سے کسب فیض کیا، بعد از اں والد

ماجد کے ساتھ مدینہ منورہ میں مقیم ہو گئے، ہر چند آپ نے ہندوستان سے ہجرت کا قصد نہیں فرمایا تھا تاہم والد صاحب کی حیات تک ہندوستان واپس آنا پسند نہیں کیا۔

قیام مدینہ منورہ کے زمانہ میں تقریباً اٹھارہ برس (۱۳۱۷ھ/ ۱۸۹۹ء تا ۱۳۳۵ھ/ ۱۹۱۷ء) درس حدیث کی خدمت تنگی اور عسرت کے باوجود توکلاً علی اللہ انجام دی، عموماً روزانہ ۱۲، ۱۲ گھنٹے تک درس وتدریس کا مشغلہ جاری رہتا تھا۔ مختلف جماعتیں یکے بعد دیگرے حاضر ہو کر آپ کے فیضانِ علمی سے سیراب ہوتی تھیں۔ مسجد نبوی میں آپ کا درسِ حدیث وہاں کے تمام شیوخ حدیث سے زیادہ پسندیدہ اور مقبول تھا اور اس کی شہرت نے مختلف اسلامی ممالک کے طالبانِ علم کی ایک بڑی تعداد کو آپ کے گرد جمع کر دیا تھا۔

۱۳۳۵ھ/ ۱۹۱۷ء میں حضرت شیخ الہند حجاز تشریف لے گئے حج بیت اللہ کے علاوہ آپ کا مقصد استخلاصِ وطن کے لیے ترکی عمائدین سے اُس کی حمایت اور تعاون بھی تھا، آپ اس میں کامیاب ہو چکے تھے، سوءِ اتفاق کہ انہی دنوں شریف حسین ترکوں سے بغاوت کر کے انگریزوں سے مل گیا اُس نے اپنے نمائندوں کے ذریعہ حضرت شیخ الہند سے ایک اعلان پر دستخط کا مطالبہ کیا۔ اعلان میں درج تھا کہ ''ترکی کے تمام مسلمان اور ترک قوم کافر ہے اور سلطنتِ عثمانیہ خلافتِ اسلامیہ کے منصب کی حقدار نہیں ہے اور شریف حسین نے ترکوں سے بغاوت کر کے نہایت ایماندارانہ اور جرأت مندانہ اقدام کیا ہے'' حضرت شیخ الہند نے اس اعلان پر دستخط کرنے سے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ اگرچہ اس انکار کے نتائج خطرناک ہو سکتے ہیں مگر میں دین اور دیانت اور شریعت کے خلاف کوئی حرکت نہیں کر سکتا، حضرت شیخ الہند نے جس خدشہ کا اظہار کیا تھا وہ سامنے آ گیا۔ شریف حسین نے آپ کو آپ کے رفقاء سمیت انگریزوں کے ایماء پر گرفتار کر کے انگریزوں کے حوالے کر دیا۔ حضرت مدنی رحمہ اللہ کو جب پتہ چلا تو آپ نے اپنے اُستاذ کی خدمت کے جذبہ سے از خود گرفتاری پیش کر دی، ۱۸ ربیع الاوّل ۱۳۳۵ھ/ ۱۴ جنوری ۱۹۱۷ء میں آپ کو سرزمین حرم سے مالٹا روانہ کیا گیا۔ ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ/ ۸ جون ۱۹۲۰ء کو تین سال اور سات ماہ کی قید کے بعد بمبئی پہنچا کر

رہا کیا گیا۔

مالٹا سے رہائی ہوئی تو آپ حضرت شیخ الہند کی معیت میں ہندوستان تشریف لائے۔ مالٹا سے واپسی کا زمانہ تحریک خلافت کے آغاز کا زمانہ تھا۔ آپ یہاں پہنچ کر حضرت شیخ الہند کی قیادت میں ملک کی سیاست میں شریک ہو گئے۔ اس زمانہ میں آپ کی مجاہدانہ اور سرفروشانہ قربانیوں نے مسلمانوں کے دلوں کو آپ کی عظمت ومحبت سے لبریز کر دیا۔ حضرت شیخ الہند کی وفات (۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۰ء) پر متفقہ طور سے آپ کو اُن کا جانشین تسلیم کر لیا گیا، سیاسی کاموں میں شرکت وانہماک کے باعث آپ کو متعدد مرتبہ کئی کئی سال تک جیل میں بھی رہنا پڑا اور ملک کی آزادی کے لیے قید و بند کی ہوش رُبا صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں۔

آپ عرصہ دراز تک جمعیت علماءِ ہند کے صدر رہے، ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۸ء میں جب حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری دار العلوم کی صدارتِ تدریس سے مستعفی ہوئے تو آپ کی جگہ حضرت مدنی رحمہ اللہ کو شیخ الحدیث اور صدر مدرس بنایا گیا کیونکہ آپ کے سوا جماعت دار العلوم میں کوئی ایسی شخصیت موجود نہ تھی جو دار العلوم کی اس عظیم الشان جگہ کو اس کے شایان شان پر کر سکے۔ اس لیے اکابر کی نظر انتخاب آپ ہی پر پڑی آپ کے زمانۂ صدارت میں طلباء کی تعداد میں دوگنے سے بھی زیادہ اضافہ ہوا، خاص کر دورۂ حدیث کی جماعت میں تو یہ اضافہ تین گنا سے بھی زیادہ ہو گیا۔ آپ کے زمانۂ صدارت (۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۸ء تا ۲۸ محرم ۱۳۷۷ھ/ ۲۵ راگست ۱۹۵۷ء تقریباً بتیس برس) میں جن طلباء نے دورۂ حدیث کی تکمیل کر کے سند فراغت حاصل کی اُن کی تعداد ۴۴۸۳ ہے، آپ کے تلامذہ کا دائرہ برِاعظم ایشیاء سے گزر کر یورپ تک پھیلا ہوا ہے۔

حضرتِ مدنی رحمہ اللہ کا جہاں علمی فیضان وسیع ہوا وہیں آپ کا روحانی فیضان بھی ایک عالم میں پھیلا، مختلف اطراف واکناف عالم کے تقریباً پونے دوسو حضرات آپ سے احسان وسلوک کی تعلیم مکمل کر کے اجازت وخلافت سے مشرف ہوئے، ۱۲ جمادی الاولی ۱۳۷۷ھ/ ۵ دسمبر ۱۹۵۷ء بروز جمعرات آپ کا انتقال ہوا۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب

نے نماز جنازہ پڑھائی اور خطۂ صالحین قبرستانِ قاسمی میں حضرت شیخ الہند کے پہلو میں تدفین ہوئی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

حضرت مدنی رحمہ اللہ انتہائی مصروف ترین انسان تھے تصنیف وتالیف کے لیے جس سکون کی ضرورت ہوتی ہے وہ کبھی آپ کو نصیب نہیں ہوا۔ آپ نے ذاتی معمولات کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ تعلیم وتدریس جمعیت علماءِ ہند اور دیگر جماعتی واجتماعی معاملات، تبلیغی کانفرنسیں، مختلف تقریبات، احباب وحلقۂ معتقدین کے شدید تقاضے، اسفار پر اسفار اور ہر طبقہ کے رِجال وافراد سے براہ راست میل جول اور تمام متعلقین کے امور کو پورا کرنا یہ تمام باتیں یقیناً آپ کی ہمت اور توفیقِ الٰہی کے نتیجہ میں انجام پاتی تھیں ورنہ یہ کسی عام انسان کے بس کا روگ نہیں۔ ان حالات میں تصنیف وتالیف کا تصور بھی محال نظر آتا ہے لیکن ہم اس وقت حیرت واستعجاب کے بغیر نہیں رہتے جب یہ دیکھتے ہیں کہ حضرت مدنی رحمہ اللہ اس محال کو کیسے ممکن کر گئے اور اپنے پیچھے کس قدر چھوٹی بڑی کتابیں اپنی یادگار کے طور پر چھوڑ گئے؟

ذیل میں آپ کی کتابوں کی فہرست دی جا رہی ہے جس سے اس حقیقت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

(۱) نقشِ حیات (خودنوشت سوانح حیات)

(۲) مکتوبات شیخ الاسلام رحمہ اللہ چار جلد (۵۸۲ مکتوبات کا عظیم ذخیرہ)

(۳) سفرنامہ شیخ الہند

(۴) خطباتِ صدارت ...... (۱۹۲۱ء سے لے کر ۱۹۵۶ء تک مختلف مقامات پر دیے گئے گیارہ خطبات)

(۵) الشہاب الثاقب علی المسترق الکاذب (احمد رضا خان صاحب کے اکابر علماءِ دیوبند پر الزامات کا جواب)

(۶) تعلیمی ہند (یہ کتاب اُردو۔عربی دونوں زبانوں میں شائع ہوئی)

(۷) متحدہ قومیت اور اسلام

(۸) کشفِ حقیقت (مکالمۃ الصدرین کا جواب)

(۹) مودودی دستور وعقائد کی حقیقت

(۱۰) ایمان وعمل

(۱۱) سلاسلِ طیبہ

(۱۲) الخلیفۃ المہدی فی الاحادیث الصحیحۃ (یہ رسالہ عربی میں ہے لیکن اب اُردو ترجمہ کے ساتھ شائع ہورہا ہے)

(۱۳) کانگریس، مسلم لیگ اور جمعیت علماء ہند کی سیاسی پوزیشن پر ایک تفصیلی مطالعہ

(۱۴) مسلم لیگ کی آٹھ مسلم کش سیاسی غلطیاں

(۱۵) شریعت بل اور لیگ

(۱۶) سول میرج اور لیگ

(۱۷) پاکستان کیا ہے؟

(۱۸) ہندوستان ہمارا وطن

(۱۹) مسٹر محمد علی جناح کا پراسرار معمہ اور اس کی حقیقت

(۲۰) اظہارِ حقیقت

۱۳ سے لے کر ۲۰ تک کے آٹھ رسالے شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی کی سیاسی ڈائری مرتبہ ابوسلمان شاجہان پوری کی جلد نمبر ۶ میں شائع ہو چکے ہیں۔

(۲۱) شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کی سیاسی ڈائری (یہ ڈائری ابوسلمان صاحب شاجہاں پوری نے ۸ ضخیم جلدوں میں مرتب کر کے شائع کر دی ہے)

(۲۲) جمالِ مؤمن یا اسلامی یونیفارم (آج کل یہ رسالہ ڈاڑھی کا فلسفہ اور شرعی حیثیت کے نام سے چھپ رہا ہے۔)

(۲۳) رموزِ عشق اور لطائف حج وزیارت

(۲۴) دعوت عزم وعمل مشکلات کا حل اور شاہراہ کامیابی۔ ولادت باسعادت سید الکونین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد کس طرح منائی جائے

(۲۵) اسلام اور فریضۂ تبلیغ، ہمدردی نوع انسان کا ہمہ گیر جذبہ

(۲۶) سیرت پاک کا ازدواجی پہلو۔ سید البشر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ زُہد و نفس کشی اور مسئلہ کثرتِ ازدواج۔

(۲۷) معراج جسمانی اور سائنس وفلسفہ نقلی و عقلی دلائل و براہین

(۲۸) فتاوٰی شیخ الاسلام ایک جلد۔ (یہ فتاوٰی حضرت مدنی رحمہ اللہ کے نواسہ حضرت مفتی سلمان صاحب زید مجدہ نے حضرت مدنی رحمہ اللہ کی مختلف تحریرات سے جمع کر کے شائع کیے ہیں)

(۲۹) مکتوبات شیخ الاسلام ایک جلد (مکتوبات شیخ الاسلام مرتبہ مولانا نجم الدین اصلاحی سے سلوک وطریقت کے مکاتیب کا انتخاب)

حضرت مدنی رحمہ اللہ کی بہت سی تقاریر اور مواعظ بھی مختلف بزرگوں نے منضبط کر کے شائع کیے تھے۔ جو تقاریر و مواعظ ناچیز کو طبع شدہ دریافت ہو سکے اُن کے نام درج ذیل ہیں۔

(۱) ذکر (آسام میں کی گئی تقریر)

(۲) سلوک وطریقت کے جواہر پارے۔ احسان وتصوف کی تفسیر۔ ذکر اللہ اور وصول الی اللہ کی صورتیں (۲۷ رمضان ۱۳۷۵ھ میں بانسکنڈی آسام) میں کی گئی ایک اہم تقریر جمع کردہ مولانا افضال الحق اعظمی

(۳) استغفار اور ذکر (۲۷ رمضان ۱۳۷۶ھ میں بانسکنڈی میں کی گئی آخری تقریر مرتبہ مولانا سید رشید الدین حمیدی رحمہ اللہ)

(۴) احسان وتصوف (مدراس میں کی گئی ایک اہم تقریر۔ یہ تقریر ماہنامہ اَنوارِ مدینہ میں تین اَقساط میں شائع ہوئی ج:۳، ش:۱۲ و ج:۴، ش:۱، ۲، اب یہ تقریر مستقل رسالہ کی شکل میں بیعت کی شرعی حیثیت کے نام سے مکتبۃ الشیخ کراچی سے شائع ہو رہی ہے اور مجلس

یادگارِ شیخ الاسلام، لاہور سے بھی شائع ہوئی ہے)

(۵) عشق حقیقی کا ایک جام۔ (۱۳۷۴ھ/ ۱۹۵۵ء میں حرمین شریفین کے سفر پر جاتے ہوئے دورانِ سفر محمدی جہاز پر کی گئی تقریر یہ تقریر ہفت روزہ خدام الدین لاہور اور ماہنامہ انوار مدینہ ج:۴، ش:۶ میں حقیقت حج کے نام سے شائع ہوئی)

(۶) نزول الرب کی حقیقت (جمع کردہ مولانا نسیم احمد فریدی رحمہ اللہ)

(۷) انعامات خداوندی اور فرائض انسان (۱۹۵۳ء میں مدرسہ شاہی مرادآباد میں تفسیر وترجمہ قرآن کے اختتام پر کی گئی تقریر جسے مولانا نسیم احمد فریدی رحمہ اللہ نے جمع کیا)

(۸) عید، مستحبات عید اور تعلیم دین کا تذکرہ۔ (۱۳ مئی ۱۹۵۶ء میں عید الفطر کے اجتماع میں کی گئی تقریر جسے مولانا رشید الدین صاحب رحمہ اللہ نے جمع فرمایا)

(۹) ۱۹۴۷ء کے قیامت خیز ہنگامہ اور حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی تاریخی تقریر

(۱۰) خطبہ صدارت (ناگپور کانفرنس منعقدہ ۱۹۴۹ء میں دیا گیا خطبہ یہ خطبہ حضرت رحمہ اللہ نے زبانی ارشاد فرمایا تھا) یہ دس تقاریر ناچیز کے پاس مکتبہ دینیہ دیوبند سے شائع ہونے والے مجموعے میں موجود ہیں۔

(۱۱) تکبر اور فساد (حضرت مدنی رحمہ اللہ کی ایک تقریر جو ٹیپ ریکارڈر سے نقل کر کے انوار مدینہ ج:۳، ش:۱۱ میں شائع کی گئی)

(۱۲) دعوت الی اللہ۔ ۲۶ جولائی ۱۹۵۷ء میں جمعہ کی نماز کے بعد کی گئی ایک تقریر یہ تقریر بمقام ۱۱ کونم ضلع شمالی ارکاٹ مدارس میں کی گئی تھی۔ ماہنامہ انوار مدینہ ج:۴، ش:۵ میں شائع ہوئی۔

کچھ کتابیں وہ ہیں جن کا تعلق حضرت شیخ الاسلام کے درسی افادات سے ہے۔ آپ کے افادات نہ جانے کتنے لوگوں نے جمع کیے ہوں گے۔ ناچیز راقم الحروف کے علم میں جو آسکے اُن کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) معارفِ مدنیہ ۱۳ حصے۔ ان افادات کا تعلق ترمذی شریف سے ہے، یہ افادات مولانا طاہر حسن امروہوی نے جمع کر کے شائع کیے تھے، اب یہ افادات ۳ جلدوں میں مجلس یاد گار شیخ الاسلام کراچی سے شائع ہو رہے ہیں۔

(۲) دروسِ مدنیہ ۲ جلد، ان دروس کا تعلق بھی ترمذی شریف سے ہے۔ یہ دروس حضرت مولانا مفتی سید مشہود حسن قاسمی صاحب شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ دہلی نے جمع و ترتیب کے بعد شائع کیے تھے۔ اب کراچی سے شائع ہو رہے ہیں۔

(۳) توضیح الترمذی ایک جلد۔ یہ افادات حضرت مولانا مفتی محمد قاسم صاحب سابق محدث مدرسہ دارالعلوم لطیفی کیٹہار بہار نے مرتب کیے تھے اور مفتی عبدالجلیل صاحب محدث جامعہ اسلامیہ مدنیہ مدنی نگر کلکتہ نے کلکتہ سے شائع کیے تھے۔

(۴) درس بخاری جلد اول مرتبہ مولانا نعمت اللہ صاحب اعظمی دامت برکاتہم طبع مرکز المعارف ہوجائی آسام برانچ دیوبند

(۵) مجالس سبعہ مرتبہ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب

(ماخوذ مجلس نفیس)

(۴۱)......حضرت مولانا سید حامد میاں رحمۃ اللہ علیہ

دین اسلام اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے جو اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کے لیے اپنے سب سے محبوب پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا ہے۔ یہ دین چونکہ ہمہ گیر و عالمگیر ہے اور قیامت تک کے لیے آیا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ بھی خود ہی لے لیا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ عزوجل اس امت کے لیے ہر صدی کے شروع میں ایک ایسی ہستی کو بھیجتے رہیں گے جو امت کے دین کی تجدید کرتی رہے گی۔ (ابوداؤد بحوالہ مشکوٰۃ ص ۳۶)

ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر آئندہ آنے والی جماعت میں سے اس

کے عادل یعنی ثقہ ومعتمد لوگ علم دین کو حاصل کرتے رہیں گے اور اس سے غلو کرنے والوں کی تحریف، باطل پرستوں کی افترا پردازی اور جاہلوں کی تاویلات کو دور کرتے رہیں گے۔

(سنن کبریٰ بیہقی بحوالہ مشکوٰۃ ص ۳۶)

یہی وجہ ہے کہ جب بھی دین کے خلاف کوئی تحریک اٹھتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت و نگرانی کے لیے ایسے افراد کار پیدا فرما دیتے ہیں جو اپنے خون سے اس کی آبیاری کرتے اور اس کی ڈوبتی نیا کو کنارے لگا دیتے ہیں۔

ماضی قریب میں برصغیر پاک و ہند پر جب انگریز نے غاصبانہ قبضہ کیا اور اپنی شاطرانہ چالوں کے ذریعہ اس خطہ سے دین متین کے مٹانے کی کوشش کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کے لیے اہل حق کی ایک جماعت کو کھڑا کر دیا جس نے اپنے تن من دھن سے دین اسلام کی حفاظت اور اہل اسلام کی قیادت وسیادت کا فریضہ سرانجام دیا اس جماعت حق نے دین کی بقا اور تحفظ کے لیے دیگر محنتوں کے ساتھ ساتھ جگہ جگہ دینی مدارس و مکاتب قائم کیے اور عوام الناس میں دینی شعور پیدا کیا اس طرح اسلام کے بقا اور تحفظ کے خاطر خواہ اسباب و ذرائع پیدا ہو گئے۔ ان دینی مدارس میں اولیت دارالعلوم دیوبند کو حاصل ہوئی اس مدرسہ کو اللہ تعالیٰ نے ایسی قبولیت سے نوازا کہ اس کے ہزاروں کی تعداد میں فارغ التحصیل علماء و مشائخ دنیا کے کونے کونے میں پھیل گئے اور دین اسلام کی نصرت وحمایت اور نشر واشاعت میں مشغول ہو گئے۔ شکر اللہ مساعیھم و جزاھم اللہ احسن الجزاء

دارالعلوم دیوبند کے فیض یافتگان میں سے ایک نمایاں شخصیت محدث کبیر، شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی و مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور کی بھی ہے، آپ نے دارالعلوم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد پاکستان کے دل لاہور کو اپنی محنت اور جدوجہد کا مرکز بنایا۔

سطور ذیل میں مختصر طور پر آپ کے حالات زندگی پیش کیے جا رہے ہیں جن سے قارئین آپ کی شخصیت اور آپ کی دینی وملی جدوجہد کا کچھ اندازہ کر سکیں گے۔

خاندان، ماحول، نشو ونما اور تعلیم وتربیت:

آپ نسبتاً حسینی سید ہیں، آپ کا سلسلہ نسب اکتالیس واسطوں سے حضور اکرام صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملتا ہے۔ آپ کا خاندان دیوبند کا سب سے پرانا خاندان سادات ہے، آپ کے اجداد میں سے ایک بزرگ حضرت سید محمود قلندر شام کے شہر حمص سے ہندوستان تشریف لائے آپ ایک مرتاض بزرگ تھے، عبادت و ریاضت میں آپ کو غیر معمولی استغراق حاصل تھا آپ کے معاصر مؤرخ عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں:

''شیخ محمود قلندر لکھنوی، شیخ محمد غوث گوالیاری کے خلفاء میں سے ہیں وہ اسماء الٰہیہ کے عامل تھے، ریاضت، فقر اور توکل میں ان کا بڑا مقام تھا، اسی کے ساتھ لوگوں پر فیاضی سے خرچ کرتے تھے۔ لکھنؤ تشریف لائے تو آپ کی صحبت سے بہت لوگ شرف یاب ہوئے اور اپنے دور کے صاحب رشد وہدایت بنے آپ کی وفات وہیں لکھنؤ میں ہوئی۔''

(منتخب التواریخ ص ۲۸۶ بحوالہ تذکرہ سادات رضویہ ص ۷)

صاحب مفتاح العارفین تحریر فرماتے ہیں:

''شیخ محمود قلندر کا مذہب حنفی اور مشرب شطاری (سلسلہ شطاریہ بانی سلسلہ شیخ عبداللہ شطار کی طرف منسوب ہے ان کے متوسلین میں بعض نہایت بااثر شخصیتیں گزری ہیں جنہوں نے اس سلسلہ کو ترقی دی ہے) تھا، آپ ہندوستان کے مشہور شہر لکھنؤ کے رہنے والے تھے، صاحب کشف وکرامات تھے، شیخ محمود نے ۱۰۰۹ھ میں وفات پائی۔

(مفتاح العارفین بحوالہ تذکرہ سادات رضویہ ص ۷)

شیخ محمود قلندر کے ایک پوتے سید محمد ابراہیم تھے جو اپنے دادا سے سلسلہ قادریہ شطاریہ میں بیعت تھے، آپ اولیاء کاملین میں سے تھے۔ لکھنؤ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد اشغال صوفیہ قادریہ میں مشغول ہو گئے۔ اپنے دادا شیخ محمود رحمۃ اللہ اور شیخ محمد غوث گوالیاری رحمۃ اللہ کی اتباع میں سیاحت اختیار کی، سیاحت کے دوران اکثر اولیاء کرام کی خدمت میں حاضر ہو کر روحانی فیوض وبرکات حاصل کیں، برناوہ (برناوہ میرٹھ سے تقریباً ۱۹

میل جنوب مغرب میں واقع ہے) میں شیخ علاء الدین چشتی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے مشورہ سے قیام کے لیے دیو بند کو پسند فرمایا۔ سید محمد ابراہیم نے ۵ شوال المکرم ۱۰۳۴ھ میں بعہد جہانگیر بادشاہ وفات پائی، دیو بند کے محلہ ''سرائے پیرزادگان'' میں مسجد کی جانب شمال آپ کا مزار مبارک مرجع عوام ہے۔ سید محمد ابراہیم کے دو صاحبزادے ہوئے بندگی سید محمد اسماعیل اور شاہ محمد امین، سید محمد ابراہیم کی اولاد کا بڑا سلسلہ بندگی سید محمد اسماعیل سے چلا، آپ کے سات فرزند ہوئے۔ جن میں سے سید شاہ شبلی کی پانچویں پشت میں ایک بزرگ ہوئے۔ سید منظور محمد انہیں اللہ تعالیٰ نے دو فرزند عطا کیے (۱) مولانا سید محمد میاں (۲) جناب سید احمد میاں، حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب اپنے دور کے بے مثال محدث، اعلیٰ درجہ کے مفسر، ماہر مفتی، بہترین مورخ، صاحب طرز ادیب و انشاء پرداز اور دیو بند کے مشہور خاندان ''سادات رضویہ'' کے عظیم چشم و چراغ تھے۔ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب کو اللہ تعالیٰ نے چار فرزند عطا کیے جن میں سے ایک آپ کے عظیم اور قابل قدر فرزند حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

ولادت:

۶ جمادی الاخریٰ ۱۳۴۶ھ/ دسمبر ۱۹۲۶ء بروز پیر کو ہندوستان کے ضلع میرٹھ کے ایک گاؤں ''راؤلی'' میں آپ کی ولادت ہوئی۔ وہاں آپ کے دادا جان جناب سید منظور محمد بسلسلہ ملازمت قیام فرماتے تھے، آپ کا نام ''حامد میاں'' رکھا گیا تاریخی نام ''سعید اختر'' ہے۔

تعلیم وتربیت:

تعلیم وتربیت کے متعلق حضرت مولانا سید حامد میاںؒ خود تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے الف، با، تا۔ حضرت مولانا قاری اصغر علیؒ صاحب سے دارالعلوم دیو بند میں شروع کی کچھ عرصہ بعد والد صاحب نے دیو بند سے سب گھر والوں کو مراد آباد بلالیا، وہاں جامعہ قاسمیہ میں حافظ نور محمدؒ صاحب نوراللہ مرقدہ سے جو ٹانڈہ ضلع رامپور کے رہنے والے نور مقدس و معمر استاذ تھے حفظ قرآن کریم شروع کیا حافظ صاحب

نے سات حج کیے تھے، لیکن ابھی سورہ آل عمران کا کچھ حصہ حفظ ہوا تھا کہ ان کی بمرض فالج وفات ہوگئی، ان کی وفات کے بعد حافظ محمد ابراہیم صاحب مدظلہم سے جوان کے ہم وطن اور شاگرد رشید تھے تکمیل کی، مولانا قاری عبداللہ صاحب نور اللہ مرقدہ سے تجوید شروع کی اور جب تک وہ حیات رہے میں ان سے تقریباً سات سال مشق کرتا رہا پھر فارسی اور عربی کتابیں پڑھیں، فارسی کی کتابیں والد صاحب سے بھی پڑھیں اور دیگر بعض معروف اساتذہ سے بھی، انوار سہیلی اور سکندر نامہ تک فارسی پڑھی، حساب، جغرافیہ بھی مدرسہ میں پڑھا، کتب عربیہ مولانا اشفاق صاحب مولانا نذیر صاحب مولانا محمد شاہ صاحب، مولانا انصار الحق صاحب، مولانا اختر الاسلام صاحب، مولانا سید واحد رضا صاحب، مولانا محمد اسماعیل سنبھلی صاحب، حضرت مولانا عبدالحق مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور والد صاحب دام مجدہم سے پڑھیں، حضرت مولانا عجب نور صاحب بنوی معقولات سے عظیم الشان استاذ تھے۔ ان سے شرح عقائد جلالی مع حواشی، تصریح، شرح چغمینی، توضیح تلویح اور شمس بازغہ پڑھیں، یہ سب کتابیں جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی میں پڑھیں، دار العلوم دیوبند میں حضرت مولانا عبدالخالق صاحب ملتانی مرحوم ومغفور سے، صدرا اور قاضی پڑھیں، حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ہدایہ آخرین بحمد اللہ از اول تا آخر پڑھی، مولانا جلیل احمد صاحب دیوبندی خادم خاص حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے جلالین شریف پڑھی، حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب مرحوم سے مشکوۃ کچھ عرصہ پڑھی پھر ان کی وفات کے بعد حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہم سے مکمل کی، کتب دورۂ حدیث میں بخاری اور ترمذی شریف جلد اول حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہ العزیز سے، ترمذی شریف جلد دوم شمائل اور ابوداؤد حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے، مسلم شریف حضرت مولانا ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ سے، نسائی شریف مولانا فخر الحسن صاحب مدظلہم سے، ابن ماجہ مولانا عبدالشکور صاحب عثمانی مہاجر مدینہ منورہ رحمہ اللہ سے پڑھیں۔"

حضرت سید صاحب کی اس تحریر سے قارئین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آپ نے اپنے وقت

کے کیسے بڑے بڑے اکابر علماء اور اساطین علم وفضل سے کسب فیض کیا۔

دار العلوم دیوبند سے آپ کو جو سند ملی اس کے درج ذیل الفاظ سے آپ کی قابلیت و صلاحیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

"وهو عندنا جيد الفهم، ذكي الذهن، قادر على التدريس وله مهارة بالعلوم العربية"

"آپ ہماری رائے میں نہایت فہیم اور ذکی و ذہین ہیں، تدریس کی قدرت رکھتے ہیں اور آپ کو علوم عربیہ میں مہارت حاصل ہے۔"

بیعت وسلوک خلافت واجازت:

حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دار العلوم دیوبند سے شعبان ۱۳۶۷ھ مطابق جولائی ۱۹۴۷ء میں دورہ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی دورۂ حدیث شریف سے فارغ ہوتے ہی آپ اسی سال ۲۵ شعبان کو بعد نماز فجر شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے دست اقدس پر شرف بیعت مشرف ہوئے اس وقت آپ کی عمر تقریباً اکیس برس تھی۔

ذکر و شغل سے آپ کو بچپن ہی سے لگاؤ تھا بیعت ہونے کے بعد اس میں مزید اضافہ ہو گیا، رؤیائے صالحہ اور بشاراتِ منامیہ کا سلسلہ بڑھ گیا، اسی سال آپ حج کے لیے تشریف لے گئے۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں۔

"اسی سال میرے محب و مشفق اور کرم فرما استاذ اور میرے خسر حضرت مولانا عبد الحق صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ مجھے اپنے ہمراہ حج کے لیے لے گئے، جزاه الله عني خيرا و تقبل مني و منه"

یہ آپ کا پہلا حج تھا اس کے علاوہ دو مرتبہ اور بھی حج کے لیے تشریف لے گئے، دوسری مرتبہ ۱۹۶۴ء میں اور تیسری و آخری مرتبہ ۱۹۷۱ء میں، حج سے واپسی پر آپ تکمیل سلوک میں مشغول رہے حتی کہ ۲۲ شوال المکرم ۱۳۶۸ھ مطابق ۱۶/اگست ۱۹۴۹ء بروز جمعرات شیخ

الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو درج ذیل گرامی نامہ کے ساتھ سلاسل اربعہ میں بیعت کی اجازت مرحمت فرمائی۔

''میں آپ کو طرق اربعہ ومعروفہ میں بیعت کرنے کی اسی طرح اجازت دیتا ہوں جس طرح میرے آقا حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز نے مجھ کو عطا فرمائی تھی، اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے اور آپ کے ذریعہ سے فیض اکابر طریقت جاری فرمائے، جدوجہد اور مراقبہ وذکر میں پوری مشغولیت کے ساتھ علوم دینیہ کے مشاغل کو جاری رکھیں اور اسلاف کرام کے قدم بقدم چلنے کی کوشش کرتے رہیں اور اس ناکارہ کو دعواتِ صالحہ میں فراموش نہ فرمائیں رزقنا اللہ وایاکم رضاہ وفضلہ فی الدارین والسلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ ۲۴ شوال ۱۳۶۸ھ'' (مکتوبات شیخ الاسلام جلد ۳ صفحہ ۲۳۶)

پاکستان آمد:

۱۹۵۲ء کی بات ہے کہ آپ ہندوستان سے کھوکھراپار کے راستہ افغانستان تشریف لے جانے کی غرض سے روانہ ہوئے، آپ کو سلسلہ چشتیہ کے بزرگ شیخ نظام الدین بلخی رحمۃ اللہ علیہ سے خاص قسم کا قلبی لگاؤ تھا اسی مناسبت سے آپ بلخ میں مستقل قیام کا ارادہ رکھتے تھے، دورانِ سفر ٹرین میں آپ نے خواب دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ لاہور میں ایسے اتر جیسے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اس خواب کے مشاہدہ کے بعد آپ لاہور تشریف لے آئے، ساتھ ہی آپ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے خط پہونچا کہ ''افغانستان جا کر کیا کرو گے وہاں تو بادشاہت ہے یہیں لاہور ہی میں کام کا موقع مل سکے گا۔ ۔رہی میں رک جاؤ۔'' چنانچہ آپ نے لاہور ہی کو اپنا مسکن بنالیا اور حتی المقدور اشاعت علوم دینیہ اور سنت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی ترویج وترقی میں مشغول ہو گئے۔

یہاں آپ نے مولوی فاضل کا امتحان دیا، امتحان میں اول پوزیشن حاصل کی، اس کے علاوہ میٹرک اور ایف اے کے امتحانات بھی اچھے نمبروں میں پاس کیے، بی اے کی نصابی

کتاب کا مطالعہ بھی کیا لیکن امتحان کا موقع نہ ملا۔

شروع میں کچھ عرصہ لاہور کی مشہور دینی درس گاہ جامعہ اشرفیہ میں تدریس کی خدمت انجام دی پھر تھوڑے عرصہ بعد جامع مسجد حنفیہ گلی اکھاڑا بوٹا مل لاہور میں ''احیاء العلوم'' کے نام سے اپنا مدرسہ قائم کیا تعلیمی کام میں جب اضافہ ہونے لگا تو جگہ چھوٹی پڑ گئی اس لیے آپ نے مسلم مسجد لوہاری گیٹ، مکی مسجد انارکلی اور مسجد نیلا گنبد کو اپنی تعلیمی سرگرمیوں کا مرکز بنایا اور مدرسہ کا نام جامعہ مدنیہ رکھا کم وبیش ۱۲۔۱۳ سال ان مقامات میں تعلیمی سلسلہ کامیابی سے چلتا رہا۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اس لگائے ہوئے گلشن میں وقت کے چوٹی کے علماء و مدرسین جمع ہو گئے جن میں حضرت مولانا سید میرک شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فاضل دیو بند، حضرت مولانا عبد الدائم جلالی صاحب فاضل دیو بند، حضرت مولانا حکیم عبد الحکیم صاحب فاضل دیو بند و خلیفہ مجاز حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا مفتی عبد الحمید صاحب سیتا پوری فاضل دیو بند، حضرت مولانا کریم اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ دامانی فاضل دیو بند اور حضرت مولانا ضیاء الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ فاضل دیو بند نمایاں شخصیات ہیں ان بزرگوں کے طفیل مدرسہ کو چار چاند لگے اور جوق در جوق طلباء آنے لگے۔

انہی دنوں آپ نے بعد نماز مغرب مسلم مسجد میں درس حدیث کا سلسلہ شروع فرمایا جو لوگوں میں اس قدر مقبول ہوا کہ اس سے فیضیاب ہونے کے لیے دور دور سے لوگ آنے لگے۔

جامعہ مدنیہ کریم پارک کا آغاز:

جب طلباء کی تعداد زیادہ ہونے لگی اور تین جگہ پھیلے ہوئے کام کو سنبھالنا مشکل ہو گیا تو آپ نے ۱۳۸۳ھ/ ۱۹۶۳ء میں احباب کے مشورہ سے کریم پارک راوی روڈ لاہور میں ..رسہ کے لیے بڑی جگہ خرید کر مدرسہ کی تعمیر شروع کر دی اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کام کے ئے بعض مخلص اور نیک بندے ایسے دے دیے جو اس تعمیری کام میں تن من دھن سے لگے

رہے اور دنوں کے دنوں میں مدرسہ کی عمارت اچھی خاصی تعمیر ہوگئی۔ چنانچہ ۱۳۸۵ھ/ ۱۹۶۵ء میں آپ مسلم مسجد سے جامعہ مدنیہ کریم پارک میں منتقل ہو گئے اور تادم حیات اسی مدرسہ میں قیام پذیر رہے۔

حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے مدرسہ کی ایسی خدمت کی کہ اسے ملک کے معروف اور بڑے مدارس کی صف میں لا کھڑا کیا، آپ مدرسہ کے شیخ الحدیث اور مہتمم مقرر ہوئے اور اخیر زندگی تک ان مناصب پر فائز رہے۔ آپ نے مدرسہ میں درس نظامی کے ساتھ ساتھ شعبہ تجوید وقرات اور شعبہ افتاء بھی قائم فرمایا۔ فن طب وحکمت کے ساتھ ساتھ شعبہ کتابت کا بھی اجراء فرمایا، آپ کو چونکہ علمی کتابوں کے جمع کرنے کا بھی بے حد شوق تھا اس لیے آپ نے مدرسہ میں ایک وقیع کتب خانہ بھی قائم فرمایا۔

جامعہ مدنیہ جدید کے قیام کا ارادہ:

حضرت رحمۃ اللہ علیہ جامعہ مدنیہ کی اس عمارت کو تعلیم کے لیے ناکافی خیال فرماتے تھے آپ کی دیرینہ خواہش تھی کہ ایک بہت بڑا مدرسہ قائم کیا جائے جس میں کم از کم سات آٹھ ہزار طلبا تعلیم حاصل کر سکیں اور اس کے ساتھ خانقاہ بھی قائم کی جائے، آپ نے اس خواہش کی تکمیل کے لیے جگہ کی تلاش شروع کر دی اور تلاش بسیار کے بعد ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء میں لاہور رائے ونڈ روڈ پر برلب سڑک تقریباً پچاس جریب رقبہ خرید کر مدرسہ اور خانقاہ کے لیے وقف فرمایا، آپ نے فرمایا کرتے تھے کہ اب دو سفر کروں گا یہاں سے جامعہ مدنیہ رائے ونڈ روڈ اور وہاں سے مدینہ منورہ، مگر عمر نے وفا نہ کی اور آپ کی وفات کا سانحہ پیش آ گیا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش کے مطابق آپ کے چھوٹے صاحبزادے حضرت مولانا سید محمود میاں صاحب مدظلہم نے جامعہ مدنیہ جدید اور خانقاہ حامدیہ کی تعمیر کا کام شروع کر رکھا ہے اور آپ کے زیر اہتمام چار سو سے زائد طلبا وہاں تعلیم وتربیت میں مصروف ہیں۔

بیعت وارشاد، مجالس ذکر وفکر:

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے درس وتدریس کے ساتھ اپنے شیخ کی ہدایت کے مطابق بیعت وارشاد کا سلسلہ بھی قائم فرمایا، بے شمار افراد نے آپ کے دست اقدس پر بیعت کا شرف حاصل کیا، بہت سے خوش نصیب افراد منازل سلوک طے کر کے آپ کے خلیفہ مجاز بنے، آپ سے اجازت بیعت حاصل کرنے والے خوش نصیب افراد کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلہم کراچی (۲) حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب خوشاب (۳) حضرت حاجی محمود احمد صاحب لاہور (۴) حضرت فیض محمد صاحب، خوشاب (۵) حضرت غلام محمد صاحب سربازی ایران (۶) حضرت رشید فارسی صاحب مکہ مکرمہ (۷) حضرت مولانا حامد علی شاہ صاحب فیروزہ (۸) سید ظفر علی شاہ صاحب چک جھمرہ فیصل آباد (۹) حضرت مولانا صالح محمد صاحب مستونگ (۱۰) مولانا عبدالغنی صاحب مدظلہم لاہور۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ میں مجالس ذکر کا سلسلہ بھی شروع فرمایا اس سلسلہ کی ہفتہ میں دو مجلسیں ہوا کرتیں مجلس خاص مجلس عام۔ اول الذکر مجلس میں آپ کے مریدین اور اہل علم شریک ہوا کرتے تھے، یہ مجلس آپ کی نشست کے کمرہ میں ہوا کرتی تھی جس میں حضرت پہلے ذکر کرواتے پھر درس حدیث ارشاد فرماتے ثانی الذکر مجلس ہفتہ میں ایک بار مسجد میں بعد نماز عشاء ہوا کرتی یہ مجلس مسجد میں آپ نے اس لیے رکھی تھی کہ مسجد کے نمازی بھی اس سے مستفید ہوسکیں۔

تصنیف وتالیف:

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو تصنیف وتالیف کا بھی خاصا شغف تھا چنانچہ مختلف موضوعات پر آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں آپؒ نے اپنی زیر ادارت ایک ماہنامہ مجلہ انوار مدینہ کے نام سے جاری کیا جو رجب ۱۳۹۰ھ/ ستمبر ۱۹۷۰ء سے شروع ہو کر جمادی الاولی ۱۳۹۴ھ/ جون ۱۹۷۴ء تک مسلسل شائع ہوتا رہا جس میں آپ کے درسِ حدیث اور ادارتی مضامین شائع ہوتے رہے۔ اس کے علاوہ مختلف سیاسی ومذہبی موضوعات پر آپ کے وقیع

مضامین ملکی روزناموں اور دیگر مجلات میں شائع ہوتے رہے۔ آپ کے بہت سے قیمتی مضامین جو غیر مطبوع تھے انہیں انوار مدینہ کی جدید اشاعت میں سلسلہ وار شائع کیا جا رہا ہے۔

آپ کی سیاسی زندگی:

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو سیاسی ذوق وراثت میں ملا تھا آپ کے والد ماجد حضرت مولانا سید محمد میاں رحمۃ اللہ علیہ ایک منجھے ہوئے سیاستدان تھے اور آپ کے شیخ مکرم حضرت مولانا سید حسین مدنی رحمۃ اللہ علیہ سیاست کے امام تھے اس لیے آپ میں سیاسی ذوق ہونا ایک فطری امر تھا، آپ ایک اصول پسند، جرأت مند اور نڈر سیاسی رہنما تھے، گزشتہ ادوار میں بہت سے سیاسی نشیب و فراز آئے مگر آپ کے پائے استقلال میں ذرہ برابر لغزش نہیں آئی۔ جس بات کو حق سمجھا ڈنکے کی چوٹ کہا اور جس بات کو ملک وملت کے لیے مذہبی، قومی، اقتصادی، معاشرتی اور سیاسی طور پر نقصان دہ سمجھا اس پر کھل کر تنقید کی اور قوم کو اس کی مضرت سے آگاہ کیا۔ آپ ایک عرصہ تک اکابر علماء کے ساتھ جمعیت علماء اسلام کے لیے پلیٹ فارم سے سیاسی خدمات انجام دیتے رہے۔ ۲۸ محرم الحرام ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۴/اکتوبر ۱۹۸۵ء بروز پیر آپ کو جمعیت علماء اسلام کا مرکزی امیر منتخب کیا گیا۔ اور تاحیات آپ جمعیت کے امیر رہے۔

وفات حسرت آیات:

۲ مارچ ۱۹۸۸ء/۱۲ رجب ۱۴۰۸ء بروز بدھ صبح تقریباً نو بج کر دس منٹ پر آپ کو دل کا دورہ پڑا آپ کے معالج ڈاکٹر سید افتخار الدین صاحب کو فون کیا گیا وہ فوراً تشریف لے آئے، ڈاکٹر راشد رندھاوا صاحب کو بھی بلا لیا گیا دونوں حضرات نے ہسپتال لے جانے کا مشورہ دیا چنانچہ فوراً آپ کو میو ہسپتال لے جایا گیا، وہاں فوری علاج کے بعد آپ کی طبیعت کچھ سنبھلتی ہوئی محسوس ہوئی دوسرے دن جمعرات کو دن کے دو بجے کے بعد اچانک طبیعت بگڑ گئی اور ڈاکٹروں نے مایوسانہ انداز میں کہا کہ دعا کی ضرورت ہے آخر چار بجے ڈاکٹروں

نے یہ روح فرسا خبر سنائی کہ حضرت مولانا کا انتقال ہو گیا ہے انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ کی وفات کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور لوگ جوق در جوق مدرسہ آنے لگے آپ کی میت کو ہسپتال سے گھر لا کر غسل اور تجہیز و تکفین کا اہتمام کیا گیا۔ ۱۴ رجب ۱۴۰۸ھ/ ۴ مارچ ۱۹۸۸ء نماز جمعہ سے قبل یونیورسٹی گراؤنڈ میں آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی جس میں بے شمار علماء و مشائخ اور عوام کے جم غفیر نے شرکت کی۔ امامت کے فرائض حضرت اقدس مولانا خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم نے ادا کیے، نماز جنازہ کے بعد قبرستان میانی صاحب میں حضرت طاہر بندگی رحمۃ اللہ علیہ کے جوار میں آپ کی تدفین ہوئی۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

اولاد و احفاد:

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پیچھے ہزاروں کی تعداد میں روحانی اولاد کے علاوہ جسمانی اولاد میں پانچ لڑکے اور نو لڑکیاں چھوڑیں سب سے بڑے صاحبزادہ حضرت مولانا سید رشید میاں صاحب جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور کے مہتمم کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں اور دوسرے صاحبزادے حضرت مولانا سید محمود میاں صاحب جامعہ مدنیہ جدید رائے ونڈ روڈ کے مہتمم ہیں، مولانا سید وحید میاں صاحب ہندوستان میں مقیم ہیں، مولانا سید مسعود میاں صاحب جامعہ مدنیہ کریم پارک میں تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں، سب سے چھوٹے صاحبزادے سید مقصود میاں دور طالب علمی ہی میں تراویح میں قرآن پاک سناتے ہوئے انتقال کر گئے تھے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی دینی مساعی کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائے، اپنی شایان شان آپ کے درجات بلند فرمائے آپ کے لگائے ہوئے گلشن کو ترقی عطا فرمائے اور آپ کے اخلاف کو آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین!!

(۴۲)......حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب رحمہ اللہ

میانہ قد، دُبلے پتلے، گورے چٹے، نورانی چہرہ، اُونچی پیشانی، روشن آنکھیں، ستواں ناک، مخروطی ڈاڑھی، سفید براق کرتہ پاجامہ اور جالی والی ٹوپی کے تصور سے جو وجیہہ اور بشاش صورت اُبھرتی ہے اور جن کی نفاست، پاکیزگی اور شرافت دیکھ کر ''دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں'' کا احساس ہوتا ہے وُہی ہمارے شیخ ومرشد حضرت قاری شریف احمد کیرانوی رحمہ اللہ ہیں جنہیں سب پیار سے قاری صاحب کہتے ہیں۔

مغربی اُتر پردیش کے ضلع مظفر نگر کے مردم خیز قصبے کیرانہ کے دینی خانوادے میں آپ نے ۱۹۱۴ء میں آنکھیں کھولیں، یہی وہ کیرانہ ہے جہاں مشہورِ زمانہ کتاب ''اظہار الحق'' کے مصنف مجاہد اسلام مولانا رحمت اللہ کیرانوی (م: ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۱ء) پیدا ہوئے، اور یہی وہ کیرانہ ہے جس کی کوکھ سے عربی ادب ولغت کے امام مولانا وحید الزماں کیرانوی (م ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۵ء) نے جنم لیا۔

حضرت قاری صاحب دس سال کے ہوئے تو مکتب میں بٹھائے گئے، چودہ سال کی عمر میں آپ نے حافظ رحمت اللہ صاحب کیرانوی سے حفظ قرآن کی تکمیل کی، درسِ نظامی کی تعلیم کے لیے دہلی تشریف لے گئے، مدرسہ امینیہ اور مدرسہ عالیہ فتح پوری میں اپنے وقت کے جید اَساتذۂ کرام سے تعلیم حاصل کی، دورۂ حدیث شریف جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل میں پڑھا اور ۱۳۵۸ھ/ ۱۹۳۹ء میں سندِ فراغت حاصل کی، ایک سال کے لیے لکھنؤ تشریف لے گئے اور وہاں حضرت قاری عبدالمالک صاحب (م:۱۳۷۹ھ/ ۱۹۵۹ء) سے تجوید وقراءت حاصل کی۔

تزکیۂ نفس کے لیے شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی (م: ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۷ء) کی طرف رجوع فرمایا، آپ سے بیعت ہوئے اور منازل سلوک طے کرنے لگے۔ آپ کے انتقال کے بعد آپ کے خلیفہ اجل حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا سید حامد

یں صاحب (م: ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء) سے اصلاحی تعلق قائم کیا اور آپ کے مجاز بنے۔

فراغت کے بعد تعلیمِ قرآن کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا۔ تاحیات اسی سے وابستہ رہے۔ آپ کے درس و تدریس سے ہزاروں افراد نے فائدہ اُٹھایا، سینکڑوں بچے حافظ و قاری بنے۔ آپ کی ذات مرقعِ محبوبیت اور شخصیت باغ و بہار تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو گوناگوں صفات وخصوصیات سے نوازا تھا۔ آپ کے اندر استغناء و توکل، تواضع وانکساری، سادگی و نفاست، تقویٰ و طہارت، خوف و خشیت، صبر و شکر، ایثار و ہمدردی اور ان جیسی ڈھیروں خوبیاں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں۔

ناچیز کا حضرت سے تعلق:

ناچیز کا تعلق آپ سے کچھ اس طرح سے ہوا کہ بچپن میں ایک کتاب ''معلم الدین'' گھر میں نظر آتی تھی جس پر مصنف کا نام قاری شریف احمد لکھا ہوتا تھا۔ غالب گمان یہ ہے کہ یہ کتاب ہمشیرہ کی تھی جو مدرسۃ البنات شیرانوالہ دروازہ لاہور میں پڑھا کرتی تھیں اور اُس کے نصاب میں یہ کتاب داخل تھی، یہ مدرسہ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ (م: ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۲ء) نے قائم فرمایا تھا اور اس کتاب کو آپ نے ہی پسند فرماتے ہوئے مدرسہ کے نصاب میں شامل فرمایا تھا، خیر یہ کتاب نظر سے گزرتی اور قاری صاحب رحمہ اللہ کا نام سامنے آتا تو دل میں ایک عقیدت سی پیدا ہوتی، پھر جوں جوں وقت گزرتا گیا کتابوں سے واقفیت ہوتی گئی، مدرسہ کے ماحول میں آئے تو آپ کے بارہ میں معلومات ہوئیں اور پتہ چلا کہ آپ حضرت سید صاحب کے خلیفہ مجاز بھی ہیں اس سے عقیدت اور تعلق میں مزید اضافہ ہوا، احقر نے جب مکتبہ قاسمیہ کے نام سے اُردو بازار میں دُکان کی اور اس میں مختلف اداروں کی کتابیں منگوائیں تو آپ کے ادارے ''مکتبہ رشیدیہ'' کی کتابیں بھی منگوائیں، اس طرح آپ سے راہ و رسم پیدا ہوئی۔ آپ لاہور تشریف آوری کے موقع پر اُردو بازار آتے تو گاہے بگاہے مکتبہ پر بھی تشریف لے آتے، ۱۹۸۸ء میں حضرت سید صاحب اور ۱۹۹۲ء میں حضرت قاری عبدالرشید صاحب کا انتقال ہوا تو ناچیز کے دل میں خیال آیا کہ بزرگ اُٹھتے جا

رہے ہیں اور باقاعدہ تعلق کسی سے قائم نہیں کیا، اس کوتاہی کو دور کرنا چاہیے اور ضرور کسی نہ کسی بزرگ سے اصلاحی تعلق قائم کر لینا چاہیے۔ یہ داعیہ اس لیے بھی پیدا ہوا کہ اُن دنوں شیعہ سنی فسادات کی وجہ سے حالات اس قدر خراب ہو رہے تھے کہ جان تلی پہ رکھ کے جانا آنا ہوتا تھا اور کوئی پتہ نہیں ہوتا تھا کہ کس وقت کسی نادیدہ حملہ آور کے حملے کا شکار ہو کر زندگی کی بازی ہار دیں۔

اس راہ میں ضروری ہے کہ جس بزرگ سے تعلق قائم کیا جائے اُس سے مناسبت دیکھ لی جائے مناسبت ہو تو اس سے تعلق قائم کیا جائے ورنہ کسی اور بزرگ سے رابطہ کیا جائے۔ راقم الحروف کو حضرت قاری صاحب سے زبان ووطن کے لحاظ سے بھی مناسبت تھی اور آپ کے اَخلاقِ عالیہ کا بھی طبیعت پر گہرا اثر تھا۔ دوسرے مولانا محمود میاں صاحب زید مجدہم نے بھی آپ کی طرف ہی رغبت دلائی۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ہمارے اُستاذ ومربی حضرت قاری عبد الرشید صاحب اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جہاں بھی جاؤ اس کا خیال رکھو کہ سلسلہ حضرت مدنی کا رہے وہ نہ چھوٹنے پائے۔ ان سب باتوں کے پیش نظر ناچیز نے یہی فیصلہ کیا کہ اصلاحی تعلق حضرت قاری صاحب ہی سے قائم کرنا ہے۔

نومبر ۱۹۹۴ء کی بات ہے کہ حضرت قاری صاحب کراچی سے تشریف لائے اور دار العلوم الاسلامیہ پرانی انارکلی میں اُوپر کی منزل پر بھائی لیاقت صاحب کے گھر قیام پذیر ہوئے، آپ جب بھی لاہور تشریف لاتے تھے قیام وہیں فرماتے تھے، میں ایک روز عشاء بعد دُکان بند کر کے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے ارادہ کا اظہار کیا۔ حضرت نے معذرت کی اور کہیں اور رجوع کرنے کا مشورہ دیا۔ میں خاموشی سے واپس چلا آیا، دوسرے روز پھر حاضر ہوا اور یُوں ہی درخواست کی اس روز بھی حضرت نے انکار ہی کیا، تیسرے روز میں پھر حاضر ہوا اور میں نے عرض کہ حضرت میرا مقصد صرف اللہ کا نام سیکھنا ہے اور کچھ نہیں۔ مجھے آپ سے طبعی مناسبت بھی ہے، جناب اگر بیعت فرمالیں گے تو احسان ہوگا، کافی دیر توقف کے بعد حضرت نے بیعت فرمالیا۔ شروع میں انکار کی وجہ ایک تو یہ سمجھ آتی ہے کہ آپ میں تواضع

بہت تھی اور دوسری وجہ یہ تھی کہ آپ عموماً کسی کو بیعت نہیں فرماتے تھے۔ اُخیر تک معاملہ ایسے ہی رہا بہت کم لوگوں کو آپ نے بیعت فرمایا۔ بیعت ہونے کے بعد ناچیز کو حضرت سے غیر معمولی تعلق ہو گیا جو فطرتاً ایسی صورت میں ہوا ہی کرتا ہے، اُدھر حضرت کی توجہات، عنایتیں اور شفقتیں بھی بڑھ گئیں۔ حضرت جب بھی کراچی سے لاہور تشریف لاتے اَحقر کو قدم بوسی اور خدمت کا شرف حاصل ہوتا، حضرت ہمارے ادارے ''صفہ ٹرسٹ'' کی تقریبات میں شریک ہوتے۔ مکتبہ پر بھی تشریف بری ہوتی۔ اور غریب خانہ کو بھی اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرماتے، آخری مرتبہ لاہور تشریف لائے تو ''صفہ'' ہی میں قیام فرمایا، اس قیام میں اس قدر راحت اور خوشی محسوس کی کہ بار بار اس کا تذکرہ فرماتے اور دعاؤں سے نوازتے۔

ناچیز کا ہر سال کراچی جانا ہوتا تو قیام حضرت کے پاس ہی ہوتا۔ حضرت اس پر بھی خوش ہوتے اور دعائیں دیتے۔ احقر کا آپ کی مسجد میں بیان ہوتا تو سامنے بیٹھ کر سارا بیان سنتے۔ بیان کے بعد آپ سے ملتا تو تحسین فرماتے اور دعائیں دیتے۔ آپ کے شاگرد و مرید بھائی فہیم الدین صاحب جب ہم سب ساتھیوں کی اپنے گھر دعوت کرتے تو حضرت قاری صاحب بھی از راہِ کرم تشریف لے جاتے۔ آپ کے آنے سے مجلس کی رونق دو بالا ہو جاتی۔

سال کے دوران خط و کتابت کے ذریعہ بھی حضرت سے رابطہ رہتا، آپ بالالتزام ہر خط کا جواب مرحمت فرماتے، آپ کا ہر خط بندۂ ناچیز کے لیے ڈھیروں دعاؤں اور حوصلہ افزائی سے بھرا ہوتا۔ احقر نے آپ کے تمام خطوط محفوظ کر لیے تھے، انہیں شمار کیا تو ڈیڑھ سو سے زائد خطوط نکلے، کمال یہ ہے کہ آپ ہر خط کا جواب اپنے ہاتھ سے تحریر فرماتے تھے، اور خط نہایت نفیس اور پاکیزہ ہوتا تھا۔ اخیر عمر میں بھی آپ کے اس طرز میں فرق نہیں آیا۔ آپ کا آخری خط جو خود آپ کے ہاتھ کا تحریر کردہ تھا وہ آپ نے وفات سے تقریباً پانچ ماہ پیشتر ۲ر ذوالحجہ ۱۴۳۲ھ/ ۹ر نومبر ۲۰۱۰ء میں تحریر فرمایا۔

حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قرآن کریم سے تعلق:

حضرت قاری صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بڑی خوبیوں سے نوازا تھا۔ سب سے بڑی خوبی

جو آپ میں نظر آتی ہے وہ ہے قرآن کریم سے بے مثال تعلق، اگر کہا جائے کہ آپ فنافی القرآن تھے تو اس میں مبالغہ نہیں ہوگا آپ نے دو سال میں قرآن کریم حفظ کرلیا تھا۔ تعلیم سے فراغت ہوئی تو قرآن کریم کی تدریس کو اپنایا، ساری زندگی اسی عظیم کتاب کے پڑھانے میں گزاری، سینکڑوں بچوں نے آپ سے قرآنِ کریم حفظ وناظرہ پڑھا، آپ کا اپنا معمول تھا کہ روزانہ دس پارے چلتے پھرتے پڑھ لیا کرتے تھے۔ ۴۷ مرتبہ رمضان المبارک میں تراویح میں قرآن سنایا۔ سالہا سال رمضان کی آخری راتوں (۲۱ تا ۲۷) میں قیام اللیل (آپ کا معمول تھا کہ آپ بارہ رکعات تراویح پڑھا کر کسی اور کو باقی تراویح پڑھانے کے لیے آگے کردیتے تھے، پھر اخیر شب میں اپنی باقی آٹھ تراویح میں دوسرا قرآنِ کریم پڑھتے تھے جو سات روز میں ختم ہوجاتا تھا، یہ مروّجہ شبینہ نہیں ہوتا تھا۔) میں ایک قرآن ختم کرنے کا معمول رہا۔

آپ نے چونکہ تجوید اپنے وقت کے امامِ فن حضرت قاری عبدالمالک صاحب سے پڑھی تھی اس لیے آپ قرآن کریم نہایت عمدہ پڑھا کرتے تھے۔ راقم الحروف نے آپ کی تلاوت سب سے پہلے ۱۶ مارچ ۱۹۹۶ء میں حاجی مبین صاحب کے گھر عشاء کی نماز میں سنی، اس کی صورت یہ ہوئی کہ اس سال حضرت قاری صاحب لاہور تشریف لائے تو حاجی مبین صاحب (آپ حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب کے متوسلین میں سے ہیں، حضرت سید صاحب ہی نے حاجی صاحب کا تعارف حضرت قاری صاحب سے کروایا تھا۔ آپ جب بھی کراچی جاتے تھے حضرت قاری صاحب سے ضرور ملتے تھے۔ اسی طرح جب حضرت قاری صاحب لاہور تشریف لاتے تو حاجی صاحب سے ملنے ان کے گھر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ستمبر ۱۹۹۵ء کے ایک گرامی نامہ میں حضرت قاری صاحب نے حاجی صاحب کے متعلق تحریر فرمایا تھا ''مبین صاحب کے صاحبزادے ایک روز مدرسہ آئے تھے اُنہوں نے بتلایا کہ اُن پر فالج کا حملہ ہوگیا ہے۔ پھر اُن سے بات بھی کرادی۔ اس کے بعد خط بھی لکھ دیا تھا۔ اپنے بزرگوں سے محبت اور تعلق رکھنے والے ہیں۔ بہت شریف اور بے ضرر بزرگ ہیں جامعہ مدنیہ کے ہمدرد ہیں اللہ تعالیٰ ان کا سایہ تادیر سلامت رکھے۔ آمین'')

کے گھر تشریف لے گئے، ہم بھی ساتھ تھے حاجی صاحب چشم براہ تھے پرتپاک انداز سے ملے اندر بٹھایا، نمازِ عشاء کا وقت ہو چکا تھا لہٰذا اس کی تیاری شروع ہوگئی، ہم لوگ وضوء کر کے آئے تو حضرت قاری صاحب نے فرمایا کہ بھائی میں تو مسافر ہوں دو رکعت پڑھنی ہیں اس لیے نماز مولوی نعیم صاحب پڑھائیں گے۔ اس موقع پر آپ نے یہ واقعہ سنایا کہ ایک دفعہ حضرت قاری طیب صاحب (م: ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء) ہمارے یہاں تشریف لائے، عشاء کا وقت ہوا تو میں نے حضرت قاری صاحب سے نماز پڑھانے کی درخواست کی آپ نے منظور فرمائی، میں نے نمازیوں سے کہا کہ حضرت مسافر ہیں اس لیے دو رکعتیں پڑھائیں گے، آپ لوگ اپنی بقیہ دو رکعتیں خود پڑھ لیں، ایک صاحب بولے انہیں نماز پڑھانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ میں نے کہا ضرورت یہ ہے کہ آپ لوگوں کو مسئلہ معلوم ہو جائے، اس پر مولانا محمود میاں صاحب کہنے لگے پھر تو حضرت آپ ہی نماز پڑھایئے تاکہ ہمیں بھی مسئلہ معلوم ہو جائے۔ چنانچہ حضرت قاری صاحب آگے بڑھے اور امامت شروع کر دی پہلی رکعت میں اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّ اَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ سے لے کر وَ لَا خِلٰلٌ تک پڑھا اور دوسری رکعت میں اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ سے لے کر لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ تک پڑھا۔ پہلی دفعہ راقم کو آپ کے پیچھے نماز پڑھنے کا موقع نصیب ہوا تھا، آپ کی قراءت سن کر از حد خوشی ہوئی، باوجود پیرانہ سالی اور ضعف کے اس قدر عمدہ قراءت، سبحان اللہ ہر لفظ تجوید و ترتیل کے ساتھ ادا فرماتے تھے، لہجہ میں پختگی قابلِ رشک تھی۔

تعلیم قرآن پر کبھی اُجرت نہیں لی:

حضرت قاری صاحب کی اکتوبر ۲۰۰۸ء میں آخری بار جب لاہور تشریف آوری ہوئی تو ایک مجلس میں آپ نے ہمیں بتایا کہ ''تعلیم قرآن پر میں نے کبھی اُجرت نہیں لی۔'' وہ جو حدیث میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کہنا ہے کہ جس شخص کو قرآن شریف کی مشغولی کی وجہ سے ذکر کرنے اور مجھ سے مانگنے کی فرصت نہیں ملتی میں اس کو

سب، دعائیں مانگنے والوں سے زیادہ عطا کرتا ہوں او کما قال‘‘ میں تو اس کا اثر دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ بے مانگے اتنا اور اُس جگہ سے دے دیتے ہیں کہ جہاں سے گمان بھی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایک سال چھوڑ کر ایک سال حج پر جا تا رہا ہوں۔ میرے تمام خرچ چلتے رہتے ہیں کسی پر میں بوجھ نہیں بنتا، یہ جو ساجد ہے تین سال سے شب و روز خدمت میں لگا ہوا ہے اللہ اسے جزاء خیر دے۔ میں اسے آٹھ ہزار روپے ماہوار دیتا ہوں کسی کو بھی اس چیز کا پتہ نہیں ہے۔‘‘

قرآن کریم کی تعلیم پر ملنے والی بشارت کا حصول:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں قرآن کریم کی تعلیم و تعلم پر یہ عظیم بشارت دی ہے کہ جو شخص بھی قرآن کو پڑھے اور پڑھائے گا وہ خیرِ اُمت اور معاشرہ کا بہترین فرد ہوگا۔

چنانچہ ایک حدیث شریف جو فاتح عراق حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں آتا ہے کہ

’’حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ

تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآن کو سیکھے اور سکھائے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی نقل کر کے فرماتے ہیں

’’وَاَخَذَ بِيَدِىْ فَاَقْعَدَنِىْ فِىْ مَجْلِسِ اُقْرِئُ‘‘

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور ایک مکتب میں مجھے قرآن پاک پڑھانے کے لیے بٹھا دیا۔‘‘ (اخلاق حملۃ القرآن بحوالہ فضائل حفاظ القرآن، ص: ۸۵)

حضرت سعد بن عبیدہ حضرت ابو عبدالرحمٰن سلمی کے واسطے سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ:

’’آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ تم میں

سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآن کو سیکھے اور سکھائے۔ سعد بن عبیدہ کہتے ہیں ہمارے اُستاذ ابوعبدالرحمن سلمی جنہوں نے ہمیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے واسطے سے حضور علیہ السلام کی یہ حدیث سنائی تھی وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے اخیر دور سے لے کر حجاج بن یوسف کے شروع دور تک قرآن کریم پڑھاتے رہے، وہ فرماتے تھے کہ اسی حدیث نے مجھے (جامع مسجد کوفہ کے) اس مقام پر تعلیمِ قرآن کے لیے بٹھا رکھا ہے۔''

(بخاری ج:۲،ص:۷۵۲)

فقیہ الامت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس طرح نقل فرماتے ہیں:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خَيْرُكُمْ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَأَقْرَأَهُ، تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآن پڑھے اور پڑھائے۔ (معجم طبرانی)

انہی احادیث مبارکہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے سلفِ صالحین، قراء کرام اور اَساتذہ عظام نے اپنی زندگیاں قرآن کریم کی تعلیم و تعلم میں صرف فرمائیں، اس مقدس فریضہ کو نبھایا اور دنیا و آخرت میں افضل ترین اشخاص ہونے کا زبانِ رسالت سے اعزاز حاصل کیا۔

حکیم الامت حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے دمشق کی جامع مسجد میں بیٹھ کر سولہ سو حفاظ تیار کیے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج میں تین سو افراد کو حفظِ قرآن کی دولت سے مالا مال کیا۔ جلیل القدر تابعی حضرت ابوعبدالرحمن سلمی جامع مسجد کوفہ میں بیٹھ کر اڑتیس برس تک قرآن کریم کی تعلیم دیتے رہے، ماضی قریب میں سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ (م: ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء) کے شیخ طریقت حضرت میاں جی نور محمد قدس سرہ (م: ۱۲۵۹ھ/۱۸۴۳ء) تھانہ بھون کے قریب قصبہ لوہاری کے ایک مکتب میں بچوں کو قرآن کریم پڑھاتے رہے، یہی عمل حضرت قاری فضل کریم (م: ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء) اور قاری رحیم بخش صاحب (م: ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء) جیسی ہستیوں نے اپنایا اور ساری ساری زندگی اسی میں لگادی۔

اس تناظر میں جب ہم حضرت قاری صاحب کو دیکھتے ہیں تو ہمیں آپ کی زندگی پر رشک ہونے لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر خاص فضل فرمایا آپ تقریباً پون صدی تک قرآن کریم پڑھانے میں مصروف رہے اور سینکڑوں کی تعداد میں حفاظِ قرآن تیار کر کے خیرِ اُمت ہونے کا اعزاز حاصل کرلیا۔

دیکھنے میں آتا ہے کہ انسان بڑھاپے کی حالت میں عام طور پر ایسی حالت پر پہنچ جاتا ہے کہ اس کے ہوش وحواس ٹھکانے نہیں رہتے، نہ ہاتھ پاؤں میں طاقت رہتی ہے، بالکل نکما ہو جاتا ہے نہ کوئی بات سمجھتا ہے نہ سمجھی ہوئی بات یادرکھ سکتا ہے بالکل بچے کی مانند ہو جاتا ہے جس کو نہ علم وخبر ہوتی ہے اور نہ ہی فہم وفراست، اس حقیقت کو قرآن کریم میں ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشادفرماتے ہیں:

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰكُمْ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ (۱٦: ۷۰)

''اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا، پھر وہ تمہاری جان قبض کرتا ہے، اور بعض تم میں وہ ہیں جو ناکارہ عمر تک پہنچا دیے جاتے ہیں جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک چیز سے باخبر ہو کر پھر بے خبر ہو جاتے ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ بڑے علم والے بڑی قدرت والے ہیں۔''

لیکن حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ قرآن وسنت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیتے ہیں وہ اس بُری حالت سے محفوظ رہتے ہیں ان کی حالت ایسی نہیں ہوتی۔ چنانچہ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ لَمْ يُرَدَّ اِلٰى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا وَذَالِكَ قَوْلُهٗ عَزَّ وَجَلَّ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ اِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا قَالَ اِلَّا الَّذِيْنَ قَرَأُوْا الْقُرْاٰنَ''

(المستدرك على الصحيحين ج۳، ص۳۸۲، حديث نمبر: ٤٠٠٦، طبع بيروت)

''جو قرآن پڑھتا ہے وہ اس نکمی عمر سے محفوظ رہتا ہے جس میں انسان علم کے بعد بے علم ہو جاتا ہے، اور ارشاد باری ثُمَّ رَدَدْنَاهُ اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ اِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا کے بھی یہی معنیٰ ہیں کہ پھر ہم انسان کو پستی کی حالت والوں سے بھی پست تر کر دیتے ہیں لیکن جو ایمان لائیں یعنی قرآن پاک پڑھیں، (وہ ایسی بُری حالت سے محفوظ رہتے ہیں۔)''

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے اس فرمان کے مطابق جب ہم حضرت قاری صاحبؒ کو دیکھتے ہیں تو ہمیں آپ کی ذات میں اس فرمان کی سچائی کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ ذرا غور کیجیے حضرت قاری صاحب کی عمر سو سال کے لگ بھگ ہے لیکن عقل و حافظہ بدستور قائم ہیں عقل میں ذرا فتور نہیں، سماعت و بصارت دونوں سلامت ہیں۔ چہرے کی شگفتگی جوں کی توں ہے، ہمت جوانوں کی طرح جوان ہے۔ زندگی کے اخیر لمحات تک پڑھانے کا جذبہ موجزن ہے چلنے سے معذوری ہے تو چیر پر بیٹھ کر مدرسہ جاتے ہیں اور بچوں کو پڑھاتے ہیں، جا نہیں سکتے تو بچوں کو گھر بلا کر ان کا سنتے ہیں۔ یہ سب آپ کی خدمتِ قرآن کی قبولیت کی بیِّن دلیل اور حدیث مبارک کی صداقت کا کھلا ثبوت نہیں تو اور کیا ہے، ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء

استغناء و توکل:

حضرت قاری صاحب کی ایک خوبی آپ کا استغناء و توکل ہے سب کو معلوم ہے کہ آپ نے کراچی میں اقامت کا ابتدائی دور نہایت عسرت و تنگی کے ساتھ گزارا لیکن کبھی کسی کے سامنے اپنی ضرورت و حاجت کو نہیں رکھا، اللہ تعالیٰ ہی سے مانگا جو کچھ مانگا۔

آپ کے پاس امیر کبیر لوگوں کے بچے پڑھتے رہے سیٹھ عابد صاحب کے صاحبزادہ حافظ ایاز مرحوم نے آپ ہی سے قرآنِ کریم حفظ کیا۔ آپ اگر چاہتے تو اُن کے ذریعہ کیا کچھ نہ حاصل کر لیتے ؟ لیکن کبھی آپ نے ان سے اپنی ذات کے لیے کچھ نہیں لیا۔ آپ کو بریلوی مکتبہ فکر کی ایک بڑی مسجد میں امامت کی پیشکش کی گئی لیکن آپ نے ضمیر کے خلاف سودا نہیں کیا اور انکار کر دیا۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ (م: ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء) نے حضرت قاری صاحب کو مدرسہ سے سٹی اسٹیشن کی مسجد سائیکل پر جاتے دیکھا تو حضرت قاری صاحب سے فرمایا خواجہ ناظم الدین (سابق وزیر اعظم پاکستان) (م: ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء) چاہتے ہیں کہ کوئی اچھا استاذ ان کے بچوں کو گھر پر پڑھا دیا کرے۔ میری نظر میں آپ موزوں ہیں۔ حضرت قاری صاحب نے گھر جا کر پڑھانے سے انکار کر دیا اور فرمایا خواجہ صاحب کے بچے مدرسہ میں آنا چاہیں تو انکار نہیں سب کے ساتھ پڑھیں۔ مدرسہ کے اوقات کے علاوہ اِنفرادی طور پر میں نہیں پڑھاتا۔

سادگی و نفاست:

حضرت قاری صاحب میں اللہ تعالیٰ نے یہ خوبی بھی رکھی تھی کہ آپ طبعاً سادہ اور نفاست پسند تھے۔ سٹی اسٹیشن کی مسجد کا وہ کمرہ جس میں آپ کی رہائش تھی اس درجہ مرتب، منظم اور ٹھکانے کا تھا کہ ہر آنے جانے والا بالخصوص نو وارد متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا، کمرے میں ہر چیز اپنی مناسب جگہ پر اس قرینے سے چنی ہوئی تھی کہ معمولی چیز بھی غیر معمولی طور پر بھلی لگتی اور نشست گاہ کی مجموعی وضع انسان کو دعوتِ نظارہ دیتی رہتی، آپ برتنوں کو استعمال کے بعد پانی سے دھو کر اور صاف کپڑے سے پونچھ کر قرینے سے اس کی جگہ رکھنے کے عادی تھے۔ آپ کی چاء دانی، کپ، چمچے، چینی دانی اور دودھ وغیرہ کی صفائی دیدنی ہوتی تھی۔ بعینہٖ یہی حال اس کمرے کا بھی تھا جس میں آپ نے زندگی کے آخیر لمحات گزارے۔

آپ کی نفاستِ طبع کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ جب آپ لاہور تشریف لائے اور ہمارے گھر تشریف آوری ہوئی تو میں نے عرض کیا کہ حضرت آج رات قیام یہیں فرمالیں آپ کو انشاء اللہ کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوگی۔ فرمایا: تمہارے یہاں کا تو پنکھا بھی اس قدر تیز اور آواز کے ساتھ چلتا ہے کہ مجھے تو ساری رات نیند بھی نہیں آئے گی۔

نظم وضبط:

حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی طبیعت میں نفاست کے ساتھ ساتھ نظم وضبط بھی بہت

تھا۔ آپ ہر کام انتہائی نظم وضبط کے ساتھ کرتے تھے اور اپنے احباب سے بھی یہی چاہتے تھے کہ سب نظم وضبط کو اپنائیں اور بے ڈھنگا پن چھوڑ دیں۔

سونے جاگنے کا عمل ہو، یا خور ونوش کا، مدرسے کے معمولات ہوں یا مسجد کے امور، آپ ہر کام کو اہتمام کے ساتھ اس کے وقت پر انجام دینے کے عادی تھے جس کام کے لیے جو وقت طے کر دیا مجال نہیں کہ اس کے خلاف ہو سکے، آپ روزانہ مدرسے میں طلباء سے پہلے پہنچ جاتے تھے اور مدرسے کے وقت میں سوائے پڑھانے کے اور کسی قسم کی مشغولیت نہیں رکھتے تھے حتیٰ کہ آپ کو یہ بھی گوارا نہیں تھا کہ مدرسے کے وقت میں کوئی ملاقات کے لیے آئے، آپ نے اپنے تلامذہ کو بھی اسی نظم وضبط کا پابند بنا رکھا تھا۔ آپ کے شاگرد آتے جاتے سلام کرتے اور نہایت سلیقے کے ساتھ اپنی اپنی نشست پر بیٹھتے۔

خوش مزاجی وظرافت:

حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ میں یہ خوبی بھی دیکھنے میں آتی تھی کہ آپ باوجود پیرانہ سالی کے خوش مزاج تھے، طبیعت میں ظرافت تھی خشکی اور چڑچڑا پن نہیں تھا، بسا اوقات سنجیدہ مزاح بھی فرمایا کرتے تھے، کسی وقت کوئی لطیفہ بھی سنا دیتے تھے۔ ایسا بھی ہوتا کہ آپ خوش طبعی کے طور پر کوئی ایسا جملہ یا کوئی ایسی کہاوت بیان فرمادیتے جس سے محفل کشت زعفران بن جاتی۔ عجیب بات یہ تھی کہ بسا اوقات آپ خود بھی اس سے محظوظ ہوتے نظر آتے تھے۔

ایک دفعہ ایسے ہوا کہ ناچیز اور مولانا عابد صاحب ناظم صفہ ٹرسٹ حضرت کے پاس آپ کی مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے، حضرت نے چائے بنا کر خوبصورت کپوں میں ہمارے سامنے رکھی اور خود بھی نوش فرمانے لگے۔ حضرت نے اور میں نے جلدی سے چائے ختم کر لی۔ عابد صاحب جلدی سے پینے کے بجائے ٹھنڈی ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ حضرت نے یہ دیکھا تو فرمایا: ''آپ مکروہِ تحریمی کا ارتکاب کر رہے ہیں۔'' عابد صاحب حضرت سے یہ سن کر بوکھلا سے گئے کہ میں ایسا کیا کر رہا ہوں جس سے مکروہِ تحریمی کا ارتکاب ہوتا ہو؟ حضرت نے ان کی یہ کیفیت بھانپ کر فرمایا: ''چائے ٹھنڈی کر کے پینا چائے والوں کے نزدیک مکروہِ تحریمی

ہے۔"

ایک دفعہ جبکہ حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ لاہور میں مدرسے میں تشریف فرما تھے، آپ نے یہ لطیفہ سنایا کہ ایک مرتبہ دہلی میں غیر مقلدین نے قربانی کے موقع پر گھوڑا ذبح کیا، مردہ سنت زندہ کرنے کے لیے، اور اسے کمیلہ میں لے آئے۔ وہاں جتنے قسائی تھے وہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ (م:۱۳۷۲ھ/۱۹۵۲ء) کے جاننے والے تھے، ان کو انہوں نے گوشت دیا، انہوں نے لینے کو تو لے لیا، جب گھر لائے اور بیویوں کو بتلایا کہ گھوڑے کا گوشت ہے تو انہوں نے پکانے سے انکار کر دیا۔

۱۹۹۵ء میں حضرت قاری صاحب نے اپنے پوتے بھائی تنویر احمد کی شادی کے موقع پر شرکت کی دعوت دی، میں نے دبے لفظوں میں آنے کی حامی بھر لی، لیکن اپنی افتادِ طبع کے باعث جانا نہ ہو سکا، اس پر حضرت نے ایک خط میں شکوہ کیا۔ آپ نے تحریر فرمایا:

"بعدہٗ عرض ہے تنویر احمد کی شادی پر باوجود وعدہ کے تشریف نہ لانے کا افسوس رہا۔ اگر تشریف لے آتے تو خوشی میں اضافہ ہو جاتا۔ اب اس کی تلافی بھی نہیں ہو سکتی۔"

خط ملتے ہی میں نے معذرت پیش کی اور اپنی عدمِ شرکت پر افسوس کا اظہار کیا۔ اس پر حضرت کا جواب آیا کہ

"آپ نے میاں تنویر سلّمہٗ کی (شادی میں) عدم شرکت پر افسوس کا اظہار فرمایا۔ مجھے آپ کی عدمِ شرکت پر افسوس تھا۔ آپ نے بھی اظہار افسوس فرمایا۔ معاملہ برابر ہو گیا۔"

آپ دوسروں کے معاملات میں بلاوجہ دخل نہیں دیتے تھے اور اس موقع پر فرماتے تھے "کوئلوں کی دلالی میں ہاتھ کالے" کسی معاملے میں پڑنے سے اُلگ رہنا ہی بہتر ہے، خواہ مخواہ پریشان ہونا پڑتا ہے۔

کبھی ایسا ہوتا کہ کوئی آپ کے سامنے اپنی بات رکھنے کے لیے کوئی عذر پیش کرتا اور حقیقت میں وہ عذر نہ ہوتا بلکہ اپنی سستی اور کاہلی کو چھپانا ہوتا تو اس پر فرماتے، خوئے بدرا بہانہ بسیار، بری عادت کے لیے بہتیرے بہانے ہوتے ہیں۔

اکابر سے تعلق اوران کا تذکرہ:

حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے یہ شرف بھی بخشا تھا کہ جن اکابر سے آپ نے فیض پایا، جن مشائخ سے آپ نے استفادہ کیا اور جن ہستیوں کی دید سے آپ کی آنکھیں روشن ہوئیں اُن میں سے ہر ایک آسمانِ رشد وہدایت کا روشن ستارا اور تقویٰ وطہارت، خلوص وللّٰہیت کا مجسم پیکر تھا۔ آپ موقع بہ موقع اُکابر کے واقعات سنایا کرتے تھے۔ اِن واقعات کو سن کر ایمان کو جلا اور یقین کو تقویت ملتی تھی، ذیل میں چند اکابر کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو ہم نے حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی زبانی سنا۔

۲ رنومبر ۲۰۰۲ء کی بات ہے کہ ہم نے فجر کی نماز حضرت قاری صاحب کی اقتداء میں سٹی اسٹیشن کی مسجد میں ادا کی۔ اس نماز میں آپ نے پہلی رکعت میں سورۃ الفجر اور دوسری میں سورۃ اللیل تلاوت فرمائی تھی، نماز کے بعد اُوپر کمرے میں حضرت کے پاس حاضری ہوئی۔ حضرت نہایت پرتپاک انداز سے ملے۔ حضرت قاری صاحب نے ہم کو چائے پلائی جس کا پانی پہلے سے تیار تھا۔ آپ نے فرمایا نماز سے پہلے چاء تیار کرلیتا ہوں اور نماز کے بعد ناشتہ کرتا ہوں، آپ کا ناشتہ کیا تھا؟ خود فرمایا: ''مکہ بیکری والوں سے دوروپے کے رس لے آتا ہوں دو دن چل جاتے ہیں'' وہی رس، مکھن لگا کر جناب نے ہمیں پیش کیے، اس دوران آپ ہمیں اکابر کے واقعات سناتے رہے۔

حضرت علامہ انور شاہ صاحب کا ذکر:

فرمایا: ہم ۱۹۳۳ء میں دیوبند پڑھنے گئے تو ہماری عمر چھوٹی تھی، ہم ''شرح جامی'' پڑھتے تھے، حضرت (علامہ انور) شاہ صاحب (مؔ: ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء) مرض الوفات میں تھے۔ بیماری کی وجہ سے کئی دن سے کچھ کھایا بھی نہیں تھا۔ جمعہ کے دن دیوبند کی جامع مسجد میں شاہ صاحب کی تقریر کا اعلان ہوا، آپ منبر پر بیٹھے، چہرے پر ایسی رونق جیسے آسمان سے چاند اتر آیا ہو، جی چاہتا تھا کہ دیکھتے ہی رہو، ایسا نورانی چہرہ دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ ایسے فرشتہ صورت لوگ بھی بیمار ہوتے ہیں؟ بیٹھتے ہی حضرت شاہ صاحب نے میرے دل میں جو بات

تھی اسی پر بیان فرمایا: ''بھائیو: مسلمانوں میں دو طرح کے لوگ ہوتے ہیں نیک اور بد، نیک آدمی اگر بیمار ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو بیمار ڈال کر درجات بلند کرتے ہیں اور گنہگار کو بیمار ڈال کر گناہوں سے پاک وصاف کر کے اپنے پاس بلاتے ہیں۔'' شاہ صاحب کی اس بات سے میرے دل میں جو خیال آیا تھا وہ دور ہو گیا۔

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کا ذکر:

اسی مجلس میں حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا:

ہم نے مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ (م: ۱۳۴۷ھ/ ۱۹۲۸ء) کی بھی زیارت کی ہے، ان کا تو ایک لطیفہ بھی اب تک یاد ہے۔ اس زمانے میں سقہ (ماشکی) پانی بھرا کرتا تھا۔ گرمیوں کے رمضان کے دن تھے۔ سقہ بے خبری میں بولا: پہلے تو روزہ و رمضان نے مارا۔ اس سے بچا تو مفتی عزیز الرحمٰن نے مارا۔ حضرت مفتی صاحب پاس ہی تھے اس کی یہ بات آپ نے سن لی اور فرمایا: ابے میں نے تجھے کیوں مارا؟ وہ گھبرا کر بھاگ کھڑا ہوا۔

حضرت تھانوی کی زیارت کا واقعہ:

ایک دفعہ ناچیز نے عرض کیا کہ جناب نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ (م: ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء) کی زیارت بھی کی ہے؟ فرمایا:

''ہاں آپ کی وفات سے چند روز پہلے اتفاقیہ زیارت نصیب ہوگئی، قصہ کچھ اس طرح سے ہوا کہ میں دہلی میں شاہدرہ گیا ہوا تھا، یہاں سے چھوٹی لائن براستہ کاندھلہ اور شاملی تھانہ بھون جایا کرتی تھی، تھانہ بھون سے سہارنپور جا کر بڑی لائن سے مل جاتی تھی، حضرت تھانوی رحمہ اللہ بیمار تھے اور علاج کے لیے لکھنؤ تشریف لے گئے تھے علاج کروا کر بیماری کی حالت میں واپس تھانہ بھون تشریف لے جا رہے تھے۔ رمضان کا آخری عشرہ تھا، شاہدرہ اسٹیشن پر معلوم ہوا کہ تھانہ بھون والے مولوی صاحب تشریف لا رہے ہیں میں وہیں رک گیا۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ حاجی رشید احمد میرٹھی کی کار میں تشریف لائے۔ اس موقع پر آپ کی زیارت ہوئی۔ میں نے شاہدرہ سے شاملی تک کا ٹکٹ لے لیا۔ درمیان میں جس اسٹیشن پر

گاڑی رکتی اتر کر زیارت کر لیتا۔ اس طرح میں نے کئی مرتبہ حضرت کی زیارت کی۔"

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب سے تعلق:

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب (م: ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۲ء) سے آپ کا نہایت قریبی اور گہرا تعلق تھا۔ آپ کی تعلیم کا آغاز ہی مدرسہ امینیہ دہلی میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کے زیر سایہ ہوا تھا۔

۱۶/مارچ ۱۹۹۶ء بروز ہفتہ کی بات ہے کہ حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ ہمارے مکتبہ پر اردو بازار تشریف لائے۔ ابھی آپ آ کر بیٹھے ہی تھے کہ ہمارے والد صاحب کے ایک دوست حافظ قطب الدین صاحب مرحوم جو دہلی کے رہنے والے تھے وہ بھی تشریف لے آئے میں نے ان سے حضرت کا تعارف کروایا، دونوں میں دیر تک خوب باتیں ہوتی رہیں اور دونوں ایک دوسرے سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ حافظ جی نے جامع مسجد فتح پوری کے امام وخطیب مفتی مظہر اللہ صاحب کا قصہ چھیڑ دیا۔ اس پر حضرت قاری صاحب نے فرمایا: بار ہا ایسا ہوتا کہ مفتی مظہر اللہ کے پاس فتویٰ آتا تو حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کے پاس بھیج دیتے۔ حضرت مفتی صاحب جواب لکھ دیتے، جب وہ مفتی مظہر اللہ کے پاس پہنچتا تو وہ اسے اپنے قلم سے لکھ کر اس پر دستخط کر دیتے تھے۔

حضرت قاری صاحب نے فرمایا: حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کی شخصیت ایسی تھی کہ سب آپ کا فتویٰ مانتے تھے اور کبھی آپ کو اپنے فتوے سے رجوع نہیں کرنا پڑا۔

حضرت قاری صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت مفتی صاحب کے گھر کے سامنے جو مسجد تھی جہاں آپ نماز پڑھتے تھے اس کی صفائی خود کیا کرتے تھے لیکن آپ نماز نہیں پڑھاتے تھے۔ جب مسجد جاتے تو دیکھ لیتے کہ امام صاحب ہیں یا نہیں، اگر ہوتے تو ٹھہر جاتے ورنہ واپس چلے آتے کہ اگر ٹھہروں گا تو لوگ نماز پڑھانے کے لیے اصرار کریں گے۔

ایک موقع پر ناچیز نے حضرت قاری صاحب سے دریافت کیا کہ عیدین کے خطبے کے بعد دعاء میں اکابر کا کیا معمول تھا؟ فرمایا: حضرت مدنی کے معمول کا تو مجھے علم نہیں۔ میں نے

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب سے فتویٰ لیا تھا انہوں نے خطبے کے بعد دُعا کی اجازت دی تھی، کراچی کے حضرات اس معاملہ میں شدت برتتے ہیں۔

(مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا ملفوظ درج کردیا جائے جس سے اس سلسلہ میں اچھی رہنمائی حاصل ہوتی ہے، ملاحظہ فرمائیں: ''ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ ''عیدین میں نہ قبل الخطبہ نہ بعد الخطبہ دُعا منقول تو ہے نہیں لیکن اگر کہیں معمول ہو مگر التزام نہ ہو تو کلیاتِ شرعیہ کی بنا پر کوئی حرج بھی نہیں، ایسی چیزوں کی بحث میں نہ پڑنا چاہیے جس میں شرعاً وُسعت ہے، اہتمام کے لائق اور بہت باتیں ہیں، لوگ ان کے چھوڑنے پر آمادہ نہیں جن میں کھلم کھلا دین کی تحریف کر رہے ہیں۔''

(الافاظات الیومیہ من الافادات القومیہ، ج:۵،ص:۳۰۱،طبع: ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان)

پاکستان بننے کے بعد حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کراچی تشریف نہ لے آئے یہاں آکر آپ نے حضرت مفتی صاحب سے خط وکتابت کے ذریعے تعلق قائم رکھا۔

حضرت مدنی رحمہ اللہ سے تعلق:

حضرت قاری صاحب کو اکابرین میں سے سب سے زیادہ عقیدت شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی (م: ۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۷ء) سے تھی، حضرت قاری صاحب جمعیت علماءِ ہند کے ورکر تھے۔ جمعیت کے کاموں سے دلچسپی تھی، جمعیت کے جلسوں میں شرکت کیا کرتے تھے۔ حضرت مدنی رحمہ اللہ جمعیت کے قائدین میں سے تھے اور آپ کا اکثر دِہلی آنا جانا ہوتا رہتا تھا۔ اس حوالہ سے حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کا حضرت مدنی رحمہ اللہ سے ملنا بھی ہوتا تھا۔ اسی لیے جب آپ نے کسی بزرگ سے بیعت ہونے کا ارادہ کیا تو حضرت مدنی رحمہ اللہ کی عقیدت غالب آئی اور آپ انہی سے بیعت ہوئے۔ بیعت کے بعد یہ تعلق عقیدت سے بڑھ کر محبت بلکہ یوں کہیے عشق کی حد تک ہوگیا۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی عادات وخصائل:

آپ اپنے شیخ پر فدا تھے اور اُن کی عادات وخصائل کو اپنے اندر سمولیا تھا، جی چاہتا ہے کہ

حضرت مدنی کی کچھ عادات جو حضرت قاری صاحب نے اپنائیں اُن کا ہلکا سا خاکہ ان اوراق میں پیش کر دیا جائے شاید کوئی اپنا لے تو راقم کی مغفرت کا ذریعہ بن جائے۔

(۱) حضرت مدنی کا ایک امتیازی وصف خدمتِ خلق تھا۔ اس وصف میں آپ اس قدر بڑھے ہوئے تھے کہ اپنے اور پرائے کی بھی کوئی تفریق نہیں تھی، آپ کا جذبہ ہوتا تھا کہ ہر ایک کی خدمت ہونی چاہیے چنانچہ بلاتفریق ہر ایک کی خدمت کیا کرتے تھے، آپ کی خدمتِ خلق کے سینکڑوں واقعات کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں۔

حضرت مدنی کے اس وصف کو ہمارے حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ نے بھی اپنایا۔ آپ کا خدمتِ خلق کا جذبہ ایسا ہی تھا۔ دورانِ تعلیم اور فراغت کے بعد اپنے اساتذہ اور اکابر کی خدمت میں لگے رہے۔ کراچی آنے کے بعد یہاں اپنے اعزہ واحباب کی خدمت کی۔ ایک دفعہ حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ نے ہمیں بتلایا کہ رشید احمد کی والدہ کو کینسر کی تکلیف تھی، وہ آٹھ سال اس مرض میں مبتلا رہیں، اس عرصے میں مجھے ہی ان کی خدمت کرنی پڑی۔

ہمارے ایک دوست حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ سے بیعت ہوئے کچھ عرصے بعد خیال ہوا کہ کچھ دن شیخ کی خدمت میں گزارنے چاہئیں یہ سوچ کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، سوچا تو تھا کہ کچھ دن یہاں قیام کریں گے لیکن دو دن بعد ہی واپس چلے آئے، کہتے تھے کہ وہاں رہنا مشکل ہے، وہاں تو مخدوم خادم بن گئے تھے اور جو خادم بن کر گئے تھے وہ مخدوم نظر آتے تھے۔ ایسی صورت میں کیسے رہا جاتا؟

(۲) حضرت مدنی رحمہ اللہ کا مزاج تھا کہ اپنے جوتے خود اُٹھاتے تھے کسی کو آپ کے جوتے اُٹھانے کی اجازت نہیں تھی، اس سلسلہ میں حضرت مدنی رحمہ اللہ کا ایک واقعہ نظر سے گزرا جو دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ عبرت انگیز بھی ہے موقع کی مناسبت سے ذکر کیا جاتا ہے۔ مولانا ابوالحسن بارہ بنکوی لکھتے ہیں:

''مولانا عبداللہ صاحب فاروقی رحمہ اللہ ایک سن رسیدہ بزرگ ہیں لاہور میں قیام رہتا ہے حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری (قدس سرہ) سے بیعت ہیں اور حضرت شیخ

الہند رحمہ اللہ سے شرف تلمذ حاصل ہے، جس زمانہ میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ دیو بند میں مقیم تھے اور مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ مدینہ طیبہ میں رہا کرتے تھے اُس زمانہ میں آپ حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے اور حضرت مولانا حسین احمد صاحب رحمہ اللہ کے یہاں قیام فرمایا۔ مولانا عبداللہ صاحب فاروقی کا بیان ہے کہ ایک روز جب کہ میں حضرت مدنی رحمہ اللہ کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھنے گیا تو واپسی میں مولانا کا جوتا اُٹھالیا۔ مولانا اس وقت تو خاموش رہے لیکن دوسرے وقت جب ہم لوگ نماز پڑھنے گئے اور نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے واپس ہونے لگے تو میں دیکھتا کیا ہوں کہ مولانا حسین احمد صاحب میرے جوتے اپنے سر پر رکھے ہوئے جارہے ہیں۔ میں پیچھے پیچھے بھاگا۔ اس پر مولانا نے بھی تیز چلنا شروع کر دیا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ جوتا لے لوں مگر نہیں لینے دیا۔ میں نے کہا: خدا کے لیے سر پر تو نہ رکھیے! فرمایا: عہد کرو کہ آئندہ حسین احمد کا جوتا نہ اُٹھاؤ گے۔ میں نے عہد کرلیا تب جوتا سر پر سے اُتار کر نیچے رکھا۔'' (شیخ الاسلام کے حیرت انگیز واقعات ص:۱۲۸)

ہمارے حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کا مزاج بھی کچھ ایسا ہی تھا آپ اپنا جوتا خود اٹھاتے تھے، کسی دوسرے کو ہرگز بھی اپنا جوتا نہیں اُٹھانے دیتے تھے۔

(۳) حضرت مدنی رحمہ اللہ اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ کوئی اُن کا ہاتھ چومے، اگر کوئی چومنے کی کوشش کرتا تو حضرت فوراً اپنا ہاتھ کھینچ لیتے تھے۔ حضرت قاری صاحب کا بھی یہی انداز تھا، حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ بھی ہاتھ چومنے کو پسند نہیں کرتے تھے، نہ کبھی ہمیں ہاتھ چومنے کی ہمت ہوئی، نہ ہم نے کسی کو آپ کا ہاتھ چومتے دیکھا۔

(۴) حضرت مدنی رحمہ اللہ اپنے استقبال میں کھڑے ہونے کو قطعاً پسند نہیں کرتے تھے، آپ فرماتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پسند نہیں تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے روکتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے پر بیٹھے رہتے تھے، کھڑے نہیں ہوتے تھے۔ یہی مزاج ہمارے حضرت قاری صاحب کا بھی تھا، آپ بھی اپنے استقبال کے لیے کھڑے ہونے کو پسند نہیں فرماتے تھے۔

اسی طرح حضرت مدنی علیہ الرحمہ کی اور بھی بہت سی صفات مثلاً کھانے پینے میں مہمانوں کے ساتھ شریک ہونا۔ ہر ایک کا خیال رکھنا اور کم کھانا وغیرہ وغیرہ یہ سب ہم آپ میں دیکھتے تھے۔

حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کا معمول تھا کہ آپ لاہور تشریف لاتے تو حضرت قاری سراج احمد صاحب رحمہ اللہ کے پوتے بھائی لیاقت صاحب کے یہاں قیام فرماتے، مارچ ۱۹۹۷ء کی بات ہے کہ آپ لاہور تشریف لائے تو حسب سابق قیام بھائی لیاقت صاحب کے گھر ہی فرمایا، ایک دن ہم نے حضرت سے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا:

''ہمارے حضرت شیخ الاسلام کے ایک ملنے والے تھے حافظ زاہد حسن صاحب، امروہہ کے رہنے والے، حضرت میں اور اُن میں بڑی بے تکلفی تھی جب وہ دیوبند آتے تو حضرت مٹھائی کھلاتے اور جب حضرت امروہہ جاتے تو وہ کھلاتے۔ حضرت مدنی رحمہ اللہ کا معمول تھا کہ جب بھی امروہہ تشریف لے جاتے تو حافظ زاہد حسن صاحب کے گھر ہی ٹھہرتے، جب اُن کا انتقال ہوگیا تو پھر بھی آپ اُن کے صاحبزادے (حافظ طاہر حسن) کی دلداری کے لیے اُنہی کے گھر ٹھہرتے رہے، لیاقت کے دادا قاری سراج صاحب سے ہمارے تعلقات تھے، میں جب بھی لاہور آتا تھا انہی کے پاس ٹھہرتا تھا۔ وہ بھی جب کراچی آتے تھے تو میرے پاس ٹھہرتے تھے، اُن کا معمول تھا کہ رمضان کا آخری عشرہ ہماری مسجد میں گزارتے تھے، ایک دفعہ ایسا ہوا کہ میری طبیعت خراب تھی۔ رمضان کی بیس ہو چکی تھی لیکن آپ تشریف نہیں لائے تھے۔ میں نے طبیعت کے خراب ہونے کا عذر کر کے منزل شروع نہیں کی، اگلے ہی دن قاری صاحب پہنچ گئے، میں نے سوچا کہ شاید کل شروع نہ کرنے کی یہی حکمت تھی، پھر میں نے یہ خیال کر کے کہ یہ اتنی دور سے آئے ہیں منزل شروع کر دی۔ خیر جب قاری سراج صاحب کا انتقال ہوگیا تو میں اُن کے صاحبزادے (حاجی اختر صاحب) کے اصرار پر یہیں قیام کرتا رہا۔ جب اُن کا بھی انتقال ہوگیا تو میں یہ سوچ کر کہ اب یہاں نہ آنا خلافِ مروّت ہے بدستور یہیں آتا رہا، اس سلسلہ میں میں نے حضرت (مولانا سید حامد میاں

صاحب) رحمتہ اللہ علیہ سے اجازت بھی لے لی تھی۔“

بات چل رہی تھی حضرت قاری صاحبؒ کی اپنے شیخ حضرت مدنی سے تعلق کی، آپ کا یہ تعلق قیام پاکستان کے بعد بھی رہا۔ آپ حضرت سے خط و کتابت کرتے رہے، حضرت مدنی رحمہ اللہ کے چند خطوط بھائی تنویر صاحب حضرت قاری صاحب کی سوانح میں شائع فرما رہے ہیں۔

حضرت قاری صاحب کو اپنے شیخ سے جو تعلق تھا اس کا اظہار اس سے بھی ہوتا ہے کہ خانوادۂ مدنی کا جو فرد بھی پاکستان آتا تھا آپ اس کے لیے دیدہ و دِل فرشِ راہ کیے نظر آتے تھے۔ بارہا ایسے ہوتا کہ صاحبزادگانِ گرامی کا لاہور آنا ہوتا اور کراچی کا کوئی پروگرام نہ ہوتا تو آپ ملنے کے لیے لاہور تشریف لاتے، اور جب اُن کا کراچی آنا ہوتا تو ان کے استقبال اور خدمت میں پیش پیش ہوتے۔ آپ کے گھر ان کی پر تکلف دعوت بھی ہوتی اور سٹی اسٹیشن کی مسجد میں بیان بھی ہوتا۔ حضرت قاری صاحب کے پوتے بھائی تنویر احمد بتلاتے ہیں کہ ایک دفعہ عجیب واقعہ پیش آیا:

”حضرت مولانا سید اسعد مدنی (م: ۱۴۲۷ھ/ ۲۰۰۶ء) کراچی تشریف لائے، حضرت قاری صاحب نے جامع مسجد سٹی اسٹیشن میں حضرت مولانا کی دعوت کی، اس موقع پر حضرت مولانا یوسف بنوری بھی تشریف فرما تھے، دعوت کے اختتام پر جب حضرت مولانا اسعد صاحب جانے لگے تو قاری صاحب معانقہ کے لیے آگے بڑھے، حضرت مولانا اسعد صاحب نے فرمایا: آپ کیوں معانقہ کر رہے ہیں؟ آپ تو ابھی لاہور آئیں گے۔ حضرت قاری صاحب فرماتے تھے کہ میرا کوئی کام اور ارادہ لاہور جانے کا نہیں تھا حضرت مولانا اسعد صاحب کے لاہور تشریف لے جانے کے بعد اچانک لاہور کا ایک کام نکل آیا اور مجھے لاہور جانا پڑا، حضرت مولانا اسعد صاحب سے جامعہ مدنیہ میں ملاقات ہوئی تو فرمانے لگے۔ ہم نے نہیں کہا تھا کہ آپ لاہور آئیں گے۔“

۱۹۹۸ء کی بات ہے کہ حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ نے قرآن منزل کی عمارت کا سنگ

بنیاد رکھنے کے لیے صاحبزادۂ محترم حضرت مولانا سید ارشد مدنی دامت برکاتہم کو دعوت دی۔ آپ نے دعوت قبول فرمائی اور ۸ر شوال المکرم ۱۴۱۸ھ/ ۶ر فروری ۱۹۹۸ء بروز جمعہ حضرت کراچی ائیر پورٹ پر فجر کی نماز سے قبل تشریف لائے۔اس موقع پر ہم نے دیکھا کہ حضرت قاری صاحب وقت سے کافی پہلے خود ائیر پورٹ تشریف لے گئے اور دیر تک حضرت کے انتظار میں بڑی خوشی کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھے رہے کسی قسم کی کوئی تھکاوٹ یا اُکتاہٹ محسوس نہیں کی۔ حضرت مولانا تشریف لائے تو انتہائی بشاشت کے ساتھ ملے۔اسی دن صبح دس بجے حضرت مولانا دامت برکاتہم نے جامعہ تعلیم القرآن شریفیہ کا سنگِ بنیاد رکھا، جمعہ بنوری ٹاؤن کی مسجد میں پڑھایا۔اور رات کوسٹی اسٹیشن کی مسجد میں آپ کا بیان ہوا۔

حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق:

حضرت قاری صاحب نے حضرت مدنی کے انتقال کے بعد حضرت کے خلیفۂ اجل حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب شیخ الحدیث جامعہ مدنیہ لاہور کی طرف رجوع فرمایا، آپ سے سلوک کی تکمیل کے بعد اجازت وخلافت حاصل ہوئی۔

حضرت قاری صاحب کو حضرت سید صاحب سے بھی غایت درجہ تعلق تھا۔آپ حضرت سے ملاقات کے لیے اکثر لاہور تشریف لایا کرتے تھے، خط وکتابت کے ذریعہ بھی رابطہ رہتا تھا، آپ جامعہ کی مجلس شوریٰ کے رکن بھی تھے اور جامعہ کی ہر طرح معاونت فرمایا کرتے تھے، عیدالاضحیٰ کے موقع پر کراچی میں جامعہ کے لیے آپ کی زیرنگرانی قربانی کی کھالیں اکٹھی کی جاتی تھیں۔ حضرت قاری صاحب کے حضرت سید صاحب کے ساتھ غایت تعلق کا اندازہ ایک واقعہ سے کیا جاسکتا ہے جو حضرت نے ہمیں سنایا تھا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قارئین بھی وہ واقعہ سنیں اور اس سے سبق حاصل کریں کہ ہمارے بزرگوں کو اپنے شیخ سے کیسا قلبی تعلق ہوا کرتا تھا۔ وہ واقعہ ہمیں قاری صاحب رحمہ اللہ نے کچھ اِس طرح سے سنایا کہ:

''۱۹۶۴ء میں حضرت مولانا سید حامد میاں صاحب رحمہ اللہ حج پر جانے کے لیے کراچی تشریف لائے، یہاں حضرت کے ایک مرید تھے وہ بھی جانے کے لیے تیار ہوگئے میں نے

انہیں منع کیا کہ (مصلحت اس میں ہے کہ) تم پیر کے ساتھ حج پر نہ جاؤ وہ نہ مانے اور ساتھ چلے گئے، مولانا بہت سیدھے تھے اُنہوں نے اپنی ساری رقم اور پاسپورٹ وغیرہ اسی کے پاس رکھوادیے، وہاں جا کے اُس کی نیت خراب ہوگئی اُس نے مولانا کو کچھ نہ دیا، انہی دنوں میں نے خواب دیکھا کہ مولانا ہیں تو مکہ مکرمہ میں لیکن ایک بہت بڑا میدان ہے مولانا اس میں یک وتنہا کھڑے ہیں، سر پر کوئی چھت وغیرہ بھی نہیں ہے، میں نے اس کی تعبیر یہ لی کہ لگتا ہے مولانا پریشان ہیں۔ میرا انٹرنیشنل پاسپورٹ تھا اُسی وقت ویزا لگوایا اور وہاں پہنچ گیا، حرم میں مولانا سے ملاقات ہوئی، مولانا مجھے دیکھ کر بڑے حیران ہوئے اور پوچھنے لگے کہ ایک دم کیسے آنا ہوا؟ میں نے بتلایا کہ اس طرح خواب دیکھا تھا جس سے لگتا تھا کہ آپ پریشان ہیں، مجھ سے رہا نہیں گیا اور میں ویزا لگوا کر آ گیا، مولانا نے فرمایا واقعی میں پریشان تو ہوں اس شخص نے مجھے پیسے دینے سے انکار کر دیا ہے کہتا ہے ختم ہو گئے، میرے پاس قربانی تک کے پیسے نہیں ہیں، حج کے دوسرے اخراجات کے لیے بھی کچھ نہیں ہے، میں نے عرض کیا کہ آپ فکر نہ کریں۔ سب انتظام ہو جائے گا، مولانا مجھے باب العمرۃ کی طرف سے حرم سے باہر لائے اور بیت اللہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا" مجھے اس شخص نے بہت پریشان کیا ہے بس میں اسے اس گھر والے کے حوالہ کرتا ہوں" پھر میں حج میں مولانا کے ساتھ ہی رہا، یہ شخص جس نے مولانا کو تنگ کیا تھا اس کا مدینہ منورہ جانا بھی نہیں ہوا اور آخر میں اس کا یہ حال ہوا کہ میں نے اُسے دیکھا کہ اُس سے چلا نہیں جاتا تھا گھسٹ گھسٹ کر چلتا تھا، اسی حال میں اس کی موت ہوئی۔"

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کا تذکرہ:

ذکر چل رہا تھا حضرت قاری صاحب کے اکابر سے تعلق کا۔

اس سلسلہ میں یاد آیا کہ ایک دفعہ حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمہ اللہ (م: ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء) دہلی میں میرے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے ہیں کوچہ قابل عطار چاندنی چوک میں، مولانا جب اس محلے میں تشریف لاتے تو مسجد میں

نماز کے لیے آنا ہوتا، آپ کے ساتھ شیخ الحدیث (حضرت مولانا محمد زکریا) صاحب (م: ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء) بھی ہوتے تھے، میں بچوں کو پڑھایا کرتا تھا، ایک دفعہ مولانا (الیاس صاحب) نے مجھ سے فرمایا قاری صاحب آپ اس کام کے لیے نہیں نکلتے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں یہی کام تو کرتا ہوں بچوں کا کلمہ، نماز صحیح کرواتا ہوں اُنہیں قرآن پڑھاتا ہوں، آپ میرے لیے دُعا کیا کریں۔ اس کے بعد مولانا نے اصرار نہیں کیا۔

ان اُکابر کے علاوہ دیگر اُکابر سے بھی آپ کا تعلق تھا۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ (م: ۱۳۶۹ھ/۱۹۴۹ء) آپ کے اساتذہ میں تھے، آپ کو تلمذ کے ساتھ ساتھ حضرت کی خدمت کا شرف بھی حاصل ہوا۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ (م: ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۲ء) سے خط و کتابت کے ذریعہ مشاورت فرماتے رہے۔ حضرت لاہوری کے تین خط آپ کے نام آئے اس طرح حضرت لاہوری سے تعلق قائم رہا۔

آپ کے اکابر دیوبند سے تعلق اور اکابر کے آپ پر اعتماد کا اثر تھا کہ ۱۹۵۴ء میں دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ نے آپ کو پاکستان میں دار العلوم کا خزانچی مقرر کیا، ۱۹۵۵ء میں پاکستان میں دار العلوم کی کمیٹی عطیات کے سیکریٹری مقرر ہوئے، ۱۹۸۰ء کے واقعہ کے بعد جب پاکستان میں دار العلوم دیوبند کے لیے باقاعدہ ایک کمیٹی بنی تو اس میں آپ کو صدر مقرر کیا گیا۔ آپ نے اُکابر کے کہنے پر اس منصب کو قبول کیا اور تادم آخر اس کو نباہتے رہے۔

آپ کی سند عالی تھی:

حضرت قاری صاحب کو اللہ تعالیٰ نے ایک شرف یہ بخشا تھا کہ آپ نے اپنے دور کے بڑے باکمال اور اکابر علماء سے علم حاصل کیا تھا اس بنا پر آپ کی سند بڑی عالی تھی، صرف ایک واسطہ سے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ (م: ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) اور ایک ہی واسطہ سے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ (م: ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء) آپ کے استاذ بنتے ہیں وہ اس طرح کہ آپ نے حدیث پڑھی حضرت مولانا عبدالرحمن امروہوی رحمہ اللہ (م: ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) سے، آپ براہ راست شاگرد تھے حضرت نانوتوی کے، ایسے ہی آپ نے حدیث

پڑھی حضرت مولانا سراج احمد صاحب بابا رشیدی رحمہ اللہ (م:۱۳۵۶ھ/ ۱۹۳۸ء) سے اور آپ براہ راست شاگرد تھے حضرت گنگوہی کے۔

حضرت قاری صاحب جب آخری بار لاہور تشریف لائے اور آپ کا قیام ''صفہ ٹرسٹ'' میں ہوا تو ایک دن میں نے عرض کیا کہ جی چاہتا ہے کچھ اطراف حدیث سنا کر جناب سے اجازت حدیث لے لی جائے کیونکہ جناب کی سند بہت عالی ہے، فرمایا: ''ہاں ہماری سند میں حضرت نانوتوی رحمہ اللہ تک صرف ایک واسطہ ہے مولانا عبدالرحمٰن امروہوی رحمہ اللہ کا، ہم نے ان سے مسلم کامل، کچھ حصہ ابوداؤد شریف، مؤطا امام مالک، مؤطا امام محمد اور بیضاوی شریف پڑھی تھی، وہ شروع میں تقریر کردیتے تھے، بعد میں بس عبارت ہوتی تھی، مسلم شریف امتحان سے دو ماہ پہلے ختم کروادیتے تھے، آپ سبق بدھ کے روز شروع کرواتے تھے، آپ کے سبق میں بہت برکت تھی۔

اسی طرح حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تک صرف ایک واسطہ ہے حضرت مولانا سراج احمد رشیدی کا، آپ حضرت کے شاگرد بھی تھے اور مرید بھی، ہم نے آپ سے ابوداؤد شریف کا کچھ حصہ پڑھا تھا، میں نے عرض کیا کہ اجازت ہو تو کچھ سنادوں۔ فرمایا: سنانے کی ضرورت نہیں، آپ کو ہماری طرف سے اجازت ہے۔

تصنیف وتالیف:

اللہ تعالیٰ نے حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کو جہاں اور بڑی سعادتوں سے نوازا وہیں یہ سعادت بھی نصیب فرمائی کہ آپ کو خدمت قرآن کریم کے ساتھ ساتھ دینی کتابوں کی تصنیف وتالیف کا شرف بھی بخشا، آپ کے وقت میں برکت عطا فرمائی جس کے سبب آپ نے دینی ضرورت کے مطابق مختلف عنوانات پر چار درجن سے زائد چھوٹی بڑی کتابیں اپنے قلمِ حقیقت رقم سے تصنیف فرمائیں جو عنداللہ وعندالناس مقبول ہوئیں۔

سانحۂ وفات:

قدرت کا نظام ہے جو دنیا میں آتا ہے جانے ہی کے لیے آتا ہے کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ

اَلْمَوْتُ ایک حقیقت ہے جس سے کسی کو مفر نہیں، سعادت مند ہیں وہ لوگ جن کی دنیا اور آخرت دونوں اچھی ہوگئیں۔ حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ ان خوش نصیب انسانوں میں سے تھے جنہیں طویل عمر اور حسنِ عمل کی توفیق ملی اور بہت اچھی زندگی گزار کر اللہ کے حضور میں پہنچ گئے۔ آپ کی طبیعت عرصہ سے خراب چلی آرہی تھی، ہر ممکن علاج کے باوجود کما حقہ افاقہ نہیں ہوتا تھا حتیٰ کہ وہ دن اور وہ وقت آگیا جس کا دھڑکا ہر وقت لگا رہتا تھا، ۲۱ ؍ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ/ ۲۷ ؍ مارچ ۲۰۱۱ء بروز اتوار تین بجے دن کو آپ نے اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کردی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، اسی روز صبح کو میرے حفظ کے استاذ حضرت حافظ قاری مقبول الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم جو حضرت لاہوری رحمہ اللہ سے بیعت ہیں انہوں نے خواب دیکھا۔ حافظ صاحب فرماتے ہیں:

''اتوار کے دن میں خلافِ معمول فجر کی نماز کے بعد کچھ دیر سونے کے لیے لیٹ گیا، اسی دوران میں نے خواب میں دیکھا کہ میں جامعہ مدنیہ کریم پارک میں ہوں ایک بڑا سا ہال کمرہ ہے اور اس کے متصل ایک اور کمرہ ہے ہال کمرہ میں دروازہ کے قریب بہت سی کرسیاں لگی ہوئی ہیں۔ ایک کرسی پر میں بیٹھا ہوں میرے قریب ہی مولانا رشید میاں صاحب بیٹھے ہیں۔ اسی دوران آپ (مراد میں ہوں، نعیم الدین) حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کو کندھوں پر اُٹھا کر لاتے ہیں بالکل ایسے جیسے بچوں کو اُٹھاتے ہیں اور ہمارے سامنے قریب ہی ایک اسٹریچر پر لٹا دیتے ہیں، آپ نے اور حضرت قاری صاحب نے دونوں نے سفید کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ قاری صاحب بہت کمزور نظر آرہے ہیں میں نے اُٹھ کر طبیعت پوچھی تو فرمایا بہت کمزوری ہے، اتنے میں میں نے دیکھا کہ کچھ بچے جو نہایت حسین وجمیل ہیں سفید لباس پہنے اور سفید پگڑیاں باندھے ہوئے پیچھے سے چلے آرہے ہیں، میں نے پوچھا یہ کون ہیں اور یہاں کیوں آرہے ہیں تو بتلایا گیا کہ ان بچوں کا حفظ مکمل ہوگیا ہے اور یہ حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کو اپنا آخری سبق سنانے آئے ہیں، اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی، فوراً ہی ذہن اس طرف گیا کہ لگتا ہے قاری صاحب کا انتقال ہوگیا ہے چنانچہ اسی دن سہ پہر کو اس کی

تصدیق ہوگئی اور پتہ چلا کہ واقعی حضرت قاری صاحب وفات پا گئے ہیں۔"

حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ کے انتقال سے ملک کا شعبۂ حفظ وقراءت ایک بے مثال استاذ سے محروم ہوگیا اور علم و عمل، ذکر وفکر اور تعلیم و تعلم کی بزم سونی ہوگئی، حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ کے ہزاروں شاگردوں اور متوسلین کے لیے تو یہ ایسا سانحہ ہے کہ برسوں اس کی کسک محسوس ہوتی رہے گی، اور آپ کے رخصت ہو جانے سے جو خلا پیدا ہوگیا ہے وہ پر نہیں کیا جا سکے گا۔

حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ کی وفات اُمتِ مسلمہ کا اجتماعی نقصان تو ہے ہی ناچیز راقم الحروف کا نقصان کہیں بڑھ کر ہے کہ آپ کے اُٹھ جانے سے جہاں استفادہ کا عمل ختم ہوگیا وہیں آپ کی بے لوث دعاؤں کا عظیم دروازہ بھی بند ہوگیا۔ اب صبر کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا اَعْطٰى وَلَهٗ مَا اَخَذَ فَاِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا شَيْخَنَا لَمَحْزُوْنُوْنَ. ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ اِنْقَطَعَ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلٰثَةٍ اِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ اَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهٖ اَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْلَهٗ" (مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص:۳۲)

"جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے عمل کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے۔ لیکن تین چیزوں کا ثواب ملتا رہتا ہے۔ ایک صدقۂ جاریہ، دوسرے علمِ نافع، تیسرے اولادِ صالح۔"

اس حدیث پاک کے مصداق حضرت قاری صاحب انتہائی خوش قسمت انسان ہیں کہ جن کے حصے میں تینوں سعادتیں آئی ہیں۔ آپ کے لیے صدقۂ جاریہ "جامعہ تعلیم القرآن شریفیہ" کا قیام، عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهٖ آپ کا علمی ورثہ، آپ کی تصانیف اور آپ کے تیار کردہ حفاظ وقراء، وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْلَهٗ، آپ کے فرزند اور عالم باعمل حفید دادا کے علمی اور حقیقی وارث اور دعا گو، حضرت قاری صاحب تو اب اُس جگہ چلے گئے، جہاں جا کر واپس کوئی نہیں آتا لیکن اپنے پیچھے بہت سی یادیں چھوڑ گئے، جو آپ کی یاد دلاتی رہیں گی۔ بقول حضرت سید نفیس رحمۃ اللہ کے

بھولے ہیں نہ بھولیں گے نفیسؔ اہلِ محبت
کچھ اہلِ دل و اہل نظر یاد رہیں گے

دعا ہے اللہ تعالیٰ حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے، اپنی رضا ورضوان کا معاملہ فرمائے اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور آپ کے اخلاف کو آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آپ کے لگائے ہوئے گلشنوں کو ہمیشہ آباد شاد رکھے۔

ایں دعاء از من واز جملہ جہاں آمین باد

احقر نعیم الدین
۱۵رصفر المظفر ۱۴۳۳ھ

(۴۳)......حضرت مولانا نعیم الدین صاحب

آباء واجداد:

حضرت مولانا نعیم الدین صاحب مدظلہم کے خاندان کا رہائشی تعلق ہندوستان کے قدیم و معروف شہر دہلی سے تھا، تقسیم برصغیر کے بعد حضرت مولانا مدظلہم کے آباء واجداد نے نقل مکانی کر کے لاہور شہر میں سکونت اختیار کی۔

حضرت مولانا مدظلہم کے اَجداد، خاندانِ شیوخ سے تعلق رکھتے ہیں، مورخ اسلام حضرت مولانا قاضی اَطہر مبارک پوری (م 1417ھ/1996ء) کے بقول ہندوستان میں آباد خاندانِ شیوخ کا نسلی تعلق حضرات شیخین رضی اللہ عنہما (حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ) کی نسل سے ہے۔

مختصر شجرہ:

حضرت مولانا مدظلہم کا مختصر شجرہ یہ ہے:

نعیم الدین بن حافظ معز الدین بن بشیر الدین بن کریم الدین بن رحیم الدین بن اِمام الدین۔

حضرت مولانا مدظلہم کے والد صاحب مرحوم نیک سیرت و پاک طینت اور پابندِ صوم و صلوۃ اور جید حافظِ قرآن تھے، انہیں اَکابر علماء دیوبند سے محبت اور اُن کی تحقیقات پر اعتمادِ کامل حاصل تھا، حضرت مولانا مدظلہم تحریر فرماتے ہیں:

راقم الحروف کے والد مکرم کو حضرت شیخ الاسلام (مولانا سیّد حسین اَحمد مدنی) رحمۃ اللہ علیہ سے انتہائی جذباتی اور عشق کی حد تک لگاؤ تھا جس کی وجہ سے گھر میں حضرت مدنیؒ اور آپ کے اجل خلفاء کا تذکرہ رہتا تھا۔

سونے اور چاندی کا کام آپ کا ذریعہ معاش تھا، تمام عمر نہایت سادگی کے ساتھ گزاری، 16 دسمبر 1984ء بروز پیر آپ کا انتقال ہوا۔ مخدوم العلماء حضرت سید نفیس

الحسینی شاہ صاحب (م1429ھ/ 2008ء) نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔

(ماہنامہ حق چاریار اشاعت خصوصی بیادِ قاضی مظہر حسین صاحب ص482)

اور میانی صاحب قبرستان میں تدفین ہوئی۔

حضرت مولانا مدظلہم کی والدہ محترمہ نہایت پاکباز خاتون تھیں، آپ کے تمام بچے کم گو اور دھیمے لہجے میں بات کرنے کے عادی ہیں، 5 جولائی 1985ء بروز جمعہ آپ کا انتقال ہوا حضرت نفیس شاہ صاحب نے نمازِ جنازہ پڑھائی (بیادبہ مجلس نفیس ص28)

اور قبرستان میانی صاحب میں اپنے مرحوم شوہر کی قبر کے ساتھ آسودہ خاک ہوئیں، اخیر عمر میں آپ معذور ہوگئی تھیں، حضرت مولانا مدظلہم نے آپ کی خوب خدمت کی، والدہ صاحبہ کی خدمت کا صلہ آپ کو دُنیا میں بھی مل رہا ہے اور اِن شاء اللہ آخرت میں بھی رفع درجات کا باعث ہوگا۔

پیدائش:

2 شعبان المعظم 1376ھ/ 4 مارچ 1957ء بروز پیر اندرون لوہاری گیٹ چوک جھنڈا کوچہ پھلا نانک میں آپ کی پیدائش ہوئی اور سنت کے مطابق ساتویں روز نعیم الدین نام رکھا گیا۔ اَنوار خورشید تاریخی نام ہے۔

ابتدائی تعلیم اور گھریلو ماحول:

حضرت مولانا مدظلہم کے گھر کا ماحول شروع ہی سے دینی تھا، والد مکرم کا تعلق مسجد پٹولیاں (اندرون لوہاری گیٹ) کے امام وخطیب حضرت مولانا محمد الیاس صاحب (م1413ھ/ 1992ء) سے تھا آپ کی وساطت سے اکابر علماءِ دیو بند سے عقیدت ومحبت گھر کے ہر ہر فرد میں رچی بسی ہوئی تھی، حضرت مولانا مدظلہم کے چچا اشفاق الدین صاحب مرحوم (م1412ھ/ 1991ء) اور بڑے بھائی نایاب الدین صاحب مرحوم (م1436ھ/ 2014ء) اور گھر کے دیگر بہت سے افراد کا بیعت کا تعلق شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی (م1377ھ/ 1957ء) کے خلیفہ ومجاز حضرت مولانا قاضی مظہر حسین

صاحب (م 1424ھ/ 2004ء) سے تھا، حضرت مولانا مدظلہم فرماتے ہیں:

ہمارے بچپن میں ہمارے والد صاحب اور چچا سال میں ایک مرتبہ چند بزرگوں کی دعوت کیا کرتے تھے اُن میں حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب بھی تشریف لایا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا مدظلہم نے حضرت قاضی صاحب سے اس بات کا تذکرہ بھی کیا تھا، حضرت مولانا مدظلہم تحریر فرماتے ہیں:

(حضرت قاضی صاحب نے) والد صاحب کے متعلق اِستفسار فرمایا کہ وہ کیا کرتے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ وہ سونے اور چاندی کا کام کرتے تھے، پھر میں نے بتلایا کہ میں حاجی اشفاق الدین صاحب مرحوم کا بھتیجا ہوں وہ میرے سگے چچا تھے، اس پر مسرت کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ بھئی وہ تو ہمارے بہت قریب تھے اکثر آتے جاتے تھے، حضرت نے فرمایا کہ میرا اکثر لاہور آنا جانا رہتا تھا میں نے عرض کیا کہ حضرت اُس وقت ہم بہت چھوٹے تھے۔ (ماہنامہ حق چاریار اشاعت خصوصی بیاد قاضی مظہر حسین صاحب ص 485)

حضرت مولانا مدظلہم کی چھوٹی ہمشیرہ صاحبہ حضرت مولانا احمد علی لاہوری (م 1381ھ/ 1962ء) کے قائم کردہ مدرسۃ البنات شیرانوالہ دروازہ میں پڑھا کرتی تھیں۔

(میرے مرشد میرے شیخ ص 11)

یہی وجوہات ہیں کہ آپ کے گھر کا ماحول دینی و مذہبی تھا، حضرت مولانا مدظلہم کو ابتدائی عمر ہی میں جامع مسجد حاجی رحمت اللہ (المعروف تلوار والی مسجد) نیوانارکلی لاہور میں قرآن پاک حفظ کرنے کے لیے 1964ء میں بٹھایا گیا اِبتدائی تعلیم سے متعلق خود حضرت مولانا مدظلہم تحریر فرماتے ہیں:

اِس مسجد میں 1964ء میں ناچیز کی اِبتدائی تعلیم کا آغاز ہوا حافظ محمد ایوب مرحوم (م 2008-11-23) سے نورانی قاعدہ اور ناظرہ قرآن پڑھا اور حافظ مقبول الرحمٰن صاحب (م 1437ھ/ 2016ء) سے قرآن کریم حفظ کیا، حفظ کی تکمیل اَغلباً 11 جون

1970ء بروز جمعرات کو ہوئی۔ (مختصر تذکرہ جامع مسجد حاجی رحمت اللہ ص13)

اس عرصہ میں حضرت مولانا مدظلہم کی رہائش 1968ء میں اندرون لوہاری سے احمد پارک موہنی روڈ کے علاقہ میں منتقل ہوگئی (مختصر تذکرہ جامع مسجد حاجی رحمت اللہ ص5)

جامعہ مدنیہ میں تعلیم:

جامعہ مدنیہ میں حضرت مولانا کی تعلیم کس طرح شروع ہوئی؟ حضرت مولانا مدظلہم خود تحریر فرماتے ہیں۔

سنہ 1970ء کی بات ہے جب ہم نے ترجمہ قرآن سیکھنے کے شوق میں جامعہ مدنیہ میں داخلہ لیا تو ہماری رفاقت صاحبزادگان گرامی مولانا سیّد محمود میاں صاحب، مولانا سیّد وحید میاں صاحب اور مولانا عبدالحفیظ کے ساتھ ہوئی، ہم صرف ایک کتاب حضرت مولانا ظہور الحق صاحب دامت برکاتہم سے پڑھتے تھے .... دُوسرے سال ہم نے تجوید شروع کردی اور کچھ دوسری کتابوں کے اسباق بھی بڑھ گئے۔ (رجل رشید ص10)

حضرت مولانا مدظلہم کی خوش بختی ہے کہ اُس زمانہ میں جامعہ مدنیہ میں بڑے بڑے اساطین علم وفضل جلوہ اَفروز تھے جن میں سے چند نام درج ذیل ہیں:

(1) حضرت مولانا سیّد حامد میاں صاحب (م1408ھ/1988ء) خلیفہ ومجاز وتلمیذ رشید شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین اَحمد مدنی

(2) حضرت مولانا کریم اللہ صاحب دامانی (م1403ھ/1983ء) تلمیذ رشید شیخ الاسلام حضرت مدنی

(3) حضرت مولانا شریف اللہ خان صاحب سواتی (م1399ھ/1979ء) تلمیذ رشید حضرت شیخ الہند (م1339ھ/1920ء)

(4) حضرت مولانا ظہور الحق صاحب مدظلہم (فاضل دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک)

(5) حضرت مولانا مرزا گل صاحب (م1406ھ/1986ء) فاضل مدرسہ امینیہ، دہلی

(6) حضرت مولانا مفتی عبدالحمید صاحب سیتاپوری (م1424ھ/2004ء) تلمیذ

(7) حضرت مولانا سید غازی شاہ صاحب (م 1413ھ / 1993ء) فاضل دیوبند
(8) حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب تونسوی (مدفون جنت البقیع)
(9) حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب ڈیروی (م 1424ھ / 2003ء)

ان جید علماء کے علاوہ بھی بہت سے اصحاب علم وعرفان اُس وقت جامعہ مدنیہ کی رونق ہوا کرتے تھے، حضرت مولانا سیّد حامد میاں صاحب کے خلیفہ ومجاز حضرت حاجی محمود احمد صاحب عارف ہشیار پوری (م 1409ھ / 1989ء) نے جامعہ مدنیہ کے اساتذہ ومدرسین کے بارہ میں ایک طویل نظم 1971ء میں موزون فرمائی تھی جو ماہنامہ انوار مدینہ کے نقش اول میں شائع ہوئی تھی اس کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت کے اساتذہ کتنے بلند پایہ افراد تھے اور ان میں کیا کیا خوبیاں تھیں، ان باصفا اساتذہ ومدرسین سے حضرت مولانا مدظلہم نے کسب فیض کیا اور ان حضرات کرام کے علوم کے وارث وامین بنے، حضرت حاجی محمود احمد صاحب عارف گلشن جامعہ کے عنوان کے تحت ارشاد فرماتے ہیں۔

مدرسین ومنتظمین جامعہ:

اہل دانش کی نظر میں صاحب فضل وکمال
ہیں شریف اللہ، کریم اللہ مردِ خوش خصال
وہ ظہورِ حق کے مظہر مفتی عبد الحمید
طالبانِ علم کے عقدہ کشا مردِ سعید
پاک طینت ہیں بہت اک مولوی فرقان بھی
تاجِ قراء ہیں، مگر ناموں کی نسبت ایک ہے
ڈیروی اور تونسوی دونوں کی فطرت نیک ہے
میرزا گل بھی مثالِ گل مہکتے ہیں یہاں

دلنشیں تفہیم میں ان کا عجب طرزِ بیاں
وہ فنا فی العلم ہیں اہلِ جہاں سے بے خبر
غور سے دیکھو تو اک مجذوب آتے ہیں نظر
ہیں ظہور الحق بھی اس میں صاحبِ فضل و کمال
گلستانِ مصطفیٰ کے بلبلِ شیریں مقال
ہے تقاضا ہو بیاں تعریف غازی شاہ کی
عالمِ دینِ نبی توصیف غازی شاہ کی
فضل احمد ہیں وہ قاری صاحبِ خلقِ کریم
جامعہ میں اِس طرح گلشن میں جیسے ہو شمیم
مولوی عبدالرشید و حافظ عبدالرشید
طالبانِ ذاتِ حق ہیں دونوں مردانِ سعید
سیّد انور نفیس باوفا روشن ضمیر
حاملِ نسبت بھی ہیں وہ ایک مردِ بے نظیر
قطبِ عالم کی وہ نسبت کے امینِ خاص ہیں
جامعِ صدق و صفا ہیں پیکرِ اِخلاص ہیں
مولوی بھی ہیں نذیر اور حافظِ قرآن بھی
وہ مدرس بھی کتب خانہ کے ہیں نگران بھی
ایک خادم ہیں غلام سرور کون و مکاں
دوسرے شیر محمد بھی ہیں اک مردِ جواں
صاحبِ برکات ہیں برکات احمد بھی عجیب

(ماہنامہ انوار مدینہ ج 2، ش 6، 7 دسمبر دسمبر 1971ء، رمضان وشوال 1391ھ ص 71)

ان باکمال اساتذہ کرام سے حضرت مولانا مدظلہم نے مختلف علوم وفنون کی مندجہ ذیل

کتب پڑھیں:

(1) حضرت مولانا سیّد حامد میاں صاحب: بخاری شریف مکمل

(2) حضرت مولانا کریم اللہ صاحب دامانی: ترمذی شریف اول، مختصر المعانی، قاضی مبارک

(3) حضرت مولانا ظہور الحق صاحب مد ظلہم: ابو داود شریف، ہدایہ ثالث، جلالین اول، کنز الدقائق، مفید الطالبین

(4) حضرت مولانا شریف اللہ خان صاحب سواتی: ہدایہ رابع، شمس بازغہ، ہدایۃ الحکمۃ للفاضل الخیر آبادی، حسامی

(5) حضرت مولانا مفتی عبد الحمید صاحب سیتا پوری: مسلم شریف، مشکوٰۃ ثانی، دیوان متنبّی، تیسیر المنطق

(6) حضرت مولانا سید غازی شاہ صاحب: شرح جامی

(7) حضرت مولانا مرزا گل صاحب: ترمذی شریف ثانی، جلالین ثانی، تفسیر بیضاوی شریف، نحو میر، شرح مائۃ عامل

(8) حضرت مولانا عبد الرشید کشمیری صاحب: مقامات حریری، نور الایضاح، قدوری

(9) حضرت مولانا مفتی قاری عبد الرشید صاحب: ترجمہ قرآن پہلے چار پارے، قصص النبیین، نفحۃ العرب، دیوان حماسہ، سبعہ معلقہ، محیط الدائرہ، ہدایۃ النحو، کافیہ، شرح جامی (بحث فعل)، علم الصیغہ، شرح وقایہ اولین، ہدایہ اولین، سراجی، موطا امام محمد، شرح معانی الآثار، مشکوٰۃ اول، اصول الشاشی، نور الانوار، توضیح تلویح، شرح عقائد نسفی، خیالی، شرح عقائد جلالی، تقریر دل پذیر للشیخ النانوتوی، رشیدیہ، مرقات، شرح تہذیب، قطبی، میر قطبی، سلم العلوم، حمد اللہ، ملا حسن، میر زاہد ملا جلال، حاشیہ ملا جلال علی تہذب المنطق، تصریح، شرح چغمینی، بست باب، اقلیدس، ہدیہ سعیدیہ، میبذی، صدرا، قانونچہ، نفیسی، الفوز الکبیر فی علم التفسیر، نخبۃ الفکر

(10) حضرت قاری عبد الرحمٰن صاحب تونسوی مدفون جنت البقیع: تجوید روایت حفص

(11) حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب ڈیروی: قراءات سبعہ وثلٰثہ

ان کتب کے نام حضرت مولانا مدظلہم کی قلمی بیاض سے اور خود حضرت مولانا مدظلہم سے پوچھ کر لکھے گئے ہیں، اِن کتابوں کے نام دیکھ کر معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت مولانا مدظلہم نے بہت سی ایسی کتابیں بھی پڑھی تھیں جن کے نام تک آج جاننے والے خال خال ہی ہیں پڑھنا پڑھانا تو بہت دُور کی بات ہے۔ 1401ھ/ 1981ء میں دورہ حدیث شریف پڑھ کر جامعہ مدنیہ سے فارغ التحصیل ہوئے۔

تدریسی خدمات:

تکمیل درس نظامی کے اگلے سال ہی اپنے محبوب اُستاذ حضرت مولانا مفتی قاری عبد الرشید کی ترغیب وتحریض سے جامعہ مدنیہ کریم پارک ہی میں تدریس شروع کی اور 1402ھ/ 1982ء سے تا حال (1439ھ) مسلسل سینتیس سال سے تدریس منسلک ہیں اور اِس سینتیس سالہ دورِ تدریس میں ابتدائی درجات کی کتب سے لے کر انتہائی درجات تک کی کتب زیر تدریس ہیں جنہیں آپ بڑے شوق اور انہماک سے پڑھا رہے ہیں، کچھ عرصہ سے جامعہ دارالتقویٰ متصل مسجد الہلال چوبرجی، لاہور میں بھی ترمذی شریف اور مشکٰوۃ شریف کی تدریس کے لیے ہفتہ میں تین روز تشریف لے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اِس علمی چشمہ کو جاری وساری رکھیں اور اِس فیض کو عام وتمام کیے رکھیں اور آپ کا سایہ عافیت تادیر قائم رہے۔ (آمین)

ذریعہ معاش:

حضرت مولانا مدظلہم نے کسبِ معاش اور معاشی ضروریات کے لیے ذاتی کاروبار کو ترجیح دی گو کہ آپ کا خاندانی تجارتی کام زرگری اور صرافی تھا لیکن آپ نے علم دین سے متعلق جڑے رہنے ہی کو ترجیح دی اور اپنے محسن ومربی حضرت مولانا قاری عبدالرشید صاحب کے مشورہ سے اُردو بازار لاہور میں مکتبہ مدنیہ سے کام کی اِبتداء کی، کچھ عرصہ بعد مکتبہ قاسمیہ

کے نام سے دینی کتب کی نشر واشاعت کا ایک اپنا ادارہ 1982ء میں قائم فرمایا۔

(بیا یہ مجلس نفیس ص 27)

حضرت سیّد نفیس شاہ صاحب اور حضرت مولانا مفتی قاری عبدالرشید صاحب نے مکتبہ کے آغاز پر دُعا کروائی۔

حضرت مولانا مدظلہم نے اپنے اِس اشاعتی مرکز سے بہت سی نادر و نایاب کتب شائع کیں، اکابر علماءِ دیوبند رحمہم اللہ کی کتب نہایت خوبصورت انداز میں شائع کیں، آپ کے مکتبہ کی سب سے پہلی اشاعت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی (م1362ھ/1943ء) کی کتاب حق السماع یعنی قوالی کی شرعی حیثیت ہے، اِس کا سرورق حضرت نفیس الحسینی شاہ صاحب نے بہت خوبصورت تحریر فرمایا اور حضرت مولانا مدظلہم نے اسے شایانِ شان شائع فرمایا، حضرت مولانا مدظلہم نے اس کا ایک نسخہ 1996ء میں راقم الحروف کو بھی عنایت فرمایا تھا جو تا حال میرے پاس محفوظ ہے۔

شادی خانہ آبادی:

حضرت مولانا مدظلہم کی تدریس کا ابھی دُوسرا سال تھا کہ 9 ذوالقعدہ 1403ھ/ 18 اگست 1983ء بروز جمعرات حضرت مولانا سیّد حامد میاں صاحب کی بڑی اہلیہ محترمہ (م1425ھ/2004ء) کی سب سے چھوٹی صاحبزادی سے آپ کا نکاح ہوا، نکاح کی یہ تقریب سادگی کے ساتھ جامعہ مدنیہ کے دارالحدیث میں منعقد ہوئی، نکاح خواجہ خواجگان حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب (م 1431ھ/2010ء) نے پڑھایا، حضرت مولانا مدظلہم تحریر فرماتے ہیں:

حضرت خواجہ صاحب کے بانی جامعہ مدنیہ حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب سے نہایت گہرے تعلقات تھے، آپ کا اکثر جامعہ آنا جانا ہوتا رہتا تھا اسی تعلق کی بنا پر ناچیز کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ آپ نے 1983ء میں ناچیز کا نکاح پڑھایا۔

(بیا یہ مجلس نفیس ص 396)

حضرت خواجہ خان محمد صاحب کی ڈائری میں بھی اس مجلسِ نکاح میں شرکت کے حوالہ سے لکھا ہے، حضرت کی ڈائریوں کے مرتب حضرت خواجہ خلیل احمد صاحب مدظلہم تحریر فرماتے ہیں:

18 اگست کو مولانا سید حامد میاں کی صاحبزادی کا نکاح پڑھانے کے لیے لاہور تشریف لے گئے۔

(شیخ المشائخ خواجہ خواجگان خواجہ خان محمد کی ڈائریاں ص 99، طبع خانقاہ سراجیہ، کندیاں)

حضرت مولانا مدظلہم کے ایک بزرگ ساتھی حاجی شیر محمد اُمید صاحب

(حاجی صاحب موصوف کا تعلق ضلع خوشاب سے تھا، اُن دنوں کریم پارک میں رہائش پذیر تھے اور حضرت مولانا سے کافی ملنا جلنا تھا، افسوس کہ آپ کا انتقال ہوگیا ہے، رحمہ اللہ)

نے حضرت مولانا کی شادی کے موقع پر ایک سہرا کہا اور کتابت کر کے حضرت مولانا مدظلہم کو پیش کیا، موقع کی مناسبت سے وہ سہرا یہاں درج کیا جاتا ہے، اس سہرے کے الفاظ سے اندازہ ہوتا ہے کہ جوانی ہی میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا مدظلہم کی محبت خرد وکلاں کے دلوں میں ڈال دی تھی، ذٰلك فضل الله يو تيه من يشاء

مبارک نامہ:

بفضلِ خدا شادی خانہ آبادی عزیز القدر حافظ قاری نعیم الدین صاحب خلف الرشید جناب حافظ معز الدین صاحب

بتاریخ 18 اگست 1983ء الموافق 9 ذیقعدہ 1403ھ (یوم الخمیس)

خدا کی خاص رحمت سے نعیم الدین کی عید آئی
کہ شادی خانہ آبادی کی تقریب سعید آئی
یہ کیا کہئے کہ خود مسجد مدینہ سے نوید آئی
خدا کے اِذن سے رحمت سوئے میاں رشید آئی
مبارک والد ماجد، مبارک والدہ صاحبہ
بصد انداز رعنائی تمہارے گھر میں عید آئی

زہے قسمت! کھلے ہیں غنچہ ہائے آرزو دل کے
نسیمِ صبح لے کے لطفِ باری کی نوید آئی

زہے تابانیٔ شہزاد ، نایاب و جمال ، اختر
سعادت بار بار آئی زشوقِ باز دید آئی

بحقِ مصطفیٰ تو رحمتوں کا اپنی سایہ کر
خدایا شادی لختِ بزرگانہ کی دید آئی

خدا کی رحمتیں پہلے بھی کچھ کم تو نہیں لیکن
لیے رحمت کہ ساتھ اپنے عنایات مزید آئی

خدایا رکھ انہیں وابستہ دامان محمد سے
ترے ہی فضل سے دونوں کی ہے فطرتِ سعید آئی

نمازِ پنجگانہ اور تلاوت کی نصیحت کیا
دُلہن لے کے ہے دِل اپنے میں قرآنِ مجید آئی

جو شادی میں شریعت کو نہیں بھولا یقیں جانو
کہ ہاتھ اس کے سعادتِ دو عالم کی کلید آئی

مرا اللہ ! مقدر مثلِ خورشید اس کو چمکائے
دُعا دِل سے ہے پھر لب پر بہرِ دُولہا سعید آئی

زبانِ عجز سے نکلیں دُعائیں بار بار اپنی
خدا سے جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِىْ کی اُمید آئی

خوشا وقتے کہ بالآخر ہوئی دعوتِ ولیمہ بھی
مگر اُمید کو آخر میں دعوت کی شنید آئی

پیش کردہ:

احقر العباد حاجی شیر محمد اُمید عفی عنہ 3/42 کریم پارک متصل جامعہ مدنیہ، لاہور

اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو فرزند اور دو صاحبزادیاں عطا کی ہیں، بڑے صاحبزادے حافظ فہیم الدین صاحب حفظہ اللہ حضرت مولانا مدظلہم کا مکتبہ قاسمیہ سنبھالے ہوئے ہیں، اللہ پاک مزید ترقیات سے نوازے، چھوٹے صاحبزادے مولانا محمد علی صاحب حفظہ اللہ حافظ قرآن اور جامعہ مدنیہ کے فاضل ہیں، جامعہ مدنیہ کریم پارک اور جامعہ عائشہ للبنات کریم پارک میں تدریس سے وابستہ ہیں، اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ بڑی صاحبزادی بھی عالمہ اور وفاق المدارس العربیہ سے مکمل درسِ نظامی کا کورس کیے ہوئے ہیں، ان کی شادی محترم محمود الحسن فیض پوری (م1415ھ/ 1994ء) کے سب سے چھوٹے صاحبزادے مولانا محمد انس حفظہ اللہ سے ہوئی ہے۔ (بیاد مجلس نفیس ص429)

ان کا نکاح شیخ الاسلام حضرت مدنی کے شاگرد وخلیفہ ومجاز حضرت مولانا عبدالحق مدنی (م 4[illegible]ھ/ 1955ء) کے صاحبزادے مولانا محمد اسماعیل صاحب (م1435ھ/ 2014ء) نے 11 دسمبر 2009ء کو پڑھایا تھا (یادیں اپنے بزرگوں کی ص42) ماشاءاللہ تینوں حضرات صاحب اولاد ہیں، سب سے چھوٹی صاحبزادی بھی حافظہ ہیں اور عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم سے بھی آراستہ ہیں، جامعہ مدنیہ کے متعلم حافظ محمد حسان حفظہ الرحمن بن شیخ محمد اسلم صاحب سے منسوب ہیں۔

بیعت وسلوک:

حضرت مولانا مدظلہم کی بیاض سے معلوم ہوتا ہے کہ 1975ء میں دورانِ تعلیم ہی حضرت مولانا قاری عبدالرشید صاحب سے اصلاحی تعلق قائم فرمالیا تھا۔ حضرت قاری صاحب کو شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کے خلیفہ حضرت مولانا حکیم عبدالحکیم صاحب (م1393ھ/ 1973ء) سے اجازتِ بیعت حاصل تھی، حضرت قاری صاحب نے حضرت مولانا مدظلہم کو سلوک وارشاد کے اسباق تلقین فرمائے۔

یکم جمادی الاولیٰ 1417ھ/ 15 ستمبر 1996ء بروز اتوار حضرت مولانا مدظلہم کے گھر راقم حاضر تھا، حضرت مولانا مدظلہم راقم سے اصلاحی گفتگو فرمارہے تھے دورانِ گفتگو فرمایا:

جب قاری صاحب نے ذکر پاس اَنفاس شروع کرایا تھا تو چار پانچ ماہ میں میری یہ حالت ہوگئی تھی کہ سوتے میں سانس اِس رفتار سے جاری رہتا تھا کہ پاس بیٹھا شخص اگر محسوس کرتا تو اُسے احساس ہوجاتا تھا کہ پاس اَنفاس جاری ہے۔

پھر مزید فرمایا:

حضرت قاری صاحب نے بارہ تسبیحات ذکر بالجہر کی شروع کرائیں تو قاری صاحب نے فرمایا تھا کہ حضرت مولانا احمد علی لاہوری کے مزار کے پاس جو مسجد ہے (یہ تو اب نئی بن گئی ہے تو چھوٹی سی مسجد تھی ٹوٹی ہوئی صفیں تھیں اور اِرد گرد کیڑے مکوڑے پھرتے رہتے تھے) اُس مسجد میں بیٹھ کر ذکر کیا کرو، قاری صاحب نے وقت بھی متعین فرمایا تھا، کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ قاری صاحب نے خود آجاتے کہ اور دیکھتے کہ یہ کیا کر رہا ہے؟

حضرت قاری صاحب نے بہت توجہ سے مولانا مدظلہم کی اِصلاح و تربیت فرمائی لیکن سوء اتفاق کہ حضرت قاری صاحب کا عین جوانی میں 18 شوال المکرم 1412ھ / 22 اپریل 1992ء بروز بدھ اچانک اِنتقال ہوگیا۔

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب سے تعلق:

حضرت مولانا مدظلہم تحریر فرماتے ہیں:

1988ء میں حضرت سید (مولانا حامد میاں) صاحب اور 1992ء میں حضرت قاری عبدالرشیدؒ صاحب کا انتقال ہوا تو ناچیز کے دل میں خیال آیا کہ بزرگ اُٹھتے جارہے ہیں اور باقاعدہ تعلق کسی سے قائم نہیں کیا، اس کوتاہی کو دور کرنا چاہیے اور ضرور کسی نہ کسی بزرگ سے اصلاحی تعلق قائم کرلینا چاہیے۔......اس راہ میں ضروری ہے کہ جس بزرگ سے تعلق قائم کیا جائے اُس سے مناسبت دیکھ لی جائے مناسبت ہو تو اس سے تعلق قائم کیا جائے ورنہ کسی اور بزرگ سے رابطہ کیا جائے، راقم الحروف کو حضرت قاری صاحب سے زبان و وطن کے لحاظ سے بھی مناسبت تھی اور آپ کے اَخلاقِ عالیہ کا بھی طبیعت پر گہرا اثر تھا۔......ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ہمارے اُستاذ و مربی حضرت قاری عبدالرشید صاحب اکثر فرمایا کرتے تھے کہ جہاں

بھی جاؤ اس کا خیال رکھو کہ سلسلہ حضرت مدنی کا رہے وہ نہ چھوٹنے پائے، ان سب باتوں کے پیش نظر ناچیز نے یہی فیصلہ کیا کہ اصلاحی تعلق حضرت قاری صاحب ہی سے قائم کرنا ہے۔(میرے مرشد میرے شیخ ص 11)

حضرت مولانا مد ظلہم نے حضرت قاری صاحبؒ سے بیعت ہونے کا واقعہ تحریر فرمایا ہے:

نومبر 1994ء کی بات ہے کہ حضرت قاری صاحب کراچی سے تشریف لائے اور دارالعلوم الاسلامیہ پرانی انارکلی میں اُوپر کی منزل پر بھائی لیاقت صاحب کے گھر قیام پذیر ہوئے، آپ جب بھی لاہور تشریف لاتے تھے قیام وہیں فرماتے تھے، میں ایک روز عشاء بعد دکان بند کر کے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے ارادہ کا اظہار کیا، حضرت نے معذرت کی اور کہیں اور رجوع کرنے کا مشورہ دیا، میں خاموشی سے واپس چلا آیا، دوسرے روز پھر حاضر ہوا اور وُہی درخواست کی اس روز بھی حضرت نے انکار ہی کیا، تیسرے روز میں پھر حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا کہ حضرت میرا مقصد صرف اللہ کا نام سیکھنا ہے اور کچھ نہیں، مجھے آپ سے طبعی مناسبت بھی ہے، جناب اگر بیعت فرمالیں گے تو احسان ہوگا، کافی دیر توقف کے بعد حضرت نے بیعت فرمالیا، شروع میں انکار کی وجہ ایک تو یہ سمجھ آتی ہے کہ آپ میں تواضع بہت تھی اور دوسری وجہ یہ تھی کہ آپ عموماً کسی کو بیعت نہیں فرماتے تھے، اخیر تک معاملہ ایسے ہی رہا بہت کم لوگوں کو آپ نے بیعت فرمایا، بیعت ہونے کے بعد ناچیز کو حضرت سے غیر معمولی تعلق ہوگیا جو فطرتاً ایسی صورت میں ہوا ہی کرتا ہے، اُدھر حضرت کی توجہات، عنایتیں اور شفقتیں بھی بڑھ گئیں۔(میرے مرشد میرے شیخ ص:12)

یہی وجہ ہے کہ حضرت قاری صاحب نے بہت جلد آپ کو اجازتِ بیعت سے سرفراز فرمایا، حضرت قاری صاحب کے جانشین اور پوتے حضرت مولانا قاری تنویر احمد شریفی صاحب زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں:

حضرت قاری صاحب نے حضرت جی (حضرت قاری صاحبؒ کے یہاں خانقاہی زبان میں حضرت مولانا سید حامد میاں صاحبؒ کو حضرت جی کے لفظ سے یاد کیا جاتا

تھا۔ چھوٹے بڑے، شاگرد و احباب سب یہی کہتے تھے۔ (تذکرۃ الشریف ص 163) کے داماد حضرت مولانا نعیم الدین صاحب مدظلہ کو بھی اپنا خلیفہ مجاز بنایا۔ فرمایا کرتے تھے یہ امانت جہاں سے آئی تھی وہیں چلی گئی۔

حضرت مولانا نعیم الدین صاحب مدظلہ کو تو اُن ہی مہینوں میں خلافت دی جن میں حضرت جی نے حضرت قاری صاحب کو دی تھی۔ حضرت قاری صاحب مولانا نعیم الدین مدظلہم کو تحریر فرماتے ہیں:

آپ کے خطوط سے مجھے آپ کے ذکر و فکر کی کیفیت معلوم ہوتی رہی، اور شوال 1416ھ (مارچ 1996ء) کے سفر لاہور میں آپ کی کیفیت دیکھ کر اندازہ ہوا کہ خدا کے فضل سے لوگ اور شائقین اِستفادہ کر سکتے ہیں۔

بہر حال میں اپنے مربی خلیفہ شیخ الاسلامؒ۔ مولانا سیّد حامد میاں صاحب نور اللہ مرقدہ کی طرح آپ کو طرق اَربعہ میں بیعت کرنے کی اِجازت دیتا ہوں آج کل صحیح العقیدہ مصلحین کا قحط ہے اس لیے خواہش مند حضرات کو بیعت فرمالیا کریں اور مجھ سیہ کار کو بھی اپنی دعاوں میں شامل فرمالیا کریں یہ حسنِ اتفاق ہے کہ میاں صاحب نے 13 شوال 1382ھ / 10 مارچ 1963ء کو اِجازت دی تھی، آپ کو بھی میں نے اِن ہی مہینوں میں اِجازت دی۔ وَفَّقَنَا اللہُ وَاِیَّاکُمْ لِمَا یُحِبُّ وَیَرْضٰی۔ (28 شوال 1416ھ / 19 مارچ 1996ء)

حضرت مولانا مدظلہم کے ایک متوسل اور صفہ ٹرسٹ کے ناظم محترم محمد عرفان شجاع صاحب حفظہ الرحمٰن تحریر فرماتے ہیں:

حضرت قاری صاحب نے سلسلہ مدنی کی اس نعمت عظمیٰ سے حضرت مولانا نعیم الدین صاحب مدظلہم کو سرفراز فرمایا، حضرت مولانا مدظلہم حضرت قاری صاحب کے واحد مجازِ بیعت ہیں اُور اپنے سلسلہ کی گونا گوں صفات سے متصف اُور سلسلہ مدنی کے اَمین ہیں۔

(تذکرۃ الشریف ص 172)

حضرت مولانا مدظلہم کو حضرت قاری صاحب سے ایک خاص تعلق اور نسبت حاصل تھی،

اس حوالہ سے محمد عرفان شجاع صاحب تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مدنی نقش حیات میں تحریر فرماتے ہیں:

(15) ایک روز مسجد نبوی کے اگلے حصہ کی محراب میں (جس کو محرابِ عثمانی کہا جاتا ہے جہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نماز پڑھاتے وقت کھڑے ہوتے تھے) ذکر رہا تھا کہ نیند آ گئی دیکھتا ہوں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہیں، اُن کو بارگاہِ الٰہی سے حکم ہوا کہ تم فنا ہو جاو اُنہوں نے ایک برش پر جو کہ مثل اُلٹے طشت کے ہے اپنا سر فنا ہونے کے لیے رکھ دیا، اس خواب کو گنگوہ شریف لکھا تو جواب آیا کہ تیری نسبت عثمانی ہے اور اسی وجہ سے تو لوگوں سے حیا کی بنا پر مسجد شریف چھوڑ کر جنگل میں ذکر کرنے کے لیے جاتا ہے۔

(حضرت سیّد حسین احمد مدنی: نقش حیات دارالاشاعت کراچی، ص 112)

یہ نسبت عثمانی سلسلہ مدنی میں پوری طرح کارفرما ہے، حضرت قاری صاحب کا بنیادی وصف حیاداری اور اخفاء حال تھا اور حضرت مولانا مدظلہم بھی ان صفات میں اپنے شیخ کا عکس جمیل ہیں، صفہ ٹرسٹ موہنی روڈ میں ہر اتوار عصر تا عشاء حضرت مولانا مدظلہم کی مجلس منعقد ہوتی ہے جہاں متوسلین اور محبین کو اصلاح نفس اور ذکر اللہ کی تلقین کی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ حضرت مولانا مدظلہم کے علم و عمل، عمر اور اِخلاص میں برکت عطا فرمائے اور ہم سب کو ہمیشہ سلسلہ مدنی سے منسلک اور اس سے مستفیض فرمائے اور تا قیامت اس مبارک و سعید سلسلہ کو جاری فرمائے (آمین یارب العالمین)۔

(ندائے صفہ اشاعت خاص بیاد حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب ص 138، طبع 2012ء)

حضرت مولانا مدظلہم کو شیخ الاسلام حضرت مدنی کے سلسلہ طریقت میں اجازتِ بیعت حاصل ہے اور یہی سلسلہ آپ آگے چلا رہے ہیں، بیعت کے وقت حضرت مدنی ہی کا نام نامی لیتے ہیں، علاوہ ازیں حضرت مولانا مدظلہم کو سلسلہ نقشبندیہ میں اجازتِ بیعت حاصل ہے، عرصہ دراز سے مدینہ منورہ میں مقیم شیخ المشائخ حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب مہاجر

مدنی دامت برکاتہم نے حضرت مولانا مدظلہم کو اپنے تمام سلاسل میں مجاز بنایا ہے، آپ کے خلفاء کی فہرست میں حضرت مولانا مدظلہم کا اسم گرامی تیسرے نمبر پر ہے۔
(تحفہ نقشبندیہ ص 30، طبع: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان)

سلسلہ نقشبندیہ غفوریہ مظہریہ مجددیہ

1 حضرت مولانا نعیم الدین صاحب مدظلہم
2 حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب مہاجر مدنی مدظلہم
3 حضرت مولانا لطف اللہ صاحب عباسی
4 حضرت مولانا شاہ عبدالغفور عباسی مہاجر مدنی
5 حضرت مولانا فضل علی قریشی صاحب
6 حضرت خواجہ محمد سراج الدین صاحب
7 حضرت خواجہ محمد عثمان دامانی

حضرت مولانا عبدالقیوم مہاجر مدنی دامت برکاتہم کے واسطہ سے حضرت مولانا مدظلہم کو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے سلسلہ میں بھی اجازت ہے، جس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

1 حضرت مولانا نعیم الدین صاحب مدظلہم
2 حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب مہاجر مدنی مدظلہم
3 حضرت مولانا سید قمر الزمان صاحب مدظلہم
4 حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب
5 حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی
6 سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی

اصلاح وارشاد:

جب حضرت مولانا مدظلہم کو حضرت قاری صاحب نے اجازتِ بیعت سے سرفراز فرمایا تو

ابتداءً آپ نے کسی سے بھی اس بات کا تذکرہ نہیں کیا پھر چند مخلصین ومحبین سے تذکرہ ہوا، آپ بیعت کے لیے آنے والے حضرات کو خود بیعت نہیں فرماتے تھے بلکہ جامعہ مدنیہ کریم پارک کا سامنے مخدوم المشائخ حضرت سیّد نفیس الحسینی شاہ صاحب کے پاس بھیجتے اور بعض اوقات خود ساتھ جاتے اور حضرت شاہ صاحبؒ سے بیعت کرواتے، جب تک حضرت شاہ صاحب حیات رہے کھل کر بیعت نہیں فرمایا، بہت کم حضرات کو بیعت کیا، حضرت شاہ صاحب کے انتقال (1429ھ/2008ء) کے بعد قدرتی طور پر حضرت مولانا مدظلہم کی طرف سے رجوع ہوا اور طلباء وعوام نیز علماء کی کثیر تعداد آپ سے مستفیض ہونے کی خواہش لیے آپ کے پاس حاضر ہونے لگی تو آپ نے شیخ مکرم کی وصیت:

آج کل صحیح العقیدہ مصلحین کا قحط ہے اس لیے خواہش مند حضرات کو بیعت فرمالیا کریں۔ (خط مرقومہ 28 شوال المکرّم 1416ھ/19 مارچ 1996ء)

کے مطابق بیعت فرمانا شروع کر دیا، یہ بھی اللہ کا فضل وکرم ہے کہ آپ سے سینکڑوں شائقین استفادہ کر رہے ہیں اور چند خوش نصیب اَفراد سلوک کی منازل طے کر کے آپ کے مجاز بھی بن چکے ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس چشمہ فیض کو تا قیامت جاری وساری رکھے۔ (آمین)

وعظ ونصیحت:

اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا مدظلہم کو وعظ ونصیحت کی نعمت سے بھی نوازا ہے، 15 محرم الحرام 1402ھ/13 نومبر 1981ء سے جامعہ مدنیہ کی مدینہ مسجد میں جمعہ کی نماز سے پہلے بیان اور خطبہ ونماز کی سعادت انجام دے رہے ہیں۔ (بیابہ مجلس نفیس ص 27)

آپ کے وعظ کی بدولت بہت سے اَفراد کو ہدایت نصیب ہوئی ہے، آپ کا وعظ از دل خیزد بر دل ریزد کا مصداق ہوتا ہے۔

حضرت مولانا مدظلہم کے اندازِ تربیت کو شاہینِ ختم نبوت حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب مدظلہم نے محسوس کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

حضرت مولانا مدظلہ مخلص بزرگ عالم دین ہیں، بہت ہی سنجیدگی سے باوقار طرز اور مستقل بنیادوں پر مثبت کام کا انہوں نے بیڑا اُٹھایا ہے اور بڑی تیزی وسرعت اور کامیابی سے اپنی ساحلِ مراد کی طرف بڑھ رہے ہیں، ان کے نظم وسکون کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔

(ندائے صفہ ص 14، طبع 2007ء)

رمضان المبارک 1434ھ میں جب آپ کے خطبات کی پہلی جلد شائع ہوئی اُس پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب مدظلہم نے تحریر فرمایا:

حضرت مولانا نعیم الدین صاحب عالمِ ربانی ہیں، بلند پایہ عالمِ دین اور فاضلِ ہر دلعزیز مدرس ہیں، ان کی زبان کی چاشنی سے لگتا ہے کہ وہ کوثر وتسنیم سے دُھلی گفتگو کر رہے ہیں۔

(ماہنامہ لولاک، ج 18، ش 2، ص 55)

حضرت مولانا مدظلہم کے خطبات کی دو جلدیں شائع ہو چکی ہیں مزید پر کام جاری ہے، اللہ تعالیٰ ان جواہر مضیئہ کو منظر عام پر لانے کی توفیق عطا فرمائیں (آمین)، الحمدللہ حضرت مولانا مدظلہم کی وعظ ودرس کا سلسلہ لاہور شہر اور بیرونِ شہر جاری وساری ہے، اللہ تعالیٰ حضرت مولانا مدظلہم کو صحت وعافیت کے ساتھ تا دیر سلامت رکھیں (آمین)

تصنیف وتالیف:

اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا مدظلہم کو تصنیف وتالیف کا بھی خوب ملکہ عطا فرمایا ہے، اب تک آپ کے قلم حقیقت رقم سے گوناگوں موضوعات پر پچاس کے قریب کتب ورسائل شائع ہو چکے ہیں، پانچ تالیفات ایسی ہیں جو آپ نے اپنے قلمی نام سے تحریر فرمائی ہیں، وہ بھی شائع شدہ ہیں اور عوام الناس کی رہنمائی میں ممد ومعاون ہیں، چھوٹا منہ بڑی بات، بقول نواب مرزا خان دہلوی داغ:

خط اُن کا بہت اچھا، عبارت بہت اچھی
اللہ کرے حسنِ رقم اور زیادہ

(اردو کے ضرب المثل اشعار ص 84)

سند حدیث:

حضور تک راویوں کے سلسلہ کو سند کہتے ہیں، امام عالی مقام امام اعظم حضرت امام ابو حنیفہ (م 150ھ) کے شاگرد رشید حضرت امام عبداللہ بن مبارک (م 181ھ) فرماتے ہیں:

اَلْاِسْنَادُ مِنَ الدِّیْنِ وَلَوْلَا الْاِسْنَادُ لَقَالَ مَنْ شَاءَ مَا شَاءَ

(صحیح مسلم ج 1، ص 12، طبع: قدیمی کتب خانہ، آرام باغ، کراچی)

سلسلہ سند کا تعلق دین سے ہے، اگر یہ سلسلہ نہ ہوتا تو جو شخص جو چاہتا وہ کہتا امت محمدیہ کی یہ خصوصیت ہے کہ اُس نے اپنے نبی کے ہر ہر عمل کو بعینہٖ محفوظ کر رکھا ہے، کسی اور اُمت کے اَفراد اپنے نبی کا کوئی عمل سند سے ثابت نہیں کر سکتے اور ہمیں یہ فخر بھی حاصل ہے کہ ہم اپنے نبی کا ہر ہر قول اور عمل سند کے ساتھ بیان کر سکتے ہیں، ہم سے لے کر حضور تک درمیانی وسائط کا کم ہونا سند کا عالی ہونا کہلاتا ہے، اَسنادِ عالی کا طلب کرنا اَسلاف کا طریقہ رہا ہے، چنانچہ حضرت اِمام اَحمد بن حنبل (م 241ھ) سے کسی نے پوچھا:

اسناد عالی کی طلب کے بارہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟

فرمانے لگے: اَسنادِ عالی کا طلب کرنا سلف کی سنت ہے۔

(مناقب الامام احمد از ابن جوزی ص 203 طبع مصر بحوالہ امام ابن ماجہ اور علم حدیث ص 16)

حضرت مولانا مدظلہم کو اللہ تعالیٰ نے یہ شرف بھی بخشا ہے کہ آپ کی سند عالی ہے، صرف چار واسطوں سے مسند الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی a (م 1176ھ/1762ء) آپ کے اُستاذ بنتے ہیں:

(1)

1 حضرت مولانا محمد عبدالرشید نعمانی

2 حضرت مولانا محمد یٰسین بریلوی

3 حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی

4 حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دِہلوی

5 حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دِہلوی

(2)

1 حضرت مولانا محمد عبدالرشید نعمانی

2 حضرت مولانا محمود حسن ٹونکی

3 حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن پانی پتی

4 حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دِہلوی

5 حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دِہلوی

اَکابر علماءِ دیوبند پر اعتماد:

حضرت مولانا مد ظلہم کو اَکابر علماءِ دیوبند کَثَّرَ اللّٰہُ سَوَادَھُمْ سے جذباتی تعلق اور عشق کی حد تک لگاو ہے، اَکابر علماء دیوبند کی تمام تر تحقیقات پر حد درجہ اعتماد ہے، اَکابر کے مسلک ومشرب سے ایک انچ بھی آگے پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں ہیں، اُصول ہوں یا فروع، عقائد ہوں یا اَحکام، سیاساتِ ملکیہ ہوں یا علمی پیچیدگیاں ہر بات میں اَکابر علماء دیوبند کی تحقیقات اور اَعمال میں اُن ہی پر اعتماد کرتے ہیں اور اپنے تمام متعلقین ومتوسلین کو بھی اس کی ترغیب دیتے ہیں اس سلسلہ میں آپ یہ بھی فرماتے ہیں:

عام طور پر لوگ اکابر کی اصطلاح سے بھی واقف نہیں ہیں وہ ہر ایک کو اَکابر میں شمار کرتے ہیں اور بس اَکابر اَکابر کی رٹ لگائے پھرتے ہیں حالانکہ جانتے ہی نہیں کہ اَکابر کون ہیں؟ اَصاغر کو بھی اَکابر میں شمار کرتے رہتے ہیں یَا لَلْعَجَبْ

ایک دفعہ آپ نے اَکابر کی اصطلاح سمجھاتے ہوئے اِرشاد فرمایا:

ہمارے اُستاذ قاری رشید صاحبؒ فرماتے تھے کہ اَکابر علماءِ دیوبند کا مفہوم سمجھنا ہو تو بس شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ تک اور زیادہ سے زیادہ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ تک کے

بزرگوں کو اَکابر میں شمار کریں کہ یہاں تک کے اُکابر علماء کی تحقیقات پر آنکھ بند کرکر عمل کریں بعد کے بزرگوں میں چند ایک علماء تو ایسے ہیں جن کو شمار کر لو لیکن! اَکابر کا مصداق بعد کے بزرگ نہیں بنتے۔

حضرت مولانا مدظلہم نے ایک مرتبہ اسی سلسلہ میں فرمایا:

واقعی یہ بات سمجھنے کی ہے آج کل ہر شخص اپنے سے ذرا بڑی عمر کے اَفراد کو اَکابر میں شمار کر لیتا ہے اور پھر جب اِن کے تفردات اور علماء دیو بند کی تحقیقات سے ہٹ کر اُن کی موشگافیاں سامنے آتی ہیں تو پھر پریشان ہوتا ہے، اِسی لیے میں کہا کرتا ہوں کہ اگر اَکابر کی اصطلاح کا مفہوم و مصداق سمجھ لیں تو پھر پریشانی نہیں ہوگی۔

بڑوں کا اَدب واحترام:

حضرت مولانا مدظلہم اس بات کا ہمیشہ خیال رکھتے ہیں کہ اپنے بڑوں کا ادب واحترام ملحوظ رکھا جائے اپنی کسی بھی بات سے اُن کو پریشانی نہ ہو اور اُن کے سامنے کبھی بھی ایسا اِظہار نہ کیا جائے جس سے اپنی بڑائی ظاہر ہو اور اگر وہ کوئی ایسی بات کہیں جو پہلے سے معلوم ہو تو اس انداز سے اُن کی بات سنی جائے کہ اُن کے سامنے اپنے علمیت ظاہر نہ ہو۔

26 محرم الحرام 1417ء/13 جون 1996ء بروز جمعرات کی بات ہے، حضرت مولانا مدظلہم کے ہمراہ مولانا عبدالحفیظ صاحب مدظلہم (جانی شاہ والے) اور راقم حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحب کے گھر ظہر کی نماز کے بعد حاضر ہوئے، پہلے حضرت شاہ صاحب نے اندر گھر سے لا کر کھانا کھلایا پھر گفتگو فرماتے رہے، حضرت شاہ صاحب نے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی دو عدد رسالے (ذکر محمود اور یادِ یاراں) نکال کر رکھے ہوئے تھے وہ حضرت مولانا کو دیے کہ اَنوارِ مدینہ میں چھاپ دیں، حضرت مولانا نے بہت شوق سے وہ رسالے لیے اور حضرت شاہ صاحبؒ سے کہا کہ حضرت اِن شاء اللہ ضرور شائع کر دیں گے1، جب ہم حضرت شاہ صاحبؒ کے گھر سے باہر آئے تو راقم نے حضرت مولانا مدظلہم سے عرض کیا کہ حضرت! ذکر محمود تو اُوپر آپ کی درس گاہ میں رکھا ہوا ہے کتابت شدہ، تو

حضرت مولانا مدظلہم نے فرمایا:

حضرت شاہ صاحب نے یہ رسالے نکال کر رکھے ہوئے تھے تو کیا میں یہ کہتا کہ آپ رہنے دیں میرے پاس ہیں؟

اپنی بڑائی ظاہر کرتا؟ حضرت شاہ صاحب نے دیے، میں نے لے لیے، فوٹو سٹیٹ کر کے بعد میں واپس کردیں گے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا مدظلہم اپنے سے بڑوں کا کس درجہ خیال رکھتے ہیں کہ کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے اپنی بڑائی ظاہر ہو اور بڑوں کو تکلیف پہنچے۔

اوصاف وکمالات:

اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا مدظلہم کو بہت سی خوبیوں سے نوازا ہے آپ کے اوصاف حمیدہ اور اَخلاقِ عالیہ کے بارہ میں مجھ جیسا کوتاہ علم اور موجز قلم بھلا کیا تحریر کرسکتا ہے؟ صرف چند باتیں جو آپ کی شخصیت کا لازمی حصہ ہیں ذکر کرتا ہوں، آپ اِن اُمور کی طرف اپنے تلامذہ اور متعلقین و منتسبین کو متوجہ کرتے رہتے ہیں تاکہ ان میں عمل کا جذبہ پیدا ہو۔

حقوق اللہ کی ادائیگی:

حقوق اللہ میں سب سے مقدم نماز ہے آپ تمام متعلقین کو پانچ وقت نماز باجماعت کی پابندی کا اہتمام کرنے کا حکم فرماتے ہیں کہ سفر ہو یا حضر، بیماری ہو یا تندرستی، سردی ہو یا گرمی، بارش ہو یا سخت آندھی ہر حال میں اور ہر وقت مسجد میں جاکر جماعت کے ساتھ نماز اَدا کرنی چاہیے، ایک مرتبہ فرمایا:

حضرت قاری (عبدالرشید) صاحب نے شروع ہی سے نماز باجماعت پڑھنے کی تربیت فرمائی، مارچ 1981ء میں حضرت قاری صاحب کے ساتھ ہمارا کراچی کے سفر پر جانا ہوا۔

(انوار مدینہ ج7، ش12، ص33)

تو قاری صاحبؒ نے ٹرین میں بھی نماز باجماعت ادا کی، بس اسی تربیت کا نتیجہ ہے کہ

جماعت کی نماز چھوڑنے یا اِس میں سستی کرنے کو طبیعت آمادہ نہیں ہوتی۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ فرائض ونوافل کی ادائیگی خود تو فرماتے ہیں لیکن اپنے ساتھیوں کو خوامخواہ تنگ کرنا مناسب نہیں سمجھتے اور نہ ہی اُن کو کسی قسم کا بوجھ دیتے ہیں۔

حقوق العباد کی اَدائیگی:

حضرت مولانا مدظلہم حقوق العباد سے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

شریعت میں جہاں حقوق اللہ کی ادائیگی کی بہت اہمیت ہے وہاں حقوق العباد کی ادائیگی کی اس سے بھی زیادہ اہمیت ہے، اللہ اور اللہ کے رسول حضرت محمد نے حقوق العباد کی ادائیگی پر بہت زور دیا ہے اور اُن کے ادا نہ کرنے پر بڑی سخت وعیدیں بیان فرمائی ہیں۔

حقوق العباد میں والدین کے حقوق، بیوی بچوں کے حقوق، اعزا و اَقربا کے حقوق، پڑوسیوں کے حقوق، چھوٹے بڑوں کے حقوق، اُستاذ وشاگرد کے حقوق نیز ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر حقوق سب ہی قسم کے حقوق آتے ہیں اور سب سے عہدہ برآ ہونا ضروری ہے۔(رجل رشید ص 126)

حضرت مولانا مدظلہم اپنی اِس تحریر کا عملی نمونہ ہیں۔

ایک روایت ملاحظہ فرمائیں:

حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُوْنَ

لوگوں سے وہ بات کرو جسے وہ سمجھ پائیں

اسی طرح ایک اور جگہ اِرشاد ہے:

اُمِرْنَا اَنْ نُّكَلِّمَ النَّاسَ عَلٰى قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ

ہمیں اِس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ ہم لوگوں سے اُن کی عقل کے مطابق بات کیا کریں

ایک اور اِرشادِ گرامی ملاحظہ فرمائیں:

اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللهِ اَنْ نُّنْزِلَ النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ

ہمیں جناب رسول اللہ نے حکم دیا ہے کہ ہم لوگوں کا اِکرام اُن کے درجہ کے مطابق کیا کریں

حضرت مولانا مدظلہم ان احادیث مبارکہ پر بھرپور طریقہ سے عمل کرتے ہیں، ہر ایک سے درجہ بدرجہ تعلق رکھتے ہیں، آپ مجلس میں بیٹھے ہر شخص پر پوری توجہ دیتےہیں ، ہر ایک کو ایسے محسوس ہوتا ہے کہ آپ کو اُس سے بہت خاص تعلق ہے بقول شاعر:

ہر دل کو اُس چشمِ کرم سے تھا یوں لگاو
گویا کہ وہ ہم ہی سے لگائے ہوئے ہے دل

اِس شعر کی عملی تصویر حضرت مولانا مدظلہم کی ذات گرامی ہے۔

آج کے ماحول میں دینی تعبیرات کے مطابق مسائل حل فرماتے ہیں، حالاتِ حاضرہ کا درک رکھتے ہیں، عوام الناس سے اس انداز سے بات کرتے ہیں وہ بجائے وحشت کھانے کے دین سے مانوس ہوجاتے ہیں، بسا اَوقات دیکھا جاتا ہے کہ آپ کی مجلس میں آنے والے حضرات اِس انداز سے گفتگو کرتے ہیں جو نامناسب ہوتی ہے یا کچھ حضرات اپنی کم علمی کی وجہ سے آپ کے بیان کردہ مسائل پر بحث کرتے ہیں تو آپ اُس وقت اس مقولہ پر عمل کرتے نظر آتے ہیں:

ہر چیز کا صدقہ ہوتا ہے اور عقل کا صدقہ یہ ہے کہ جاہل کی بات سن کر خاموشی اختیار کی جائے۔

آج کل علماء سماج اور معاشرہ سے بالکل الگ رہتے ہیں اِس لیے اُن کے وعظ ونصیحت میں وہ اثر نہیں ہوتا جس کی ضرورت ہے، حضرت مولانا مدظلہم کا ایک خاص وصف سماج سے واقف ہونا ہے، آپ معاشرتی مسائل کا خوب درک رکھتے ہیں، آنے والے اَحباب کے معاشرتی وسماجی مسائل کا حل دینِ متین کی روشنی میں پیش فرماتے ہیں، ان اُمور کے پیشِ نظر رکھنے کی بدولت حضرت مولانا مدظلہم کی ذاتِ گرامی مرجع الخلائق بنی نظر آتی ہے، گویا خَیْرُ النَّاسِ مَنْ یَّنفَعُ النَّاسَ کا عملی نمونہ ہیں، اللہ تعالیٰ حضرت مولانا مدظلہم کا سایہ شفقت تادیر دراز فرمائے۔ (آمین یارب العٰلمین)

(۴۴)......پیر جی سید مشتاق علی چشتی صابری

نام: سید مشتاق علی بن سید اشتیاق علی، مشہور پیر جی صاحب

تاریخ پیدائش سات نومبر انیس سو اکسٹھ (۱۹۶۱ء-۱۱-۷) بروز منگل، مقام پیدائش محلّہ گوبند گڑھ، گلی نمبر ۸، مکان نمبر ۳۶/سی اسلامیہ کالج روڈ گوجرانوالہ پنجاب پاکستان ہے۔

خاندان:

آپ امام علی رضا رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے ہیں اس لیے آپ رضوی مشہدی سید ہیں۔

مختصر شجرۂ نسب:

سید مشتاق علی بن سید اشتیاق علی بن سید ممتاز علی بن سید ضامن علی بن سید نجف علی بن سید حسن علی بن سید واجد علی بن سید نور محمد بن سید کبیر علی بن سید شاہ داؤد بن سید شاہ احمد قتال قلندر کرنال بن سید شاہ بن سید ابدال مشہدی قدس سرہٗ سے ہوتا ہوا امام علی رضا رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچ جاتا ہے، پھر امام علی رضا رحمۃ اللہ علیہ سے آگے اس طرح ہے۔

امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین رضی اللہ عنہ بن حضرت بی بی فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا خاتون جنت بنت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ظاہری تعلیم:

آپ کی عمر جب ۵ سال مکمل ہوئی یعنی ۱۹۶۷ء میں تو آپ کو حامد علی میموریل ہائی سکول واقع کالج روڈ میں داخل کرادیا گیا۔

آپ چھٹی جماعت میں تھے کہ یہ سکول کسی وجہ سے یہاں سے ختم ہوگیا۔ پھر آپ نے جناح میموریل ہائی سکول نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ میں داخلہ لیا اور چھٹی اور ساتویں کلاس وہاں پڑھی۔ پھر کسی گھریلو مجبوری کی وجہ سے آپ کو سکول کی تعلیم چھوڑنا پڑی۔ آپ کی والدہ محترمہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو جتنا منظور تھا اتنا پڑھ لیا ہے، فکر کی کوئی بات نہیں جو قسمت میں ہوتا

ہے وہ وہی ہوتا ہے، بیٹا اللہ مالک ہے۔

سکول کی تعلیم کے بعد:

آپ کی تربیت آپ کی والدہ محترمہ نے شروع ہی سے ایسی فرمائی تھی۔ جس کی وجہ سے آپ اس عمر میں بھی نماز روزہ اور دین کی تعلیم کا شوق رکھتے تھے۔ آپ نے سکول سے فارغ ہو کر قرآن مجید ناظرہ کی تعلیم حاصل کرنا شروع کی جو بہت جلد ہی مکمل فرمائی۔ قرآن کی تعلیم آپ نے قاری اللہ بندہ کرنال والوں سے حاصل کی۔ قاری اللہ بندہ صاحب آپ کے والد کے بہت قریبی دوست تھے۔ ان سے قرآن ختم کرنے کے بعد آپ نے دوبارہ اپنے محلّہ کی مکی مسجد کے پیش امام حافظ جی نور محمد کرنال والوں سے جو آرائیں فیملی سے تھے دوبارہ قرآن پڑھا اور ساتھ ہی ساتھ دینی کتابوں کا مطالعہ بھی فرماتے رہے۔

گزراوقات کے لیے محنت مزدوری کرنا:

قرآن کی تعلیم کے بعد آپ نے سب سے پہلے اپنے گھر ہی میں بچوں کی چیزوں کی چھوٹی سی دکان بنائی تھی، جب آپ نماز وغیرہ کے لیے جاتے تو والد صاحب دکان پر بیٹھ جاتے۔ آپ کے والد صاحب کا معمول یہ ہوتا کہ محلّہ کے چھوٹے چھوٹے بے سمجھ بچے آپ کے پاس آ کر بیٹھ جاتے۔ آپ سب کی جھولی میں چیزیں ڈال دیتے اور کوئی پیسے وصول نہ کرتے۔

کچھ عرصہ اس طرح نظام چلتا رہا۔ آپ نے اس عرصہ میں دین اسلام کا کافی مطالعہ فرمایا۔ آپ نے جن کتب کا مطالعہ فرمایا ان میں تفسیر، حدیث، فقہ سیرت النبی، تاریخ اسلام، تصوف اور خاص کر تقابل ادیان کی کتب شامل ہیں۔ آپ کو دینی کتابیں اکٹھی کرنے کا شوق بچپن سے تھا، جس کی وجہ آپ کی لائبریری میں اس وقت تقریباً چار پانچ ہزار سے زیادہ کتابیں موجود ہیں اور ہر مکاتب فکر کے لوگ ان سے فائدے اٹھاتے ہیں۔

مدینہ کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ پر ملازمت:

مدینہ کتاب گھر گوجرانوالہ اردو بازار میں دینی کتابوں کی ایک مشہور دکان تھی اس کے مالک حاجی عبدالجلیل تھے حاجی صاحب مسلک کے اعتبار سے اہل حدیث مکتبہ فکر کے تھے۔

۱۹۷۸ء کے آخر یا ۱۹۷۹ء کے شروع میں آپ نے اس دکان پر ملازمت اختیار کی۔ یہاں پر آپ نے تقریباً سات، آٹھ سال کا عرصہ گزارا۔ اس عرصہ میں آپ کا اکثر معمول یہ رہا کہ آپ گھر سے بہت جلدی نکلتے اور راستے میں مدرسہ نصرۃ العلوم میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ کے سبق میں حاضر ہوتے۔ آپ مولانا کے آنے سے پہلے ہی مدرسہ پہنچ جاتے۔ قرآن کا ترجمہ اور تفسیر اور کچھ بخاری کا سبق سنتے پھر دکان پر تشریف لے جاتے۔

مطالعہ میں وسعت:

جب آپ مدینہ کتاب گھر پر ملازم ہوئے تو اہل حدیث حضرات کی پوری کوشش تھی کہ وہ آپ کو اہل حدیث بنالیں مگر آپ پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل رہا اور شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صفدر کے درس اور آپ کی کتابوں کے مطالعہ کا آپ کو بہت فائدہ رہا۔ آپ ہر لحاظ سے ان کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے آپ ہر مسئلے کی تحقیق کرتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے کئی باران سے کہا کہ آپ ہماری کوئی ایسی بات بتائیں جو قرآن کے خلاف ہو یا حدیث کے خلاف ہو مگر وہ کسی مسئلہ میں بھی آپ کو شکست نہ دے سکے مگر یہ سارا بحث و مباحثہ صحیح نیت پر مبنی تھا ایک دوسرے کی توہین یا لڑائی جھگڑے کی صورت کبھی پیش نہ آئی۔ آپ کو مطالعہ کرنے کی اجازت تھی۔ آپ نے کبھی کوئی حوالہ چیک کرنا ہوتا تو رات کو آتے وقت کوئی کتاب گھر لے آتے اور صبح کو واپس لے جاتے۔ تقریباً آٹھ سال کا عرصہ ایسے ہی گزر گیا اور آپ کو مناظرہ کرنے کا شوق وہاں سے ہی پڑا۔ اہل سنت اور اہل حدیث کے مابین جو اختلافی مسائل ہیں ان پر آپ نے خوب پڑھا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر موجودہ دور تک کے علماء کی تاریخ تو آپ کو ازبر ہے۔

مدرسہ نصرۃ العلوم میں ملازمت:

۱۹۸۶ء کے شروع میں آپ نے مدرسہ نصرۃ العلوم کے شعبہ نشر واشاعت میں ملازمت

اختیار کی اور ۱۳، ۱۴ سال تک مسلسل آپ نے یہ خدمت انجام دی۔ ۱۹۹۹ء کے آخر میں آپ نے خود مدرسہ کی ملازمت چھوڑ دی۔ یہاں پر بھی آپ نے خوب مطالعہ کیا۔

شادی:

اسی دوران ۲ مئی ۱۹۸۶ء میں آپ کی شادی ہوئی۔

حرمین شریفین کا سفر:

۱۹۹۰ء میں پہلی بار آپ حج اور عمرہ کے لیے تشریف لے گئے۔ دوسری بار ۱۹۹۱ء میں تیسری بار ۱۹۹۲ء میں چوتھی بار ۱۹۹۴ء میں پانچویں بار ۱۹۹۷ء میں اپنے گھر والوں کے ساتھ تشریف لے گئے۔ اس سفر میں آپ کے بڑے صاحبزادے سید حافظ عبدالمتین بھی ساتھ تھے اور ۱۹۹۱ء میں آپ کی والدہ محترمہ بھی اس مبارک سفر میں آپ کے ساتھ تھیں، چھٹی بار ۱۴ دسمبر ۲۰۱۶ء کو بیوی کے ساتھ عمرہ کے لیے تشریف لے گئے۔

مدینہ کتاب گھر پر دوبارہ ملازمت:

جس دن آپ نے مدرسہ سے جواب دیا اسی رات کو مدینہ کتاب گھر کے مالک جناب ملک عبدالوکیل ایم اے سیاسیات جو حاجی عبدالجلیل کے سب سے بڑے فرزند ہیں آپ کے گھر تشریف لائے اور دکان پر کام کرنے کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ آپ کو کیسے علم ہوا کہ میں نے مدرسہ سے آج ہی جواب دیا ہے۔ فرمانے لگے کہ مجھے بالکل اس بات کا علم نہیں میں تو یہ چاہتا تھا کہ جس طرح بھی ہو سکے آپ ہمارے پاس آ جائیں۔ چلو اب تو مسئلہ ہی حل ہو گیا۔

پھر ۱۹۹۹ء کے آخر میں دوبارہ مدینہ کتاب گھر پر ملازمت اختیار کی اور ۲۰۰۷ء تک تقریباً ۷ سال تک یہ خدمت انجام دی۔

ملازمت کے بعد:

۲۰۰۷ء کے بعد سے لے اس وقت ۲۰۱۷ء تک آپ اپنے گھر پر ہی رہتے ہیں۔ آپ کا

معمول یہ ہے کہ آپ صبح شام اپنے گھر پر دو ٹائم بچوں کو ناظرہ قرآن شریف پڑھاتے ہیں۔ مغرب اور عشاء کے درمیان بھی کسی دوست کے گھر پر جا کر قرآن پڑھاتے ہیں۔ باقی دن کا اکثر حصہ اسلامی کتب کے مطالعہ میں یا کچھ نہ کچھ لکھنے لکھانے میں صرف ہوتا ہے۔ اکثر علمائے کرام اختلافی مسائل کے حوالہ سے آپ کی خدمت میں تشریف لاتے رہتے ہیں۔ علماء کے علاوہ اہل محلّہ تو دعا کروانے کے لیے اکثر آپ کے پاس آتے ہی رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بزرگوں کی دعاؤں کی برکت سے آپ کی دعا میں بہت تاثیر رکھی ہے۔

روحانی سلسلہ:

آپ کی عمر جس وقت ۱۵ یا ۱۶ سال کی تھی، آپ نے سلسلہ عالیہ قادریہ راشدیہ کی عالمی روحانی شخصیت شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلف الرشید حضرت مولانا عبید اللہ انور رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت فرمائی اور تاحیات اپنے مرشد سے تعلق قائم رکھا۔ آپ کبھی کبھار اسلامی مہینے کی پہلی جمعرات کو لاہور تشریف لے جاتے اور جمعہ پڑھنے کے بعد واپس تشریف لاتے یا جب بھی لاہور جانا ہوتا تو خانقاہ عالیہ قادریہ راشدیہ واقعہ شیرانوالہ گیٹ ضرور تشریف لے جاتے اور اپنے مرشد سے فیض حاصل کرتے۔

مرشد ثانی سید نفیس الحسینی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں:

حضرت مولانا عبید اللہ انور کے انتقال کے بعد آپ اکثر پریشان رہتے تھے اور کسی اللہ والے کی تلاش میں ہر وقت سرگرم رہتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ آرزو پوری فرمائی اور آپ کی خواہش کے مطابق آپ کو پیر طریقت رہبر شریعت سید انور حسین شاہ نفیس الحسینی کی خدمت میں بھیج دیا۔

نفیس شاہ صاحب نے آپ کی خواہش کے مطابق آپ کو فوراً اپنے حلقہ مریدین میں داخل فرمالیا۔ حضرت نفیس الحسینی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کو بہت محبت تھی۔ جب تک شاہ صاحب حیات رہے آپ شاہ صاحب کے فیوض وبرکات سے مستفیض ہوتے رہے۔ حضرت کے انتقال کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ خان گورمانی رحمۃ اللہ علیہ سے آپ نے اپنا

روحانی تعلق قائم فرمایا تھا۔ جونفیس شاہ صاحب کے خلیفہ تھے۔

مفتی صاحب نے آپ کو خلافت بھی عطا فرمائی۔ مفتی صاحب کے بعد آپ کا اصلاحی تعلق حضرت مولانا نعیم الدین صاحب مدظلہ سے ہے، مولانا نعیم الدین صاحب نے بھی آپ کو چاروں سلسلوں میں اجازت وخلافت سے نوازہ۔

آپ پر اس وقت تصوف کا بہت غلبہ ہے ہر وقت قرآن وسنت پر عمل کی بات کرتے رہتے ہیں، اپنی اور عوام کے عقائد واعمال کی اصلاح کا ہر وقت خیال رہتا ہے۔ آپ کی مجالس میں اس بات پر بہت زور دیا جاتا ہے کہ یہ دنیا فانی ہے، موت کو ہر وقت یاد رکھو، ہر معاملہ میں قرآن وسنت پر عمل کرنے کی پوری کوشش کرو۔ آپ کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ تصوف کو بھی قرآن وسنت کے عین مطابق ہونا چاہیے۔ آپ کو اپنے مرشد نفیس الحسینی کی طرح آل رسول ﷺ سے بے پناہ عقیدت ومحبت ہے۔ اسی محبت کی وجہ سے آپ نے فضائل السادات، تذکرہ اولیاء سادات، شجرہ جات سادات جیسی عظیم کتب مرتب فرمائیں جو بے حد مقبول ہوئیں۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ پر سلسلہ چشتیہ صابریہ امدادیہ مرتب فرمائی۔ ان کے علاوہ بھی دو تین کتابیں تصوف کے حوالہ سے تیار کی ہیں جو اپنے وقت پر ان شاء اللہ شائع ہوتی رہیں گی۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ پیر جی کا سایہ ہم پر تادیر قائم ودائم رکھے اور یہ بہاریں ہم لوٹتے رہیں۔ آپ کے کریمانہ اخلاق، دین کی خدمات، تصوف اور صوفیا کرام اور تقویٰ وپرہیز گاری اور عظمت سادات کی وجہ سے آپ کو بہت سے علماء اور پیران عظام نے اجازت وخلافت دی ہے۔ تحدیث نعمت کے طور پر ان کا تذکرہ بھی ہم یہاں پر کرتے ہیں۔

(۱)......استاذ العلماء ولی کامل حضرت مولانا نعیم الدین صاحب دامت برکاتہم العالیہ

(۲)......حضرت مولانا گلفام صاحب خلیفہ حضرت عبداللہ درخواستی مدظلہ العالی

(۳)......استاذ العلماء حضرت مولانا محمد یوسف کشمیری قادری صاحب

(سابق مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ)

(۴)...... حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ خان گورمانی رحمۃ اللہ علیہ

(۵)...... حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب مدظلہ العالی

خلیفہ حضرت مولانا صوفی سرور صاحب وخلیفہ سید نفیس الحسینی شاہ صاحب

(۶)...... حاجی عبدالستار ناگی قادری رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مولانا رشید احمد پسروری وخلیفہ مولانا ظفر احمد قادری واہگہ والے

اولاد:

آپ کے دو صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں ہیں۔

بڑے صاحبزادے کا نام حافظ سید عبدالمتین ہے۔ آپ ماشاء اللہ حافظ قرآن ہیں اور اس وقت ڈی۔اے۔ای مکینکل انجینئرنگ کر رہے ہیں۔

چھوٹے صاحبزادے کا نام سید عبدالمبین ہے۔ اس وقت آپ انٹرمیڈیٹ (میڈیکل) میں پڑھ رہے ہیں۔ دونوں صاحبزادے نہایت شریف اور عمدہ اخلاق کے مالک ہیں۔ اللہ تعالیٰ صحیح معنوں میں ان کو آپ کا جانشین بنائے۔ آمین!

تالیفات

پیر جی نے اب تک جو کتابیں یا رسالے وغیرہ شائع کیے، وہ تین قسم کے ہیں۔

(۱)...... اکابر اہل سنت کی کتابیں جو کافی عرصہ سے نایاب تھیں ان کی تصحیح وغیرہ فرما کر پاکستان میں پہلی بار ان کو شائع کیا۔

(۲)...... ایسے رسالے جو خود اکابر کی کتابوں سے مواد جمع کر کے ترتیب دیے۔

(۳)...... بعض مضامین یا تحریریں آپ کی ایسی ہیں جو کسی رسالے میں کسی وقت شائع ہوئیں تھیں۔ یا آپ نے کسی کتاب کے مصنف کا تعارف وغیرہ لکھا تھا یا کتاب کا ابتدائیہ یا کسی کتاب پر تبصرہ فرمایا تھا۔

قسم نمبر ۱، اکابر کی اصل کتابیں جو آپ نے شائع فرمائیں:

(۱) الجواب الکامل فی ازھاق الباطل

یہ کتاب مولانا میر محمد میرٹھی کی تصنیف ہے اس میں فقہ حنفی پر کیے گئے آٹھ (۸) اعتراضوں کا مدلل جواب دیا گیا ہے۔ پیر جی نے اس رسالے کو تلاش کر کے پاکستان میں پہلی بار شائع کیا۔

(۲) اجوبۃ اللطیفہ عن بعض ردود ابن ابی شیبہ علی ابی حنیفہ

یہ کتاب مولانا احمد حسن سنبھلی کی تصنیف ہے۔ اس میں ابن ابی شیبہ کے پہلے دس اعتراضوں کا جواب دیا گیا ہے۔ یہ رسالہ بھی پہلی بار پاکستان میں پیر جی نے شائع کیا۔

(۳) نظام الاسلام

یہ کتاب مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کے استاذ اور مدرسہ عالیہ کلکتہ کے صدر مدرس مولانا محمد وجیہہ کلکتوی کی مشہور زمانہ تصنیف ہے۔ اس میں قرآن، حدیث، فقہ، محدث، فقیہہ، مجتہد، ائمہ اربعہ، تقلید و اجتہاد، تقلید شخصی و غیر شخصی کے متعلق پچیس (۲۵) سوالات کے جواب دیے گئے ہیں۔

یہ کتاب پاکستان میں ۱۹۸۸ء میں پیر جی نے شائع کی اب پھر کافی عرصہ سے نایاب ہے۔

(۴) انتظام المساجد باخراج اھل الفتن و المفاسد

یہ رسالہ ۱۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کو فتویٰ علماء لدھیانہ بھی کہتے ہیں۔ یہ فتویٰ مولانا محمد بن عبد القادر لدھیانوی نے آج سے تقریباً ڈیڑھ سو سال پہلے دیا تھا۔ اس کو محفوظ کرنے کے لیے پاکستان میں پہلی بار پیر جی نے آج سے ۲۸ سال قبل اسے شائع کیا تھا۔ اب کافی عرصہ سے نایاب ہے۔

(۵) السیف الصارم لمنکر شان الامام الاعظم

یہ کتاب مولانا فقیر محمد جہلمی صاحب حدائق الحنفیہ کی تصنیف ہے۔ امام ابوحنیفہ پر اعتراضات کے جواب میں بہترین کتاب ہے۔ تقریباً ۷۰ سال کے بعد پیر جی اس کو منظر عام پر لے کر آئے ہیں۔

(۶)الاقوال الصحیحۃ فی جواب الجرح علٰی ابی حنیفۃ

یہ کتاب مولانا پروفیسر نور بخش توکلی نقشبندی خلیفہ سائیں توکل شاہ انبالوی کی تصنیف ہے۔تقریباً سو سال بعد پیر جی نے اس کو دوبارہ شائع کیا ہے۔امام ابوحنیفہ پر اعتراضات کے جواب میں بے نظیر کتاب ہے۔

(۷)نصرۃ المجتہدین

یہ کتاب علامہ عبدالحیؒ لکھنوی کے ساتھی اور ہم عصر حکیم وکیل احمد سکندر پوری کی تصنیف ہے۔یہ ظفر المبین کے بعض اعتراضوں کے جواب میں لکھی گئی تھی۔تقریباً ۱۱۰ سال بعد پیر جی نے پاکستان میں پہلی بار اس کو شائع کیا۔

(۸)جامع الشواھد اخراج الوھابیین عن المساجد

یہ مولانا وصی احمد محدث سورتی پیلی بھیتی شارح طحاوی شریف و منیۃ المصلی کی تصنیف ہے۔اس کو بھی پیر جی نے آج سے تقریباً ۳۰ سال قبل شائع کیا تھا یہ بھی ایک بار طبع ہوا دوبارہ شائع نہیں ہوا۔اب پھر کافی عرصہ سے نایاب ہے۔

(۹)رکعات تراویح

یہ کتاب محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کی ہے ۱۹۹۰ء کے قریب پاکستان میں پہلی بار پیر جی نے اس کو شائع کیا۔

(۱۰)تنبیہ الضالین فی ھدایت الصالحین

اس کے مرتب مولانا عنایت علی دہلوی ہیں یہ کتاب تقریباً ۱۳۰ سال کے بعد پاکستان میں پہلی بار پیر جی نے آج سے تیس سال قبل شائع کی تھی۔

(۱۱)اظھار الصواب علی اولی الالباب

مصنف حضرت مولانا مفتی مہدی حسن شاہ جہان پوری۔

یہ رسالہ ۱۹۹۲ء میں پہلی بار پاکستان میں پیر جی نے شائع کیا اس میں ہر قسم کی نشہ آور چیزوں کے حرام ہونے کی بحث ہے۔

(۱۲)التحقيق المتين

تالیف حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب

اس میں فقہ حنفی پر اعتراضات کے جوابات دیے گئے ہیں یہ رسالہ بھی ۱۹۹۱ء میں پہلی بار پاکستان میں پیر جی نے شائع کیا۔

(۱۳)نور العينين فى ترك رفع يدين

از مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی

یہ کتاب بھی پاکستان میں پہلی بار پیر جی نے شائع کی۔

(۱۴) مجموعہ رسائل مولانا رشید احمد محدث گنگوہی

اس میں حضرت گنگوہی کے مندرجہ ذیل سات (۷) رسالے جمع کیے ہیں۔ یہ بھی صرف ایک سو (۱۰۰) کی تعداد میں شائع ہوئے تھے دوبارہ طبع نہیں ہوئے۔

(۱) سبيل الرشاد

(۲) القطوف الدانيه فى تحقيق الجماعة الثانية

(۳) اوثق العُرٰى فى تحقيق الجمعة فى القرٰى

(۴) هداية المعتدى فى قرأة المقتدى

(۵) الحق الصريح فى اثبات التراويح

(۶) الراى النجيح فى عدد الركعات التراويح

(۷) رد الطغيان فى اوقاف القرآن

ہماری معلومات کے مطابق یہ کتابیں اور رسالے صرف وہ ہیں جو پاکستان میں پہلی بار طبع ہوئیں ہیں۔ اور پیر جی نے بھی صرف ایک ایک بار ہی ان سب کو شائع کیا ہے۔ پیر جی کا کہنا ہے کہ ہم نے لوگوں کو مفید اور نایاب کتابیں مہیا کر دی ہیں اب جو مرضی اس کو شائع کر لے۔ اس لیے آپ ایسی کتابیں صرف پچاس یا سو طبع کراتے تھے۔

کتابوں کا موضوع اصل میں امام حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کا دفاع ہے۔ آپ

کاروباری نقطہ نظر سے کوئی کتاب شائع نہیں کرتے صرف دین اسلام اور شریعت حق کی حفاظت کی خاطر یہ کام کرتے ہیں۔ اور اس کو ذریعہ نجات قرار دیتے ہیں۔ کیوں کہ کتاب کی اشاعت بھی علم پھیلانے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ او۔ خاموش طریقہ سے تبلیغ بھی ہے۔

کتابوں کی دوسری قسم:

ایسی کتابیں جو آپ نے اپنے اکابر کی تحریروں سے خود جمع کر کے شائع کی ہیں۔

(۱) مجموعہ رسائل مولانا محمد امین اوکاڑوی (مکمل چار جلدیں)

اس میں مولانا محمد امین اوکاڑوی کے رسالے اور مختلف مضامین آپ نے سیٹ کر کے جمع کیے تھے۔ یہ آج کل نایاب ہیں۔

(۲) ترجمان احناف

اس میں مختلف علماء کے مضامین وتحریرات کو جمع کیا گیا تھا۔ یہ بھی نایاب ہے۔

(۳) تعارف فقہ (کامل چھ حصے)

اس میں فقہ کے موضوع پر بہت اچھا مواد جمع کیا گیا ہے اور فقہ حنفی کا تعارف بھی کرایا ہے۔ یہ بھی ایک بار شائع ہوئی پھر نہیں ہوئی اب کافی عرصہ سے ختم ہے۔

(۴) اکھٹی تین طلاق کا شرعی حکم

افادات مولانا فقیر اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

یہ کتاب رسالہ ماہ نامہ بینات کراچی میں قسط وار شائع ہوتی تھی۔ پیر جی نے تمام اقساط کو جمع کر کے کتابی شکل میں طبع کرایا۔

(۵) امام ابوحنیفہ پر اعتراضات کے جوابات

یہ کتاب کئی بار طبع ہو چکی ہے اور بہت مقبول ہے۔ یہ بھی اکابر کی مختلف کتابوں سے ماخوذ ہے۔

(۶) فقہ حنفی پر اعتراضات کے جوابات

یہ کتاب بھی کئی بار طبع ہو چکی ہے اور بے حد مقبول ہے۔

(۷) آفتاب محمدی بجواب شمع محمدی

شمع محمدی میں فقہ حنفی کے ۱۵۶ مسائل کو حدیث کے خلاف ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ پیر جی نے آفتاب محمدی میں ثابت کیا ہے کہ ان ۱۵۶ مسائل میں سے ایک بھی ایسا مسئلہ نہیں ہے جو حدیث کے خلاف۔ اس کتاب میں احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔

(۸) حقائق الفقه بجواب حقيقة الفقه

حقیقت الفقہ میں امام ابوحنیفہ اور فقہ حنفی پر اعتراضات کیے گئے تھے۔ پیر جی نے ان کے ایسے مدلل جوابات دیے ہیں کہ بہت سے علماء نے اپنی کتابوں میں اس کو ماخذ بنایا ہے۔

(۹) علمائے اہل سنت کی تصنیفی خدمات کی ایک جھلک

یہ کتاب بھی بے حد مقبول ہے اور کئی رسالوں میں قسط وار بھی طبع ہوتی رہی۔

(۱۰) فتاویٰ عالمگیری پر اعتراضات کے جوابات

(۱۱) بہشتی زیور پر اعتراضات کے جوابات

(۱۲) ہم اہل سنت کیوں ہیں

(۱۳) دلائل احناف حصہ اول وحصہ دوم (ایک سو چھ مسائل کی احادیث کا مجموعہ)

(۱۴) سرور العینین فی تکبیرات العیدین مع قربانی کے تین دن

(۱۵) ننگے سر نماز

(۱۶) مسائل اربعہ

(مرد عورت کی نماز میں فرق، فرضوں کے بعد دعا، ننگے سر نماز، جرابوں پر مسح)

(۱۷) جرابوں پر مسح

(۱۸) فرض نماز کے بعد دعا کا ثبوت

(۱۹) بیس تراویح کا ثبوت

(۲۰) رسائل پیر جی (۱۰ رسالوں کا مجموعہ)

(۲۱) احادیث نبوی اور فقہ حنفی (حصہ اول، دوم) ختم ہے۔

(۲۲) دلائل اہل سنت (ختم ہے)

(۲۳) امام مرغینانی (ختم ہے)

(۲۴) تکبیر تحریمہ کے وقت کانوں تک ہاتھ اٹھانے کا احادیث سے ثبوت (ختم ہے)

(۲۵) نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ (ختم ہے)

(۲۶) خاص خاص سورتیں اوران کے فضائل

(۲۷) فیضان مصطفیٰ ﷺ (۴۰ مسنون درود شریف کا مجموعہ)

(۲۸) مجموعہ وظائف

اس مجموعہ میں کئی سورتیں اور بہت سی قرآنی آیات اور ان کے فضائل، مختلف درود شریف، ذکراذکار، علاج معالجے کی دعائیں، اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ کے نام اور بہت سی مفید چیزیں جمع کردی گئی ہیں۔

(۲۹) فضائل سادات

اس کتاب میں سیداورسادات، اہل بیت نبوی، آل رسول اور فضائل اہل بیت کو بیان کیا گیا ہے۔ ۴۰ احادیث بحوالہ نقل کی گئی ہیں اور ایسی کئی آیات کی تفسیر بیان کی گئی جن کا تعلق اہل بیت سے ہے۔ فضائل اہل بیت پر ایک مستند اور بحوالہ کتاب ہے۔

(۳۰) تذکرہ اولیاء سادات

اس میں ایسے ۱۳ اولیائے کرام کے حالات درج فرمائے ہیں جن کا تعلق سادات خاندان سے ہے۔

(۳۱) میزان الحق

آپ کی یہ کتاب تقریباً ۸۰۰ صفحات پر مشتمل ہے آج سے تقریباً ۳۱ سال قبل شائع ہوئی تھی دوبارہ شائع نہیں ہوئی۔

(۳۲) ہدایہ پراعتراضات کا علمی جائزہ، یہ ۴۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۳۳) مسائل قربانی قرآن وسنت کی روشنی میں

(۳۴) مضامین پیر جی

(۳۵) احادیث مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلک احناف

(۳۶) شجرہ جاتِ طریقت

(۳۷) حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے روحانی سلسلے

(۳۸) شجرہ قادریہ

(۳۹) قلندرِ زمان

(۴۰) تذکرہ علمائے احناف

(۴۱) سلسلہ چشتیہ، قدوسیہ، امدادیہ

(۴۲) سلسلہ چشتیہ، نظامیہ، قدوسیہ، امدادیہ

تیسری قسم، مضامین وغیرہ:

(۱) شیخین کی چند مجالس، ماہ نامہ الشریعہ کی خصوصی اشاعت جو مولانا سرفراز خان صفدر کی سوانح پر مشتمل ہے۔ اس میں آپ کا یہ مضمون شائع ہوا۔

(۲) ارشادات حسینی، سید نفیس الحسینی شاہ صاحب پر آپ نے یہ مضمون لکھا ہے۔

(۳) امام المناظرین سے احقر کی پہلی ملاقات

مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی پر آپ نے یہ مضمون لکھا ہے۔

(۴) حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی بلند شہری پر آپ نے ایک مضمون لکھا تھا جو ان کی مفصل سوانح حیات تذکرۃ الصالحین میں شائع ہوا ہے۔

(۵) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی پر آپ نے ایک مضمون لکھا تھا جو مجموعہ رسائل مولانا رشید احمد گنگوہی میں شائع ہوا ہے۔

(۶) مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی پر آپ نے ایک مضمون لکھا تھا جو ان کی کتاب حفظ الرحمن لمذهب النعمان میں شائع ہوا ہے۔

(۷) محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی پر آپ نے ایک مضمون لکھا تھا جو ان کی کتاب رکعات تراویح میں شائع ہوا ہے۔

(۸) امام ابو حنیفہ اور امام ابن ابی شیبہ کے متعلق آپ نے ایک مضمون لکھا تھا جو امام اعظم اور عمل بالحدیث کی کتاب میں شائع ہوا تھا۔

ہمارے علم کے مطابق جو کتابیں تھیں ہم نے ان کا نام لکھ دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر، علم اور عمل میں برکت عطاء فرمائے اور آپ سے سلسلے کی زیادہ سے زیادہ خدمت لے۔ آمین! (احقر: سید ذاکر حسین مودودی چشتی نظامی)

(۱) سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ قدوسیہ امدادیہ

۱۔ شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین خاتم النبیین حضرۃ سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۲۔ حضرت امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

۳۔ حضرت خواجہ حسن بصری ۴۔ حضرت خواجہ عبدالواحد بن زید

۵۔ حضرت خواجہ فضیل بن عیاض ۶۔ حضرت سلطان ابراہیم ادہم بلخی

۷۔ حضرت خواجہ حذیفہ مرعشی ۸۔ حضرت خواجہ ابوہبیرہ بصری

۹۔ حضرت خواجہ ممشاد علو دینوری ۱۰۔ حضرت خواجہ ابواسحاق شامی

۱۱۔ حضرت خواجہ ابواحمد ابدال چشتی ۱۲۔ حضرت خواجہ ابومحمد چشتی

۱۳۔ حضرت خواجہ ابویوسف چشتی ۱۴۔ حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی

۱۵۔ حضرت حاجی شریف زندنی ۱۶۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونی

۱۷۔ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری ۱۸۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی

۱۹۔ حضرت شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر ۲۰۔ حضرت مخدوم علاؤ الدین علی احمد صابر

۲۱۔ حضرت شیخ شمس الدین ترک پانی پتی ۲۲۔ حضرت شیخ جلال الدین پانی پتی

۲۳۔ حضرت شیخ احمد عبدالحق ردولوی ۲۴۔ حضرت شاہ عارف ردولوی

۲۵۔ حضرت شیخ محمد ردولوی ۲۶۔ حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی

۲۷۔ حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری ۲۸۔ حضرت شیخ نظام الدین بلخی

۲۹۔ حضرت شیخ ابوسعید گنگوہی ۳۰۔ حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادی

۳۱۔ حضرت سید شاہ محمدی ۳۲۔ حضرت شاہ محمد مکی

۳۳۔ حضرت شاہ عضدالدین امروہی ۳۴۔ حضرت شاہ عبدالہادی امروہی

۳۵۔ حضرت شاہ عبدالباری امروہی ۳۶۔ حضرت شاہ عبدالرحیم شہید ولایتی

۳۷۔ حضرت میاںجیو نور محمد جھنجھانوی ۳۸۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی

۳۹۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی ۴۰۔ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب

۴۱۔ حضرت مولانا سید قمر الزمان صاحب ۴۲۔ حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب

۴۳۔ حضرت مولانا نعیم الدین صاحب ۴۴۔ پیر جی سید مشتاق علی شاہ

(۲) سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ آفاقیہ امدادیہ

۱۔ شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین خاتم النبیین حضرۃ سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۲۔ خلیفہ رسول اللہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

۳۔ صاحب رسول حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ

۴۔ حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر

۵۔ حضرت امام جعفر صادق

۶۔ حضرت سلطان بایزید بسطامی

۷۔ حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی

۸۔ حضرت خواجہ ابوعلی فارمدی

۹۔ حضرت خواجہ یوسف ہمدانی

۱۰۔ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی

۱۱۔ حضرت خواجہ عارف ریوگری

۱۲۔ حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی

۱۳۔ حضرت خواجہ عزیزاں علی رامتینی

۱۴۔ حضرت خواجہ محمد باباسماسی

۱۵۔ حضرت سید میر کلال

۱۶۔ حضرت سید بہاء الدین نقشبند

۱۷۔ حضرت خواجہ علاء الدین عطار

۱۸۔ حضرت مولانا یعقوب چرخی

۱۹۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار

۲۰۔ حضرت مولانا محمد زاہد

۲۱۔ حضرت خواجہ درویش محمد

۲۲۔ حضرت مولانا خواجگی امکنگی

۲۳۔ حضرت خواجہ محمد باقی باللہ

۲۴۔ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی

۲۵۔ حضرت خواجہ محمد معصوم

۲۶۔ حضرت خواجہ محمد نقشبند ثانی

۲۷۔ حضرت خواجہ محمد زبیر

۲۸۔ حضرت خواجہ ضیاء اللہ

۲۹۔ حضرت شاہ محمد آفاق دہلوی

۳۰۔ حضرت مولانا نصیر الدین دہلوی

۳۱۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی

۳۲۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی

۳۳۔ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی

۳۴۔ حضرت مولانا سید حامد میاں

۳۵۔ حضرت قاری شریف احمد صاحب

۳۶۔ حضرت مولانا نعیم الدین صاحب

۳۷۔ پیر جی سید مشتاق علی شاہ

(۳) سلسلہ عالیہ قادریہ قمیصیہ امدادیہ

۱۔ شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین خاتم النبیین حضرۃ سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۲۔ حضرت امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

۳۔ حضرت خواجہ حسن بصری
۴۔ حضرت خواجہ حبیب عجمی

۵۔ حضرت خواجہ داؤد الطائی
۶۔ حضرت خواجہ معروف کرخی

۷۔ حضرت خواجہ سری سقطی
۸۔ حضرت خواجہ جنید بغدادی

۹۔ حضرت شیخ ابو بکر شبلی
۱۰۔ حضرت شیخ عبد الواحد بن عبد العزیز تمیمی

۱۱۔ حضرت شیخ ابو الفرح طرطوسی
۱۲۔ حضرت شیخ ابو الحسن علی الہنکاری

۱۳۔ حضرت شیخ ابو سعید بن مبارک مخزومی
۱۴۔ حضرت شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی

۱۵۔ حضرت سید عبد الرازق القادری
۱۶۔ حضرت سید زین الدین

۱۷۔ حضرت سید یحییٰ زاہد
۱۸۔ حضرت سید عبد الوہاب

۱۹۔ حضرت سید عبد القادر
۲۰۔ حضرت سید احمد قدسی

۲۱۔ حضرت مولانا محمد مغربی
۲۲۔ حضرت سید عبد الحق

۲۳۔ حضرت سید الیاس
۲۴۔ حضرت سید شاہ قمیص الاعظم قادری

۲۵۔ حضرت سید شاہ محمد
۲۶۔ حضرت سید ابو محمد

۲۷۔ حضرت سید محمد غوث
۲۸۔ حضرت سید عبد الحق

۲۹۔ حضرت سید عبد الرزاق
۳۰۔ حضرت سید رحم علی شاہ قمیصی

۳۱۔ حضرت شاہ عبد الرحیم شہید ولایتی
۳۲۔ حضرت میاںجیو نور محمد جھنجھانوی

۳۳۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی
۳۴۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی

۳۵۔ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی
۳۶۔ حضرت مولانا سید حامد میاں

۳۷۔ حضرت قاری شریف احمد صاحب
۳۸۔ حضرت مولانا نعیم الدین صاحب

۳۹۔ پیر جی سید مشتاق علی شاہ

(۴) سلسلہ عالیہ سہروردیہ قدوسیہ ولی اللٰہیہ امدادیہ

۱۔ شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین خاتم النبیین حضرۃ سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۲۔ حضرت امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

۳۔ حضرت خواجہ حسن بصری ۔ ۴۔ حضرت خواجہ حبیب عجمی

۵۔ حضرت خواجہ داؤد الطائی ۔ ۶۔ حضرت خواجہ معروف کرخی

۷۔ حضرت خواجہ سری سقطی ۔ ۸۔ حضرت خواجہ جنید بغدادی

۹۔ حضرت خواجہ ممشاد علو دینوری ۔ ۱۰۔ حضرت شیخ احمد دینوری

۱۱۔ حضرت شیخ ابو محمد بن عبد اللہ ۔ ۱۲۔ حضرت شیخ وجیہ الدین عبد القاہر سہروردی

۱۳۔ حضرت شیخ ضیاء الدین ابو النجیب سہروردی ۱۴۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی

۱۵۔ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی ۔ ۱۶۔ حضرت شیخ صدر الدین عارف ملتانی

۱۷۔ حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانی

۱۸۔ حضرت سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں

۱۹۔ حضرت سید اجمل بھڑائچی

۲۰۔ حضرت سید بڈھن بھڑائچی

۲۱۔ حضرت شیخ درویش بن قاسم اودھی

۲۲۔ حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی

۲۳۔ حضرت شیخ رکن الدین گنگوہی

۲۴۔ حضرت شیخ عبدالاحد سرہندی

۲۵۔ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی

۲۶۔ حضرت سید آدم بنوری

۲۷۔ حضرت سید عبداللہ اکبرآبادی

۲۸۔ حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی

۲۹۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

۳۰۔ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

۳۱۔ حضرت سید احمد شہید رائے بریلوی

۳۲۔ حضرت میانجیو نور محمد جھنجھانوی

۳۳۔ حضرت میانجیو نور محمد جھنجھانوی

۳۴۔ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی

۳۵۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی

۳۶۔ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی

۳۷۔ حضرت مولانا سید حامد میاں

۳۸۔ حضرت قاری شریف احمد صاحب

۳۹۔ حضرت مولانا نعیم الدین صاحب

۴۰۔ پیر جی سید مشتاق علی شاہ

شجرہ طریقت پیر جی سید مشتاق علی شاہ

سلسلہ نقشبندیہ، مجددیہ، مظہریہ، غفوریہ

۱۔ شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین خاتم النبیین حضرۃ سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۲۔ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق ؓ

۳۔ حضرت سلمان فارسی ؓ

۴۔ حضرت قاسم بن محمد ؒ

۵۔ حضرت امام جعفر صادق ؒ

۶۔ حضرت شیخ بایزید بسطامی ؒ

۷۔ حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی ؒ

۸۔ حضرت خواجہ ابوالقاسم گورگانی ؒ

۹۔ حضرت خواجہ ابوعلی فارمدی ؒ

۱۰۔ حضرت خواجہ ابویعقوب یوسف ہمدانی ؒ

۱۱۔ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی ؒ

۱۲۔ حضرت خواجہ عارف ریوگری ؒ

۱۳۔ حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی ؒ

۱۴۔ حضرت خواجہ عزیزاں علی رامتینی ؒ

۱۵۔ حضرت خواجہ محمد بابا سماسی ؒ

۱۶۔ حضرت سید امیر کلال ؒ

۱۷۔ حضرت سید بہاءالدین نقشبند بخاری ؒ

۱۸۔ حضرت خواجہ علاء الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ
۱۹۔ حضرت مولانا یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ
۲۰۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ
۲۱۔ حضرت مولانا محمد زاہد رحمۃ اللہ علیہ
۲۲۔ حضرت خواجہ درویش محمد رحمۃ اللہ علیہ
۲۳۔ حضرت مولانا خواجگی امکنگی رحمۃ اللہ علیہ
۲۴۔ حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ
۲۵۔ حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ
۲۶۔ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ
۲۷۔ حضرت خواجہ شیخ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ
۲۸۔ حضرت سید نور محمد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ
۲۹۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ
۳۰۔ مولانا عبداللہ المعروف شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
۳۱۔ حضرت شاہ ابو سعید مجددی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
۳۲۔ حضرت شاہ احمد سعید مجددی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
۳۳۔ حضرت حاجی دوست محمد قندھاری رحمۃ اللہ علیہ
۳۴۔ حضرت خواجہ محمد عثمان دامانی رحمۃ اللہ علیہ
۳۵۔ حضرت خواجہ سراج الدین دامانی رحمۃ اللہ علیہ
۳۶۔ حضرت خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ
۳۷۔ مولانا عبدالغفور عباسی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ
۳۸۔ مولانا لطف اللہ عباسی رحمۃ اللہ علیہ
۳۹۔ مولانا عبدالقیوم مہاجر مدنی حفظہ اللہ
۴۰۔ حضرت مولانا نعیم الدین صاحب حفظہ اللہ
۴۱۔ پیر جی سید مشتاق علی شاہ حفظہ اللہ